ہمسفر

فرحت اشتیاق



ستمگر

وہ سہ پہر کا وقت تھا۔ سورج سوا نیزے پر تھا اور ڈسٹن ٹرنگ اور ٹیکسی پر سارا ہاتھ رکھنے والے کو پیسے دے کر اس نے والٹ واپس ونڈ بریکر میں رکھا اور اس عالی شان عمارت پر شکوہ بلڈنگ کی طرف دیکھا جس کا آرکیٹکچر جدیدیت کا حامل اور بے مثال تھا۔ قیمتی شیشے کے بے تحاشا استعمال کے سبب دور سے دیکھنے پر یوں نظر آتا تھا جیسے وہ پوری بلڈنگ گلاس سے بنی ہے۔ شہر کے قلب میں شہر کی سب سے اہم ترین کاروباری شاہراہ جہاں آس پاس تمام اہم ترین اداروں کے دفاتر موجود تھے۔ وہاں قرب و جوار میں موجود عمارتوں میں وہ عمارت ایک شان سے سر اٹھائے کھڑی الگ ہی نظر آرہی تھی۔

غرور و تکبر سے کھڑی یہ عمارت اس کے قد سے بہت اونچی تھی۔ اپنی حیثیت اور اس جگہ کی حیثیت کا فرق اس پر پوری طرح واضح تھا لیکن کیا کرتی کہ بیش قیمت شیشوں اور پتھروں سے تعمیر یہ پر شکوہ عمارت اس کی منزل تھی۔ وہ بیس۔ آئی۔ سی۔ اے۔ اس عمارت کے اندر کسی سے ملنے آئی تھی۔ پارکنگ ایریا کو عبور

مکمل ناول



کر وہ عمارت کے بالکل قریب پہنچی۔ چار سیڑھیاں
چڑھ کر اب وہ اس شاندار شیشے کے دروازے تک پہنچ
چکی تھی جس کے اندر اور باہر باوردی اور مسلح سیکیورٹی
گارڈز چاق و چوبند کھڑے تھے۔ دروازے کو کھول کر
اس نے اندر قدم رکھا۔ وہ یہاں پہلی مرتبہ آئی تھی'
اس لیے نہیں جانتی تھی کہ جس سے اسے ملنا ہے
وہ اسے کس فلور کے کس کمرے میں ملے گا چنانچہ
گراؤنڈ فلور پر ہی موجود ریسپشن سے اس نے اپنے
مطلوبہ شخص کے آفس کی بابت پوچھا۔ وہاں سے دو
منٹ میں اپنی مطلوبہ معلومات کے حصول کے بعد اب
وہ لفٹ کی طرف جا رہی تھی۔ وہ لفٹ کے پاس آکر
کھڑی ہوئی۔ لفٹ گراؤنڈ فلور پر آکر رکی اور اس میں
سے تین مرد اور دو لڑکیاں باہر نکلیں۔ اس نے لفٹ
میں قدم رکھا۔ اس کے پیچھے دو مرد بھی لفٹ میں داخل
ہوئے۔ لفٹ سے نکلتے اور اس میں داخل ہوتے یہ
سب مرد و زن اپنی تیاریوں میں کارپوریٹ کلچر کے
نمائندہ اور اس ماحول کو ایلیٹ کرتے نظر آرہے تھے جو
اس شاندار عمارت میں واقع ان کے اداروں کی پہچان
تھی۔ جس شخص کے یہ تمام لوگ ماتحت تھے جس
کے سامنے یہ سب جواب دہ تھے' جو ان کا باس تھا اس
کے ساتھ شرعی اور قانونی لحاظ سے اس کا کیا رشتہ ہے'
وہ یہ نہیں سوچ رہی تھی۔ وہ تو فقط اتنا سوچ رہی تھی
کہ کہیں ان میں سے کوئی یہ نہ جان لے کہ وہ یہاں کیا
کرنے آئی ہے' کیا لینے آئی ہے' کیا مانگنے آئی ہے۔
اولاد کیا چیز ہے' اولاد کی محبت کیا چیز ہے۔' اس
عمارت میں قدم رکھنے سے بھی پہلے جب اس نے خود
کو اس شخص سے ملنے پر مجبور پایا تھا تب ہی سمجھ لیا
تھا۔ حالات کے گرداب میں پھنسی تو ساری عقل
ٹھکانے آگئی تھی۔ اپنی ذات پر سارا غرور خاک میں مل
گیا تھا۔ ایک زمانے میں بہت شکوے رہے تھے اسے
اپنی سوچانے والی ماں سے جس نے اپنے لیے خودداری
اور عزت نفس کے معیار کچھ اور رکھے تھے اور اس
کے لیے کچھ اور۔ اس کے لیے اپنی عمر بھر کی ساری
خودداری' سب انا و وقار کی باتیں خود ہی مٹی میں ملا ڈالی
تھیں کہ ماں سے یہ تمام شکوے تب تک تھے جب
تک خود ماں نہ بنی تھی۔ خود ماں بنی تو جان پایا تھا کہ اولاد
کی محبت ایسی ہی ظالم چیز ہے جو انسان کو عزت نفس'
خودداری' انا جیسے تمام الفاظ ایک پل میں بھلا دیتی ہے
اور یہاں وہ خود اپنی انا' عزت نفس اور خودداری کو پامال
کر کے اپنی بیٹی کی زندگی کی بھیک لینے آئی تھی۔ اگر
اپنی بیٹی کی زندگی کے عوض اسے اپنی جان دینا پڑتی'
دے دیتی۔ اپنی عزت' اپنی آبرو قربان کرنا پڑتی
کر دیتی۔ جان اور آبرو سے تو کم تر ہی چیزیں تھیں۔ انا
اور خودداری۔ خود کو بہت کچھ سمجھا بجھا کر بہت سوچ
سمجھ کر اور ہر طرف سے مایوس ہونے کے بعد وہ یہاں
آئی تھی۔ یہ فیصلہ کوئی جذباتی یا لمحاتی فیصلہ نہیں تھا۔
کئی دنوں کے سوچ بچار اور مایوسیوں کے بعد وہ یہاں
آئی تھی۔ وہ اس شخص سے مرتے دم تک دوبارہ ملنا
نہیں چاہتی تھی۔ وہ اس کی شکل دیکھنا تو کیا اس کا نام
بھی سننے کی روادار نہیں [illegible] سننا نہیں چاہتی تھی اور آج

تقدیر کی یہ ستم ظریفی کہ وہ خود اپنے پیروں سے چل
کر اپنی مرضی سے اس شخص سے ملنے جا رہی تھی۔
اس کے سامنے کوئی اور راستہ ہی نہ تھا۔ [illegible]
کیا تقدیر نے اس کے سامنے جو انتخاب رکھا تھا وہ کچھ
یوں تھا۔

"حریم یا عزت نفس' بیٹی یا انا' جگر کا ٹکڑا یا
خودداری؟"

اور یقیناً اس کا جواب اس کے سوا کیا ہو سکتا تھا۔

"میری حریم' میری بیٹی' میرے جگر کا ٹکڑا جس کی
زندگی' صحت' سلامتی اور خوشیوں کے لیے صرف انا
ہی کیا میں خود کو بھی بیچ دوں۔"

حریم کی سلامتی کے لیے اپنی عزت و وقار کی پامالی
کا فیصلہ کر لینے کے باوجود اس عمارت میں پہلا قدم
رکھتے ہی اس کے اندر کی عورت چلا چلا کر رونے لگی
تھی۔

"کیوں' کیوں' کیوں؟ آخر کیوں جاؤں میں اس
شخص کے پاس۔ آخر کیوں؟ اس نے میری عزت'
میری آبرو پر انگلی اٹھائی تھی۔ اس نے مجھے دھتکار دیا
تھا پھر کیوں جاؤں میں اس ظالم اور سفاک انسان کے
در پر۔" مگر اس عورت کی روتی ہوئی آواز پر ماں کی
آواز حاوی تھی۔ جو اس عورت سے کہہ رہی تھی
کہ اپنی بیٹی کی جان کی سلامتی کے لیے اگر اسے اس
شخص کی منت بھی کرنا پڑے' اس سے بھیک بھی
مانگنی پڑے تو بھی کر جائے گی۔

وہ لفٹ سے نکل آئی تھی۔ یہ اس بلڈنگ کا ٹاپ
فلور تھا۔ کوریڈور بہت کشادہ تھا۔ سفید رنگ کے قیمتی
ٹائلز سے مزین فرش یوں چمک رہا تھا کہ انسان کو اس
میں اپنی شکل تک دکھائی دے جائے۔ دونوں اطراف
کئی بند کمرے تھے' ان کمروں کے باہر تھوڑے
تھوڑے فاصلوں پر خوب صورت گملوں میں خوش نما
آرائشی [illegible] رکھے ہوئے تھے۔ اس
فلور پر بظاہر خاموشی اور سکون کا راج تھا مگر یہ وہ فلور
تھا جو اس کمپنی کے اختیارات و احکامات کا منبع و مرکز
تھا۔ اس فلور پر قائم [illegible] کے آفسز
تھے۔ یہ وہ فلور تھا اور اس پورے فلور کا [illegible] آفس
تھا' وہ جو پر وقار قدموں سے چلتی اس آفس کی طرف
جا رہی تھی۔ اس خاموش راہداری میں کہیں کہیں
اندر کسی آفس میں بجتی فون کی گھنٹیاں اور کی بورڈ
پر تھرکتی انگلیوں کی مخصوص آوازیں یوں سنائی دے رہی تھیں
جیسے عالیشان مقبرے کے اندر [illegible]
ہوں۔ [illegible]
اب چپراسی اور [illegible] کے سامنے پہنچ
چکی تھی۔ باہر موجود چپراسی نے اسے اس کے [illegible]
[illegible] کے سبب اندر جانے سے روکا نہیں تھا ورنہ
ایسے ویسوں کو تو شاید اس آفس کے اندر قدم بھی نہیں
دھرنے دیا جاتا ہوگا۔

وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔ اس کا آفس اتنا
ہی شاندار ہونا چاہیے تھا۔ مزین [illegible] اور ہر طرح
کی جدید ٹیکنالوجی سے آراستہ اس آفس کے اندر الگ
الگ میزوں پر دو خوش لباس اور اچھی سی شخصیت کی
حامل سیکریٹریز کام کر رہی تھیں۔ دونوں کی میزیں جدید
ترین کمپیوٹرز اور ہر طرح کے جدید ترین ٹیلی فون
سیٹس سے مزین تھیں۔ دونوں بیک وقت کمپیوٹرز پر
بھی اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھیں اور ساتھ ہی
وقتاً فوقتاً بجتی فون کی گھنٹیوں پر بھی دھیان دے رہی
تھیں۔

وہ اس ابتدائی مرحلے پر ہی اندر سے خود کو اس جگہ
سے بہت زیادہ کم تر محسوس کرنے لگی تھی۔ اس نے
دونوں سیکریٹریز کی طرف دیکھا۔ اس کے اندر داخل
ہونے کو انہوں نے محسوس نہ کیا ہو یہ کس طرح ممکن
تھا لیکن ان دونوں نے اپنے اپنے کاموں سے سر اٹھا کر
اسے دیکھنا گوارا نہیں کیا تھا۔ ان دونوں جدید وضع کی
تراش خراش کے لباس میں ملبوس خواتین کے
انداز میں [illegible] تھا۔ وہ ان میں سے ایک کی
میز کے سامنے آکر کھڑی ہو گئی۔ اس نے [illegible]
رک کر اسے دیکھا تو ضرور مگر منہ سے کچھ کہنا
مناسب نہیں سمجھا۔

"مجھے اشعر حسین صاحب سے ملنا ہے۔" اس نے

مضبوط لہجے میں کہا۔
اتنا تو وہ طے کر کے آئی تھی کہ وہ یہاں سر اٹھا کر آئے گی۔ اپنی چال' اپنے انداز' اپنی گفتار کسی بھی چیز سے وہ اپنی کمزوری یہاں کسی پر بھی ظاہر نہیں ہونے دے گی۔

"آپ کا نام؟ آپ نے اپائنٹمنٹ لے رکھا ہے کیا؟"

واقعی وہ بھول گئی تھی کہ وہ ایک بہت مصروف اور بہت بڑے آدمی سے ملنے جا رہی ہے، جس کا وقت بہت قیمتی ہے۔

"میں نے اپائنٹمنٹ نہیں لیا مگر میرا ان سے ملنا بہت ضروری ہے۔ یہ آفیشل نہیں' ایک پرسنل اور بہت اہم کام ہے۔ آپ انہیں میرے بارے میں بتائیں۔ اگر وہ ابھی مصروف ہیں تو میں انتظار کر سکتی ہوں۔"

اس کے دو ٹوک لہجے میں یقیناً ایسی کوئی نہ کوئی بات اس تجربہ کار سیکرٹری کو ضرور محسوس ہوئی تھی جو اس نے سوالیہ اپنی گردن کو اقرار میں ہلاتے منقش اور بہت مضبوط دروازے کے دوسری طرف بیٹھے اپنے باس کو اس ملاقاتی کی خبر دینے کے لیے انٹرکام کی طرف مڑی۔

"میم! آپ کا نام؟"

"ام حریم۔" اس نے سپاٹ چہرے کے ساتھ بظاہر بہت سادہ اور عام سے انداز میں اپنا تعارف کروایا تھا اور ساتھ ہی دل میں ایک بار پھر خود کو یاد دلایا تھا کہ وہ یہاں خود احسان نہیں حریم حسین کی ماں کی حیثیت سے آئی ہے۔

"سر! ام حریم نام کی ایک خاتون آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔ کہہ رہی ہیں کہ آفیشل نہیں' کچھ پرسنل اور ضروری کام ہے۔"

"تو سر! اپائنٹمنٹ تو نہیں تھا لیکن سب... جی سب ٹھیک ہے سب۔" وہ خاموشی سے کھڑی سیکرٹری کو ماؤتھ پیس میں بس سر' او کے' سر کی گردان کرتے سن رہی تھی۔

"میم! آپ انتظار کیجیے' سر ابھی بزی ہیں۔ آپ کو تھوڑی دیر میں بلا لیں گے۔" انٹرکام رکھتے ہوئے سیکرٹری نے کمرے کے دوسرے کونے میں رکھے خوب صورت صوفوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ وہ آہستگی سے چلتی ایک صوفے پر آ کر خاموشی سے بیٹھ گئی تھی۔

ایک' دو' تین۔ گھڑی میں آگے بڑھتا ہر لمحہ جیسے اس کے اعصاب کو توڑ رہا تھا۔ اس کے اندر شدت سے خواہش ابھر رہی تھی کہ اچانک کہیں سے کوئی غیبی مدد آ جائے' اتنی بھرپور کہ اسے اس شخص کی مدد کی کوئی ضرورت باقی نہ رہے۔ اس کی حریم ایک دم ہی مکمل طور پر صحت یاب ہو جائے۔ وہ گرد و پیش سے انجان اور لاتعلق اپنے اندر کی جنگ میں الجھی رہی تھی۔ ڈیڑھ گھنٹہ بعد اس بار آفس سے سیکرٹری کو اسے بلانے کے لیے بھیجا گیا۔

"میم! آپ اندر جا سکتی ہیں۔" سے پیغام دے کر وہ ابھی ابھی آ کے ایک فائل کو اس سے اٹھا کر گئی تھی۔ وہ صوفے پر سے اٹھی تو اس کے قدم لڑکھڑا گئے۔

"ہمت اور حوصلہ' اپنی بیٹی کے لیے' صرف اپنی بیٹی کے لیے تم اس وقت سے گزر رہی ہو۔ اس کی زندگی سے زیادہ اہم تو نہیں ہے تمہاری عزت' تمہاری انا' تمہارا وقار۔"

اس نے دروازے کی طرف جانے کے لیے قدم اٹھائے لیکن وہ ابھی تک جانے اور نہ جانے کی کشمکش میں تھی۔

اچانک ہی Paediatric Surgeon کی پیشہ ورانہ لب و لہجے میں کہی باتیں اس کے ارد گرد گونجیں۔

"آپ کی بیٹی کی زندگی خطرے میں ہے۔"

"اس کی جلد از جلد اوپن ہارٹ سرجری ہونا چاہیے۔"

"اگر سرجری میں تاخیر کی گئی تو آپ کی بیٹی کی جان کو خطرہ ہو سکتا ہے۔"

یہ ورائٹی آوازیں اس کے تعاقب میں کیا آئیں وہ باقی ہر بات بھول گئی۔ حریم اور اس کی زندگی کے سوا ہر بات اس کے ذہن سے یک لخت ہی محو ہو گئی۔ وہ اگلے ہی پل اس مضبوط دروازے کو کھول کر اس کے اندر داخل ہو گئی۔

اس طویل و عریض اور قیمتی میز کے پیچھے فخر سے سر اٹھائے وہ شخص بیٹھا تھا' اپنی شخصیت کی اثر انگیزی سے مکمل واقف' اپنے مقام اور مرتبے سے مکمل آگاہ۔

سیاہ رنگ کا ایک بہت قیمتی کاٹن سوٹ' ایمرالڈ سلک ٹائی' قیمتی ٹائی پن اور کف لنکس' نازک ہاتھ میں سلور کلر کا پارکر قلم۔ قلم جس کی مدد سے سامنے میز پر رکھے کاغذ پر کچھ لکھ رہا تھا' ایک ہاتھ میں ریسیور جو کان سے لگا تھا اور جس پر کسی سے بڑی مصروفیت کے عالم میں گفتگو ہو رہی تھی۔

جن کی زندگیاں خوشیوں اور خوش حالیوں سے عبارت ہوں' وقت ایسے لوگوں کو چھوئے بنا گزر جاتا ہے۔ اس نے سوچا تھا۔

قلم کو میز پر رکھ کر اس نے گفتگو کا اختتام کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں ٹھیک ہے' پھر شام میں ملتے ہیں' او کے۔ اللہ حافظ۔" "او ہو" نظر پڑی تو اس کا جملہ ادھورا رہ گیا۔ اسے دیکھ کر ریسیور ہاتھ میں لیے ایک پل کے لیے تو وہ بالکل ہی خاموش ہو گیا۔ وہ ایک ایک قدم پر وقار انداز میں اٹھاتی پورے اعتماد کے ساتھ اس کی میز کے عین سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے ریسیور ایک دم ہی پوری قوت سے کریڈل پر پٹخا اور اپنی کرسی سے کھڑا ہو گیا۔

اس کے کچھ کہنے سے پہلے ہی وہ پرسکون لہجے میں بولی۔

"آپ مجھ سے شدید نفرت کرتے ہیں اور میری شکل دیکھنے کے بھی روادار نہیں ہیں۔ یہ بات میں جانتی ہوں۔ لہٰذا اپنی اس ناپسندیدگی کو ختم کیجیے' میں آپ سے کچھ ضروری بات کرنے آئی ہوں۔ زیادہ وقت نہیں لوں گی۔ آپ گھڑی دیکھیے' میں بس منٹ کے اندر اندر یہاں سے چلی جاؤں گی۔"

استہزائیہ نگاہوں سے اس کے قدموں سے سر تک دیکھتی وہ بھرپور اعتماد کے ساتھ وہاں رکھی کرسیوں میں سے ایک کرسی کھینچ کر اطمینان سے اس پر بیٹھ گئی۔ اس کے غصے اور اس کی ناپسندیدگی کی پرواہ کیے بغیر اس نے ہاتھ میں تھاما بیگ کھول کر اس میں سے ایک تصویر نکالی اور اسے میز پر ہاتھ آگے بڑھا کر اس کے سامنے رکھ دیا۔

"یہ میری چار سال کی بیٹی حریم حسین کی تصویر ہے۔ بد قسمتی سے میری اس بیٹی کو دنیا میں لانے کا سبب آپ ہیں۔ یہ مت سمجھیں کہ میں آپ سے اپنے کردار کی کوئی گواہی لینے آئی ہوں کہ آپ اسے اپنی اولاد مان کر میرے کردار کو سرخروئی عطا کر دیں۔ یہاں تو بات ہو رہی ہے میری بیٹی کے باپ کی۔ یہ اس کا بنیادی اور قانونی حق ہے کہ اس کا باپ اسے اپنی اولاد مانے۔ میری بیٹی بہت بیمار ہے۔ اس کی ہارٹ سرجری ہونی ہے۔ میرے آپ کے پاس یہاں آنے کا محض اتنا ہی مقصد ہے کہ میں اپنی بیٹی کو اس کے امیر کبیر باپ سے وہ رقم دلوا سکوں جو اس کے علاج کے لیے درکار ہے۔"

اس کا لہجہ طنزیہ ہوا تھا۔ اسے اپنا کرایے کا چھوٹا سا گھر یاد آیا تھا جس میں اس کی بیٹی نے آنکھ کھولی تھی' جہاں وہ چار سالوں سے رہ رہی تھی۔ حریم کا باپ ایک بہت امیر آدمی تھا' لیکن محرومی کی زندگی گزار رہی تھی۔

"جب میں آپ کے گھر سے گئی تو تقریباً پانچ ہفتوں کی پریگنینٹ تھی۔ میرے اس دعوے کا ثبوت آپ چاہیں تو آپ کو ڈاکٹر علیمہ اور کے کلینک سے مل سکتا ہے۔ آپ کے گھر سے جانے سے کافی روز قبل میں نے اپنا چیک اپ ... سے کروایا تھا اور ان کے کلینک سے یقیناً وہ سارے چار سال پرانا ریکارڈ آپ کو ضرور مل جائے گا اور یہ رہا میری بیٹی حریم حسین کا برتھ سرٹیفکیٹ۔ 30 اپریل XXXX'

یعنی آپ کا گھر چھوڑنے کے تقریباً ساڑھے چار ماہ بعد میری بیٹی حریم حسین پیدا ہوئی تھی۔ یہ ایک بڑی پیچیدہ ڈلیوری تھی۔ اس برتھ سرٹیفکیٹ کے اصلی ہونے میں کچھ شبہ ہو تو آپ اس کی تصدیق کرا سکتے ہیں۔" اس کے لہجے میں طنز زیادہ تھا یا نفرت اسے معلوم نہیں تھا۔ بغیر سانس لیے تیز رفتاری سے بولتے اسے بس اتنا معلوم تھا کہ اس مغرور اور سفاک انسان کے گیٹ آؤٹ اور گیٹ لاسٹ کہنے سے پہلے پہلے اسے اپنی بات پوری کر لینا ہے۔

انتہائی تیز رفتاری سے بات پوری کرتے اس نے حریم کا برتھ سرٹیفکیٹ بھی اس کی تصویر کے اوپر اس کے سامنے رکھ دیا تھا۔ اس نے جس طرح تصویر کو نظر اٹھا کر نہ دیکھا تھا اسی طرح اس برتھ سرٹیفکیٹ کو بھی نہ دیکھا۔ وہ اپنی کرسی کے سامنے دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچے کھڑا تھا۔

"اور یہ رہا میری بیٹی حریم حسین کا بلڈ گروپ۔" اس نے ایک اور کاغذ اس کے آگے دھرا۔ "میری بیٹی کا بلڈ گروپ B+ ہے۔ شاید آپ کو یاد ہو کہ B+ میرا بلڈ گروپ نہیں۔ B+ شہر یار عالم کا بلڈ گروپ بھی نہیں تھا البتہ یہ آپ کا بلڈ گروپ ضرور ہے۔ اگرچہ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ بلڈ گروپ میچ کر جانا اس بات کی ضمانت نہیں کہ آپ ہی میری بیٹی کے باپ ہیں۔ مگر بلڈ گروپ کا میچ ہونا بہرحال میرے دعوے کے حق میں ایک پوائنٹ بڑھا تو دیتا ہے۔ آپ اسے قابل اور پڑھے لکھے انسان ہیں۔ یقیناً آپ جانتے ہی ہوں گے کہ بچے کا بلڈ گروپ اس کے ماں اور باپ کے بلڈ گروپ کا کمبی نیشن ہوتا ہے اور "O" اور "O" کا کمبی نیشن کبھی بھی B+ نہیں ہو سکتا۔"

وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتے ہوئے بات کر رہی تھی۔

"ویسے تو یہ سب باتیں میں آپ سے اس وقت عدالت میں کر رہی ہوتی۔ بذریعہ کورٹ بھی کر سکتی تھی۔ میرا کردار چاہے جتنا بھی مشکوک ہو، کورٹ DNA Paternity test کروانے کا حکم آپ کو دیتی اور پھر فوراً ہی ساری سچائی کھل کر سامنے آ جاتی۔ مگر آپ ایک عزت دار انسان ہیں۔ کورٹ کچہری میں یقیناً آپ کی جگ ہنسائی ہوتی۔ آپ چاہیں تو DNA testing بھی کروا لیں۔ مجھے ہرگز کوئی اعتراض نہیں۔ بس آپ سے اتنی گزارش ہے کہ جو کچھ بھی آپ کو کرنا ہے وہ صاف صاف ذرا جلدی کر لیجیے۔ مجھے اپنی بیٹی کے آپریشن کے لیے پیسوں کی فوری ضرورت ہے۔ وہ شاید زیادہ لمبا انتظار نہ کر سکے۔"

بولتے بولتے ایک پل کے لیے وہ خاموش ہوئی مگر یہ خاموشی بھی بے مصرف نہیں تھی۔ اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑی فائل پوری کی پوری میز پر اپنے پہلے رکھے کاغذوں اور تصویر کے اوپر رکھ دی تھی۔

"اس فائل میں میری بیٹی کی تمام ٹیسٹ رپورٹس کی فوٹو کاپیز موجود ہیں۔ آپ کسی بھی ڈاکٹر سے تصدیق کرا سکتے ہیں کہ فوری سرجری کتنی ضروری ہے۔"

بات ختم کر کے وہ ایک جھٹکے سے کرسی پر سے اٹھی۔

"اس پتے پر میں ٹھہری ہوئی ہوں۔ آپ میرے دعوے کی تصدیق میں میری بیٹی کو دیکھنا چاہیں یا اس کے بائیولوجیکل فادر ہونے کی تصدیق کے لیے DNA testing کے لیے سیمپل کلیکٹ کروانے اپنے ساتھ اپنے کسی وکیل یا ڈاکٹر کے پاس لے جانا چاہیں تو مجھے ہرگز کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

کاغذ کے اوپر اس نے اس چٹ کا بھی اضافہ کر دیا جس پر لکھی گئی اس کے گھر کا فون نمبر اور خود اس کا اپنا موبائل نمبر درج تھا۔

"یقیناً مجھ سے مل کر آپ کو کوئی خوشی نہیں ہوئی ہوگی مگر پھر بھی آپ نے جو مجھے اپنا اتنا قیمتی وقت دیا اس کے لیے آپ کا بے حد شکریہ۔"

آٹھ منٹ بعد وہ اس کمرے سے باہر تھی۔ سر اٹھا

کر پورے وقار اور پراعتماد قدموں سے چلتی ہوئی وہ بلڈنگ سے باہر نکل آئی۔

جتنی خوداعتمادی اس جگہ آنے کے لیے اس نے اپنے اندر جمع کی تھی وہ سب باہر قدم رکھتے ہی یوں لگا کسی نے ساری کی ساری نچوڑ ڈالی ہے۔ وہ لڑکھڑاتے قدموں سے سڑک کے کنارے بے سمت چلتی رہی۔

اس کی آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے۔ اپنی بیٹی اور بہت پیار کے ساتھ اسے ہنستے مسکراتے ہوئے دیکھنے کے لیے ضروری تھا کہ وہ اپنے سب آنسو یہیں انہی سڑکوں پر بہا ڈالے۔

وہ شعر حسین کے ساتھ اس کی زبان میں طنز اور حقارت سے بات کر کے آئی تھی۔ اپنی تمام تر نفرتوں کے اظہار کے ساتھ لیکن پھر بھی پھر بھی وہ گئی تو تھی نا اس کے پاس۔ اس کے در پر بھیک مانگنے، "درخواست" تو کی تھی نا کہ وہ اپنی بیٹی کو اپنی بیٹی تسلیم کر لے۔ اپنی اولاد مان لے اور پھر اس کا حق دے۔ محض آٹھ منٹ اور [illegible] لگے تھے۔ شہر احسان کی انا، آبرو، وقار اور عزت نفس کو لٹنے اور بہہ جانے میں۔ آج کے بعد وہ کبھی سر اٹھا کر کہیں نہیں چل سکتی تھی۔ وہ سر اٹھا کر یہاں آئی تھی اور سر جھکائے یہاں سے جا رہی تھی۔ لٹی ہوئی 'ٹوٹی' تھکی ہاری۔

☼ ☼ ☼

وہ اس کے آفس سے جا چکی تھی اور وہ کرسی پر ایک ہی زاویے سے بغیر کسی جنبش کے ساکت بیٹھا تھا۔ اس نے اپنے سامنے رکھی تصویر تک کو نظر اٹھا کر نہیں دیکھا تھا۔ شہر احسان اس کے آفس میں؟ اگر اس میں رتی برابر بھی شرم اور غیرت تھی تو اسے زندگی بھر دوبارہ بھی اس کے سامنے آنا نہیں چاہیے تھا۔ اسے لگ رہا تھا کہ جیسے اس کے دماغ کی رگیں پھٹ جائیں گی۔ ذلت کے جس شدید احساس میں وہ پچھلے ساڑھے چار سالوں سے زندگی گزار رہا تھا اس وقت وہ ذلت بھرا احساس مزید کئی گنا بڑھ گیا تھا۔

"آج کی تمام اپائنٹمنٹس کینسل کر دیجیے۔ میں کوئی فون کال بھی ریسیو نہیں کر سکوں گا۔ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" انٹرکام پر اس نے اپنی سیکرٹری کو ہدایت کی۔

"لیکن سر! آج ساڑھے تین بجے شاہد گروپ کے ساتھ آپ کی میٹنگ ہے اور ابھی منصور لغاری کے ساتھ آپ کو لنچ۔"

"جب کہا ہے کہ تمام اپائنٹمنٹس کینسل کر دیجیے تو پھر اس میں میٹنگز، لنچ اور باقی سب کچھ بھی شامل ہے۔" اس نے سخت لہجے میں بات ختم کر کے ریسیور بہت زور سے پٹخا تھا۔

وہ دونوں ہاتھوں میں سر لیے بیٹھا تھا۔ وہ غم و غصے کا زیادہ شکار تھا یا ذلت زیادہ محسوس کر رہا تھا۔ اسے خود اپنی کیفیت کا اندازہ لگانا مشکل ہو رہا تھا۔ شہر احسان اس بداخلاقی اور بے غیرتی سے اس کے سامنے آکر سارے سے صحیح سلامت واپس بھی چلی گئی اور وہ دیکھتا رہا؟

کیا اعلیٰ تعلیم اور اعلیٰ رتبہ، معاشرے میں باعزت اور نمایاں مقام انسان کو بے غیرت بنا دیتے ہیں؟ وہ اسے جان سے کیوں نہیں مار سکا؟ اسے جان سے مار کر خود پھانسی چڑھ جاتا تو کم از کم اس بے غیرتی اور ذلت والی اس زندگی کو جینے سے تو اسے نجات مل جاتی۔

ساڑھے چار سال قبل اس کی وہ بیوی جسے وہ بہت چاہتا تھا' بالکل اچانک اس سے کچھ بھی کہے سنے بغیر کہیں غائب ہو گئی تھی۔ کہاں کمی رہ گئی تھی اس کی محبت میں' اس کی چاہت میں' جو وہ اس کے وجود کو یوں اتنی کاری چوٹ پہنچا گئی تھی۔ اسے اس سے کوئی شکایت تھی' وہ طلاق چاہتی تھی تو اپنے منہ سے اس سے یہ بات کہہ دیتی۔ وہ اس کی خوشی کی خاطر اسے باعزت طریقے سے علیحدہ ہونے دیتا۔

اسے کتنے عرصے تک تو یقین ہی نہیں آیا تھا کہ وہ شہر احسان اتنی گھٹیا اور اتنی گھٹیا بھی ہو سکتی ہے کہ اپنے شوہر کو چھوڑ کر کہیں فرار ہو جائے۔ [illegible] اس حد تک ساری ہو گیا تھا کہ اسے [illegible] غلطی کی تمیز بھی [illegible] تھا۔

اس کا تو جی چاہ رہا تھا کہ وہ پوری قوت سے چیخ چیخ کر اسے گالیاں دے۔ وہ اس کے وجود کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔ اور ایسا کر کے وہ اپنے ہی آفس میں خود اپنا ہی تماشا بنا لیتا۔ مگر وہ بزدل تھا۔

ہاں وہ بزدل تھا۔ وہ لوگوں کے سامنے تماشا بننے سے ڈرتا تھا۔ خرد احسان نے کل اس کے سامنے آ کر کیا کیا کہا اس نے کچھ سنا نہیں تھا۔ خرد احسان نے اس کے سامنے کیا کیا اور اس نے کچھ دیکھا نہیں تھا۔ اس کے سچے جذبوں، اس کی محبتوں اور چاہتوں کا مذاق اڑانے والی، اس کی عزت کو سر بازار نیلام کرنے والی بیوی کے نام پر ایک بدنما گالی، وہ عورت کسی دھتکاری کی بے خوفی اور کس دیدہ دلیری سے اس کے روبرو کھڑی تھی۔ کوئی ندامت، کوئی اعتراف جرم یا شرمندگی کا کوئی ہلکا سا شائبہ بھی اس کی آنکھوں میں نہ تھا۔



اس کی شادی اسے "آنا فانا" اور اتنے ڈرامائی طریقے سے بھی ہو سکتی ہے ایسا اس نے کبھی تصور تک نہیں کیا تھا۔ ٹھیک ہے ابھی تک اس کی کہیں کسی کے ساتھ کوئی کمٹمنٹ نہیں ہوئی تھی۔ یہ بھی ٹھیک ہے کہ وہ خیالوں اور خوابوں کی دنیا میں رہنے والا کوئی بہت زیادہ رومینٹک انسان نہیں تھا بلکہ ایک حقیقت پسند اور سنجیدہ سوچ رکھنے والا شخص تھا مگر بہت حقیقت پسند اور سنجیدہ سوچ رکھنے والے لوگ بھی تو اپنی زندگی اور شریک زندگی کے بارے میں کچھ نہ کچھ امنگیں اور خواہشات رکھتے ہیں۔ خرد احسان اس کے شریک حیات کے تصور پر کتنی پوری اترتی تھی۔ یہ تو وہ تب جانتا اگر وہ اسے جانتا ہوتا۔ ایک چھوٹے سے شہر میں رہنے والی پھوپھی کی دور کی کزن جس کا نام تک بھی اسے ڈھنگ سے یاد نہیں تھا۔ جس سے بچپن میں وہ "ایک بار" سرسری سا ملنے کے بعد وہ دوبارہ کبھی ملا نہیں تھا۔ تقدیر کے پھیرنے اسی گمنام اور اس کی زندگی میں کبھی کوئی اہمیت نہ رکھنے والی اس کزن کو بالکل "آنا فانا" اس کی بیوی بنا دیا تھا۔

اگر کسی کی بیوی اسے دھوکا دے تو اس کی انا اور غیرت پر چوٹ پڑتی ہے اور اگر کسی کی بیوی جسے وہ بے حد و بے حساب چاہتا بھی ہو، جس پر وہ آنکھیں بند کر کے اندھا اعتماد بھی کرتا ہو، اس سے بے وفائی کی مرتکب ہو تو اس کا پورا وجود ختم ہو جاتا ہے۔

وہ اشعر حسین ساڑھے چار سال قبل ایسے ہی ریزہ ریزہ ہو کر بکھرا تھا۔

اس کا "جنون" یہ دل چاہا تھا کہ وہ خرد کو بھی مار ڈالے اور خود کو بھی ختم کر لے۔ مگر اس میں تو اپنی زندگی کو خود اپنے ہاتھوں سے ختم کرنے کی بھی جرأت نہیں تھی۔ سو یہ ذلت آمیز زندگی وہ پھر سے جینے لگا تھا۔

وہ بظاہر زندہ لوگوں جیسے سب کام کرتا تھا۔ کھاتا پیتا، آفس جاتا، لوگوں سے ملتا، زندگی کے تمام معمولات وہ نبھا رہا تھا مگر وہ اندر سے ختم ہو چکا تھا۔ اس کے لب ہنسنا بھول گئے تھے۔

خرد نے جو دھوکا اسے دیا تھا، جو درد اسے پہنچایا تھا اس کے بعد اب وہ زندگی میں کبھی کسی پر اعتبار نہیں کر سکتا تھا۔ اب وہ زندگی میں دوبارہ کبھی کسی سے محبت نہیں کر سکتا تھا۔

اس نے اسے تلاش کرنے کی بھی کوشش نہیں کی تھی۔ اگر کرتا تو اتنا با اثر اور اتنا طاقت ور تھا کہ اسے پاتال سے بھی نکال لاتا۔

اسے ایک اذیت ناک موت دیتا۔ اس کی لاش تک کتوں کے آگے ڈال دیتا۔ مگر اپنا یہ اثر و رسوخ یہ طاقت استعمال کرنے کو اس کا دل ہی نہیں چاہا تھا۔ وہ اس کی انا، اس کی عزت، اس کے وقار کو جو ٹھیس پہنچا کر گئی تھی۔ اس کا کوئی بھی بدلہ، عمل خرد احسان کی دی ہوئی ذلت کے احساس کو مٹا نہیں سکتا تھا اور آج

وہ اس کے آفس میں اس کی میز کے سامنے موجود تھی۔ بڑی بے خوفی اور دیدہ دلیری کے ساتھ۔ اور وہ مٹھیاں بھینچے اپنے اندر سے اٹھتے نفرت کے لاوے کو باہر نکلنے سے روک رہا تھا۔

یہ شادی زبردستی نہیں کروائی گئی تھی۔ اس نے خود
اپنی رضامندی سے نکاح کے وقت خود احسان کو بطور
اپنی بیوی قبول کیا تھا۔ نکاح نامے پر دستخط کیے تھے۔
کبھی کبھی محبت بھی انسان کو بے حد مجبور کر دیتی ہے۔
اس کے ڈیڈی بصیرت حسین نے اس پر کوئی جبر
نہیں کیا تھا۔ اگر وہ لیا کرتے تو شاید وہ انہیں انکار بھی
کر دیتا۔ لیکن وہ کیسے کرتا کہ انہوں نے تو بڑی بے بسی
سے آنکھوں میں آنسو لیے اس نے اپنے بیٹے سے
ایک التجا کی تھی۔ ان کی مرتی ہوئی بہن کی اس آخری
خواہش کو پورا کر دے۔

"مجھ سے بہت بڑی بھول ہو گئی اشعر۔ بہت بڑی
زیادتی ہو گئی۔ اپنی دنیا میں مگن ہو کر زندگی کے
ہنگاموں میں مصروف رہ کر میں پوری زندگی اپنی اکلوتی
بہن سے غافل رہا۔ وہ انا والی تھی، خوددار تھی۔ کبھی
اپنی کوئی پریشانی بتائی نہیں تھی تو مجھے بھی خود سے یہ
خیال نہیں آیا کہ وہ شوہر کے مرنے کے بعد کسی
طرح کے خراب حالات سے گزر رہی ہے۔ میں یہاں
لاکھوں کروڑوں میں کھیلتا رہا اور وہ... میری بہن
وہاں زندگی کو نبھانے کس کس طرح گھسیٹ رہی تھی۔
شوہر کی بہت معمولی سی پنشن اور اپنی چند ہزار روپے
ماہوار والی ملازمت میں وہ کس طرح گزارا کرتی ہوگی
میں نے کبھی پلٹ کر دیکھا۔ بہن اور یتیم بھانجی کی خبر گیری
نہیں کی۔ وہ اتنے جان لیوا اور خطرناک مرض میں مبتلا
ہو گئی اور میں اپنے بزنس کو آگے سے آگے بڑھانے"
کامیاب بزنس مین بننے میں مصروف رہا۔ اور اس کی
بیماری سے بے خبر بھی رہا ہوں تو اب اب جب کچھ بھی
نہیں سکتا اور وہ بھی خود سے۔ بہن کا خیال کرنے پر
نہیں بلکہ اس کے جانے پر اس کے ٹوٹ جانے پر کہ۔
"میں جا رہی ہوں۔ میرے بعد میری بچی دنیا
میں تنہا رہ جائے گی۔ اس لیے تمہیں پکار رہی ہوں۔"
وہ بیٹے کے آگے بے بسی سے پھوٹ پھوٹ کر رو
رہے تھے۔ وہ اپنے بہت بہادر اور حوصلہ مند باپ کو
یوں ٹوٹا بکھرا دیکھ کر بالکل چپ بیٹھا ہوا تھا۔ ان کی
کیفیات کو سمجھ رہا تھا۔ ان پر ایک ہی وقت میں کئی
قیامتیں ایک ساتھ ٹوٹ پڑی تھیں۔ اس کی پھوپھو
ان کی اکلوتی چھوٹی بہن کی زندگی ختم ہونے والی تھی۔ وہ
کینسر جیسے خطرناک مرض میں مبتلا تھیں۔ یہ ان کی
بیماری کی آخری اسٹیج تھی۔ ڈاکٹرز انہیں جواب دے
چکے تھے۔ اب چند ہفتوں یا بہت سے بہت ایک آدھ
مہینے کی مہمان تھیں۔

اس کے ڈیڈی اپنی بہن سے اتنی محبت کرتے ہیں
پہلے کبھی اندازہ نہیں ہوا تھا۔ اس نے اپنے گھر میں
نہ اپنی اکلوتی پھوپھو کو کبھی زیادہ آتے جاتے دیکھا تھا
نہ ان کا ایسا کوئی خاص ذکر اپنے گھر میں سنا تھا۔ وہ
نواب شاہ میں رہتی تھیں اور عیدوں میں ہونے والی
کبھی کبھار کی فون کال کے سوا ان کا اس کے گھر سے
ایسا کوئی گہرا رابطہ نہیں تھا۔ پانچ سال قبل جب اس
کے پھوپھا کا انتقال ہوا تھا تب وہ پاکستان میں تھا ہی
نہیں۔ یہاں آتا اس کے علم میں تھا کہ اس کے ڈیڈی ان
کے انتقال پر نواب شاہ پھوپھو کے پاس گئے ضرور تھے۔
اور ان کی تدفین میں شرکت کر کے وہ فوراً ہی واپس آ
بھی گئے تھے کہ ان کی لندن کی فلائٹ تھی۔ ایک بہت
اہم بزنس ڈیل فائنل کرنے انہیں لندن روانہ ہونا
تھا۔ اس کے ڈیڈی نے بڑی محنت سے اپنا یہ شاندار
بزنس جمایا تھا۔

وہ کام کو عبادت سمجھ کر کرتے تھے۔ وہ ایک نہایت
قابل، دیانت دار اور محنتی انسان تھے۔ اپنے کام کو آج
زیادہ محنت اور لگن سے کرنے کی یہ عادت اس میں
اپنے ڈیڈی ہی سے آئی تھی۔ وہ آج ملک کی ایک
کامیاب کاروباری شخصیت مانے جاتے تھے۔ مگر ترقی
اور کامیابی کے اس سفر میں آگے سے آگے بڑھنے کی
لگن میں وہ اپنے قریبی رشتوں کو ایسے اہم رشتوں کو نظر انداز
کر گئے تھے جو ان کی زندگی میں براہ راست شامل نہ
ہوتے ہوئے بھی ان کی زندگی ہی کا ایک حصہ تھے۔
ان کی اکلوتی چھوٹی بہن، ان کی یتیم بھانجی،
جو ان کی محبت اور توجہ کی حق دار تھیں۔ جن کی خبر
گیری کرنا ان پر فرض تھا اور وہ اپنے اس فرض سے
ارادتاً نہیں، غفلت برتنے کے مرتکب ہوئے تھے۔

بہن سے فون پر جب بھی بات ہوتی وہ یہ سوچ کر
شرمندہ ہوتے کہ میں مصروفیت میں فون کر کے خیریت
معلوم کرنا بھول جاتا ہوں۔ ہمیشہ وہی فون کر لیتی ہے۔
اچھا ذرا اس ڈیل سے فارغ ہو جاؤں پھر فون کروں گا۔
نہیں بلکہ خود نواب شاہ جا کر بہن سے مل کر آؤں گا۔ وہ
چار روز اس کے پاس رہ کر آؤں گا۔ "انشاء اللہ" ابھی
بھی نہیں جا پائے تھے اس لیے کہ اس ڈیل کے بعد کوئی
اور اہم ڈیل۔ اس ڈیل کی تکمیل کے بعد کوئی دوسرا
ڈیل۔ اس کاروباری سفر کے بعد کسی اور ملک
میں کوئی اور اہم کاروباری کام۔ ایک کام کے بعد دوسرا
پہلے سے بھی زیادہ اہم کام تھا۔ جو ان کے پاس جانے
کی راہ میں حائل رہتا۔ وہ بہن سے ملنے جانے کے
لیے بھی فرصت ملنے کا انتظار کرتے رہے اور
وہاں بہن کے پاس فرصت ہی ختم ہونے لگی۔ اس کی
پاس زندگی ہی ختم ہونے لگی۔
مہینہ بھر قبل ایک روز بہن نے انہیں فون کر کے
اپنی بیماری کی اطلاع دی تھی۔ وہ ہر مصروفیت چھوڑ کر
افتاں و خیزاں بہن کے پاس بھاگے تھے۔ اشعر ان کے
ساتھ تھا اور وہاں اس نے اپنے ڈیڈی کو جس طرح
پھوپھو سے لپٹ کر روتے دیکھا اس سے اسے زندگی
میں پہلی بار پتا چلا تھا کہ وہ اپنی بہن سے کس قدر شدید
محبت کرتے ہیں۔ بصیرت حسین بہن اور بھانجی کو
اپنے ساتھ اپنے گھر لے آئے تھے۔ زندگی بھر پھوپھو
ان کی فیملی کی اس کے گھر میں ایسی کوئی اہمیت نہیں
رہی تھی۔ جو اسے ان سے کسی طرح کی محبت یا
انسیت ہوتی۔ مگر اپنے ڈیڈی کو ان سے اتنی زیادہ محبت
کرتے دیکھ کر وہ بھی انہیں بہت محبت اور احترام سے
ملا تھا۔ بصیرت حسین اچھے سے اچھے ڈاکٹروں کے
پاس بہن کو لے جا رہے تھے۔ حالانکہ اب اس سب کا
کوئی فائدہ نہیں تھا۔ ہر ڈاکٹر کے پاس وہی جواب تھا جو
وہ سب پہلے سے جانتے تھے۔ مرض ان کے جسم میں
پوری طرح پھیل چکا تھا۔ اب کچھ بھی نہیں ہو سکتا
تھا۔ بصیرت حسین پر بیک وقت دکھ، غم، پریشانی
ندامت و شرمساری کئی طرح کی کیفیات طاری تھیں
کہ اگر وہ پہلے بہن سے اتنے غافل نہ رہے ہوتے تو
اس کی بیماری سے پہلے آگاہ ہو جاتے۔ اس کا بہترین
علاج کرواتے۔ تب ان کی بہن بچ سکتی تھی۔ اور اگر نہ
بھی بچتی تب بھی یہ پچھتاوا تو انہیں نہ رہتا کہ انہوں
نے ایک بہت امیر کبیر اور رئیس بھائی نے مالی
مشکلات کا شکار اپنی بیوہ بہن کی مالی معاونت نہ کی۔ اس
کا اچھا علاج نہ کروایا۔ زندگی کی مشکلات میں اس کا
ساتھ نہ نبھایا۔
وہ بطور رشتے دار اور مہمان ان دونوں کے ساتھ
بڑی عزت اور احترام سے پیش آ رہا تھا۔ پھوپھو مسلسل
بستر پر تھیں۔ وہ کسی اسپتال کے کمرے میں ڈاکٹروں
اور نرسوں کے بیچ نہیں بلکہ اپنے بھائی اور بیٹی کے قریب
مرنا چاہتی تھیں۔
سو بصیرت حسین نے انہیں گھر پر ہی رکھا ہوا تھا۔
چوبیس گھنٹے ایک نرس ان کی خدمت کے لیے رکھی
ہوئی تھی۔ آکسیجن سے لے کر دیگر تمام طبی سہولیات
کا بندوبست بھی انہوں نے ان کے کمرے ہی میں کر دیا
تھا۔ ان کے گھر کا وہ کمرہ کسی اسپتال کے کمرے ہی کی
سی شکل اختیار کر گیا تھا۔
بصیرت حسین نے آفس جانا بالکل چھوڑ دیا تھا۔ وہ
سارا وقت بہن کے سرہانے بیٹھے رہتے تھے۔ وہ کبھی
ہوش میں ہوتیں تو اشاروں میں تھوڑی بہت بات
چیت کر لیتی تھیں اور کبھی بالکل بے ہوش ہو جاتی
تھیں۔ وہ آفس آتے جاتے پھوپھو کی خیریت معلوم
کر لیتا تھا۔ مسلسل روتی کلام پاک کی تلاوت کرتی
نماز پڑھتی یا ماں کی خدمت کرتی اپنی کزن کے لیے
اسے افسوس ہوا تھا مگر صحیح معنوں میں وہ فکر اور پریشانی
اسے تھی تو اپنے ڈیڈی کی تھی۔ انہیں یوں ٹوٹا بکھرا
اس نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔
وہ اپنے ماں باپ کا اکلوتا بیٹا تھا۔ اس کی دونوں
بہنوں کی شادیاں ہو چکی تھیں۔ اس سے دو سال بڑی
سونیا شادی کے بعد اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ
آسٹریلیا میں رہائش پذیر تھی۔ اور اس سے تین سال

چھوٹی کزن کی شادی کے بعد اب اسلام آباد میں مقیم تھی۔ دونوں بہنیں چونکہ اپنے اپنے گھروں کی تھیں تو ماں باپ کا خیال رکھنا اور ان کا دھیان رکھنا وہ پہلے سے بھی زیادہ بڑھ کر اپنی ذمہ داری سمجھتا تھا۔ اسے اپنے والدین سے بہت زیادہ محبت تھی۔ اس کی ممی اور ڈیڈی دونوں اسے والہانہ اس کی ممی فروہ کی محبت اگر لاڈ پیار کرنے اور نخرے اٹھانے والی محبت تھی تو بصیرت حسین کی ذرا سنجیدہ سی تھوڑا سا رعب رکھتی ہوئی بلکہ ایسی جیسی ایک شہنشاہ اپنے ولی عہد سے کرتا ہے۔ "تمہیں میری جگہ سنبھالنی ہے۔ تمہیں میرے جیسا بننا ہے۔ اپنے آپ کو میرا اہل ثابت کر کے دکھانا ہے۔" جیسی بلند توقعات رکھنے والی محبت جس نے اسے ایک متوازن شخصیت کا حامل بنا دیا تھا۔

چھ سال امریکہ میں رہ کر وہاں اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے وہ چار سال قبل وہاں سے وہ تمام ڈگریاں لے کر لوٹا تھا جو اس کے باپ کی خواہش تھی۔ سو اعلیٰ تعلیم کے حصول کے بعد چار سال قبل جب اس نے اپنے ڈیڈی کی مل کو جوائن کیا تو خود کو دن رات محنت کر کے اپنے باپ کو یقین دلانے کی کوشش کرنے لگا کہ وہ ان ہی کے جیسا ہے۔

فروہ کافی عرصے سے اس سے شادی کے متعلق کہہ رہی تھیں کہ وہ انہیں اپنی پسند بتائے اور اگر اس کی کوئی پسند نہیں تو پھر خاندان اور دوستوں کے حلقے میں سے کسی کا انتخاب کرلے۔ ہر ماں کی طرح انہیں بھی بیٹے کی شادی کا بہت ارمان تھا۔ مگر وہ فی الحال شادی کے موڈ میں نہیں تھا۔ ابھی اس کی توجہ صرف اور صرف اپنے کام پر تھی۔ اور سچی بات تو یہ تھی کہ ابھی تک اسے کوئی لڑکی اس حد تک اچھی نہیں لگی تھی کہ وہ سنجیدگی سے شادی کے متعلق سوچتا۔ لیکن سب کچھ ایک طرف یہ نہیں ہو گیا تھا۔

"مجھے پتا ہے اشعر! میں تم پر بوجھ ڈال رہا ہوں مگر میرے پاس اور کوئی راستہ نہیں بچا۔ میری بہن مر رہی ہے اور مرنے سے پہلے وہ اپنی بیٹی کا مستقبل محفوظ دیکھنا چاہتی ہے۔ اس نے مجھ سے زندگی میں پہلی بار کچھ مانگا ہے میں اس کی یہ خواہش اور کس طرح پوری کروں۔ اتنی جلدی کوئی رشتہ اگر ڈھونڈ بھی لاؤں تو میں کیسے بھروسہ کرلوں مگر یہ شخص بیٹے میں تمہاری بیٹی کی زندگی کا ساتھی بنانا چاہتا ہوں اس کے ساتھ تمہاری بیٹی ہمیشہ بہت خوش رہے گی۔ یہ گارنٹی تو میں صرف تمہاری، اپنے بیٹے ہی کی دے سکتا ہوں۔ تمہاری کچھ آرزوئیں خواہشات اور خواب ہوں گے میں ان سب کو پامال کر رہا ہوں میں جانتا ہوں بیٹا مجھے معاف کر دو بیٹا، مگر وہ میری بہن مر رہی ہے۔ اگر وہ بیٹی کا گھر بسا دیکھے بغیر اس کا مستقبل محفوظ ہاتھوں میں دیکھے بغیر مر گئی تو میں خود کو کبھی معاف نہیں کر سکوں گا بیٹے۔"

انہوں نے روتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھ اس کے سامنے جوڑ دیے تھے اور وہ بہت بری طرح بوکھلا گیا تھا۔

"آپ اس طرح مت کریں ڈیڈی! آپ مجھ پر ہر طرح کا حق رکھتے ہیں۔ آپ مجھ سے کسی بات کے لیے التجا کریں اس سے پہلے میں مرجانا پسند کروں گا۔ آپ مجھے حکم دیں۔ پلیز ڈیڈی! اس طرح کر کے مجھے گناہ گار مت کریں۔"

باپ کے بندھے ہاتھوں کو کھولتا وہ بہت شرمندہ سا بولا تھا۔ اس پل یہ بات بھلا کر اس نے صرف یہ سوچا تھا کہ کیسی اولاد ہوگا اتنا نافرمان بیٹا ہے کہ اس سے کوئی بات منوانے کے لیے اس کے ڈیڈی کو اس کے آگے منت کرنی پڑ رہی ہے۔ اس کے باپ نے اس کے لیے کیا کچھ نہیں کیا ہے۔ اس ایک لمحے میں فیصلہ ہو گیا تھا۔

سچ ہے فیصلے کرنے میں اس سے کہیں زیادہ وقت تو لوگ اپنے لیے کوئی لباس کوئی کتاب خریدنے میں لگا دیا کرتے ہیں۔ جس سے بہت کم وقت میں اسے حمنہ احسان سے شادی کرنے کا فیصلہ کرنا پڑا تھا۔ وہ جو دوستوں کے انتخاب تک کے معاملے میں بے حد محتاط تھا اس کے معیار اور اس کی ذہنی سطح سے کم کوئی شخص اس کا دوست نہیں ہو سکتا تھا تو پھر شریک حیات۔ ایک لڑکی جو اسے بیٹے کو اپنے بہت چاہنے والے باپ کی محبت نے مجبور کیا تھا ایک ایسے رشتے کو جوڑنے کی حامی بھرنے پر جس میں اس کے دل کی رضا شامل نہیں تھی۔ ہاں مگر اس "ہاں" کے نتیجے میں اسے یہ ضرور حاصل ہوا تھا کہ اس نے اپنے باپ کو مایوس نہیں کیا تھا۔ ان کی بات مان کر ان کی خواہش پوری کر کے ایک اچھا اور فرمانبردار بیٹا ہونے کا ثبوت دے دیا۔

بصیرت حسین کے اندر جیسے کسی نے نئی توانائیاں بھر دی تھیں۔ میمونہ کی بیماری کے سبب شادی کی تقریب مختصر تو کی جا رہی تھی مگر اس میں انہوں نے کسی کوئی کمی نہیں رہنے دی تھی۔ دور نزدیک کے اپنے تمام رشتے داروں اور دوستوں اور ملنے جلنے والوں کو شادی کی اس تقریب میں انہوں نے مدعو کیا تھا۔

سونیا آپا اتنی جلدی آ نہیں سکتی تھی، ہاں کزن اسلام آباد سے آ گئی تھی۔ اکلوتے بھائی کی شادی کے حوالے سے دونوں بہنوں کے بہت سے خواب تھے اور بھائی کی اس طرح کی شادی سے ان دونوں میں سے کوئی بھی زیادہ خوش نہیں تھی۔ مگر جب ان کا بھائی ہی سولہویں صدی کی اس روایتی طرز کی شادی کے لیے برضا و رغبت تیار ہو گیا تھا تو وہ دونوں کیا کہتیں۔

گو شادی گھر کے وسیع و عریض لان میں ہی ہو رہی تھی مگر میمونہ پھوپھو کی حالت ایسی نہیں تھی کہ وہ وہاں تک بھی لائی جا سکتیں۔ وہ اپنے کمرے میں نیم دراز لاچاری کی مجسم تصویر بنی بستر پر لیٹی تھیں۔ ان دونوں کا نکاح ان ہی کے کمرے میں ہوا تھا۔

نکاح کے بعد میمونہ نے بڑی مشکلوں سے اشعر کو اشارے سے اپنے پاس بلایا تھا اور جب وہ ان کے قریب جا کر جھکا تو انہوں نے اس کے سر پر سے ہاتھ پھیرا۔ منہ ہی منہ میں محض لب ہلا کر شاید اسے کوئی دعا دینے کی کوشش کی۔ اسے ان کی آنکھوں میں موت ٹھہری ہوئی نظر آ رہی تھی۔ مگر موت کی اس موجودگی کے ساتھ اسے ان کی آنکھوں میں بہت سا اطمینان بھی نظر آیا تھا۔

اس کے برابر میں کزن عروسی لباس پہنے پوری طرح دلہن بنی اس کی بیوی زار و قطار رو رہی تھی۔ روایتی شادیوں والے ہر اہتمام اور ہنگامے کے باوجود بھی اس شادی کی تقریب میں موت کی دستک سنائی دے رہی تھی۔

ادھر کھانا ختم ہوا مہمان رخصت ہوئے سب ہنگامے سرد پڑنا شروع ہوئے ادھر میمونہ کی حالت بگڑنا شروع ہوئی۔ شاید بیٹی کی فکر ہی میں ان کی سانسیں اب تک چل رہی تھیں۔ ادھر اس کا مستقبل محفوظ ہوتے اس کا گھر بستے دیکھا ادھر موت کو گلے لگا لیا۔

○ ○ ○

ایک ایسی موت جس کے لیے ہر ایک ذہنی طور پر تیار تھا اس کے واقع ہو جانے نے بصیرت حسین اور فروہ دونوں کو گہرے بالکل نڈھال کر دیا تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے گلے لگ کے روتے رہتے۔ روتے روتے تھک جاتے تو مرنے والی کی باتیں یاد کرنے لگتے۔ وہ ایک مہینہ پہلے یہاں کے ہیں آئی تھی تب سے سارا وقت ان کے ساتھ لگی رہی تھی اور اب ہر وقت ماموں کے ساتھ لگی رہتی۔ جیسے اس گھر میں وہ اپنے ماموں کے ماہ اور کی ہو جاتی چاہتا ہو۔

ہر وقت مغموم اور سوگوار رہنے والی وہ لڑکی اس کی بیوی ہے اس کے طل میں کبھی یہ سوچ آئی ہی نہیں تھی۔ اس شادی نے اگر اس کے دل کی دنیا نہیں بدلی تھی اگر حمنہ احسان کو اس کے لیے اہم نہیں بنایا تھا تب بھی اس شادی اس نکاح کی اہمیت کم تو ہرگز نہیں ہو سکتی تھی۔ حمنہ احسان اس کی اپنی کزن سے چاہے اسے کوئی دلچسپی کوئی لگاؤ نہیں تھا مگر اب وہ اس کی بیوی تھی۔ یہ ایک بہت بڑی سچائی تھی اور اس سچائی سے منہ نہیں موڑا جا سکتا تھا۔

○ ○ ○

بصیرت حسین نے بہن کی موت کے بعد تین دن بالکل خاموشی سے گزارے تھے اور اس کے بعد انہوں نے شادی کی تقریب ہی کی طرح ان کے ولیمہ کی تقریب کا بڑا اہتمام کیا تھا۔ ولیمہ

یہ تقریب اپنے انتظام و اہتمام میں شادی کی تقریب سے بھی کہیں بڑھ کر تھی۔

وہ اپنی بہن کو سوچ رہے تھے۔ جس کی اصل کو زیادہ سکون اپنی سوت کا نام مٹانے جانے رہنے سے نہیں بلکہ بیٹی کی نئی زندگی کا خوشیوں بھرا آغاز دیکھنے سے ملتا۔ ساتھ ہی وہ اپنے بیٹے کو بھی سوچ رہے تھے۔ ان کی شدید خواہش تھی کہ ان کی خاطر چاہے مجبوراً جس رشتے کو اشعر نے قبول کیا ہے اب آگے بڑھ کر وہ خود کو دل سے اپنا لے۔ ولیمہ کی اس بھرپور اور شاندار تقریب کے بعد وہ محسن بیٹی خود احسان کو اس کے کمرے میں بلا لیا گیا تھا۔

اس رشتے سے پہلے اور اس رشتے کے بعد اب تک اس نے خود کو جتنے نہیں بہت کھا تھا۔ وہ اس رشتے کو اب تک قبول ہی نہیں کرپایا تھا۔ ایک بالکل انجانی لڑکی جس کے نام کے سوا وہ اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا تھا۔ اس کے کمرے میں اس کی بیوی کی حیثیت سے لاکر بٹھادی گئی تھی۔ لیکن خود کو سمجھا کر اس نے اس انجان اور ناواقف لڑکی کو اپنے ہاتھ سے ڈائمنڈ رنگ پہنائی تھی۔ ایک شوہر کے ایک بیوی کے ذمے جو حقوق واجب ہوتے ہیں وہ ادا کیے تھے۔ اور دل میں سوچا تھا کہ شاید اس کی زندگی انہی حقوق و فرائض کی ادائیگی کرتے گزرے گی۔

اس پہلی شب اس کے اپنے ذہن میں اتنی الجھنیں تھیں کہ جسے اس کی بیوی بنادیا گیا ہے وہ کیا سوچ رہی ہے اس کا اسے خیال ہی نہیں آیا تھا۔

☼ ☼ ☼

اس کے ہنی مون پر جانے پر اصرار نصرت شکور وال نے اس کی امی رضانہ نے کیا تھا۔ لیکن کی تھی۔ یہ انہیں کچھ شکر کا تھا پھر بھی اتنا جانتی تھیں کہ رونق کے آپریشن کے سلسلے میں پیسوں کا انتظام کرنے ہی گئی ہوگی۔

"بہت تھکی ہوئی لگ رہی ہو بیٹا" اس نے انہیں سلام کیا تو وہ اسے محبت بھری تشویش سے دیکھتے ہوئے بولیں۔

وہ پھیکے سے انداز میں مسکرادی۔

"فکر کیوں کرتی ہو خود اللہ مسبب الاسباب ہے۔ بچی کی کوئی نہ کوئی راہ ضرور نکالے گا انشاء اللہ سب کچھ بالکل ٹھیک ہوگا۔ چلو آؤ تم منہ ہاتھ دھو لو میں تمہارے لیے کھانا لاتی ہوں۔"

"نہیں آنٹی پلیز آپ آرام کریں۔ ابھی مجھے بھوک نہیں ہے اور میں یہاں کوئی مہمان تھوڑی ہوں جس وقت مجھے بھوک لگے گی میں خود کچن میں جاکر اپنے لیے کھانا نکال لوں گی۔"

ان کا خلوص اسے ہر بار بھیگی شرمندگی سے دوچار کردیا کرتا تھا۔ وہ اپنی بیٹی حیثیت پڑوسی والے ہونے کے ناطے کتنے طویل قیام کے لیے ان کے گھر آکر رہ رہی تھی اور وہ صرف یہ بات پیش نظر رکھتے کہ وہ ان کی بیٹی کی بہت عزیز اور بہت پیاری سہیلی ہے۔ اس پورے خلوص اور چاہت کے ساتھ مہمان نوازی کررہی تھیں۔

الفیہ اس کی کولیگ کے ساتھ اس کی دوست اور غم گسار بھی تھی۔ بہت برے حالات میں ملنے والی ایک بہت اچھی دوست تھی۔ ایسی دوست جس سے اس کا کوئی پردہ نہیں تھا جس کے کندھے پر سر رکھ کر وہ بار بار روئی تھی۔ حرم کے علاج کے لیے اپنی تنگی کا انکشاف ہونے پر آپریشن کے لیے کہیں سے بھی پیسوں کا بندوبست نہ ہوسکنے پر اس کے دل میں پہلی بار یہ خیال بھی الفیہ ہی نے ڈالا تھا کہ وہ اشعر حسین سے اپنی بچی کے باپ سے جاکر ملے۔ بیوی کے چھ گئے ہونے کی خبر نے اس کے دل میں وہم بھر دیا تھا۔ ترس کچھ نہیں بچا تھا مگر کیا خبر اپنی بیٹی کے وجود سے آگاہ ہو کر اس کے دل میں خود کے لیے نہ سہی تو حرم کے لیے ہی ایک نرم گوشہ پیدا ہوجائے۔ مگر اس نے صاف انکار کردیا تھا۔ لیکن بہت جلد ہی ہر طرف سے مایوس ہونے کے بعد جب اسے اپنی اوقات کا ٹھیک ٹھیک اندازہ ہوا اور یہ تلخ حقیقت اس کے سامنے آکر کھڑی ہوئی کہ بیٹی کی سرجری تو بہت دور کی بات ہے اس سے پہلے تو بیٹی کے علاج کے لیے اپنے چھوٹے سے شہر سے اس بڑے شہر آنے میں ایک لاکھ

کرادیا اور جسٹ کے پاس اس کی بیماری کے علاج کا آغاز کرنے میں مہنگے مہنگے تمام ٹیسٹ کروانے اور بہت مہنگی ادویات خریدنے ہی میں اس کی تمام جمع پونجی ٹھکانے لگ چکی ہے۔ یہ کوما تو الفیہ کی بدولت ملت تھا۔ ایک مناسب کی فرم میں اس کی معقول جاب تھی۔ سیلری ایسی تھی جس میں اس کا اور اس کی بچی کا اچھا گزارا ہوجایا کرتا تھا۔ پرائیویٹ فرم میں ملازمین کو میڈیکل کی مفت سہولیات فراہم کیے جانے کا کوئی سلسلہ نہیں تھا۔ اس نے بیسمی کورسز اور اسٹنوگرافی کے ساتھ کمپیوٹر کورس کر رکھا تھا اور اسے اس فرم کے اکاؤنٹس کے شعبے میں ٹھیک ٹھاک سال کی کوششوں کے بعد ملازمت ملی تھی۔ اس سے پہلے وہ ایک اسکول میں پڑھا رہی تھی اور گھر پر سیکنڈری کلاسز کے بچوں کو ٹیوشنز دے رہی تھی۔ جب اسے الفیہ کی وساطت سے یہ ملی تھی تو وہ والا پہلے سے جاب کر رہی تھی اور اسی نے خود کے لیے اپنی فرم میں کوشش کی تھی۔ اس جاب سے ملنے والی سیلری اسکول کی سیلری سے بدرجہا بہتر تھی۔ پھر گھر پر اس کی ٹیوشنز تو ساتھ ساتھ چل ہی رہی تھیں۔ لہٰذا ان ماں بیٹی کا گزارا اچھی طرح ہو رہا تھا۔

جب تک حرم بیمار نہ پڑی تھی۔ وہ اپنی ملازمت سے مطمئن بھی تھی اور ہر ماہ اپنی تنخواہ سے تھوڑا بہت کچھ حرم کی تعلیم کے لیے اس کے مستقبل کے لیے بس انداز کر لیا کرتی تھی۔ حرم کے آنے والے کل اور اس کی تعلیمی ضروریات کے لیے اس کے پاس ابھی سے پیسے جمع ہونے شروع ہوجائیں۔ اس مقصد کے لیے اس نے ایک دو کمیٹیاں بھی ڈال رکھی تھیں۔ اس کا بوجھ بانٹنے کو اس بچی کا باپ اس کے ساتھ نہیں تھا۔ ایسی کوئی معقول اور شاندار کوئی ڈگری اس کے پاس نہیں تھی کہ اسے کہیں کسی اونچی پوسٹ پر جاب مل جاتی۔ ذہین بہت تھی مگر تعلیم میں صرف ایک بی ایس سی کی ڈگری تھی۔ مزید یہ کہ کسی بڑے تعلیمی ادارے کے نام اور عہدے کی رسائی سے پہلے حرم اور وہ دونوں اس پر کھول دیتے اس کے پاس نہ تھے۔

وہ روزانہ صبح سے شام تک آفس میں اور شام سے رات تک گھر آکر ٹیوشنز میں بے تحاشا محنت کرتی تھی تب کہیں جاکر اتنے پیسے کماپاتی کہ اپنی بیٹی کو اچھا لباس، اچھی خوراک اور اچھی تعلیم فراہم کرسکے۔

اس کا خواب تھا کہ وہ اپنی بیٹی کو بہت اچھی اور بہت اعلیٰ تعلیم دلائے گی۔ اتنی اچھی کہ کل خدانخواستہ زندگی اسے کسی آزمائش میں ڈالے تو وہ کسی اشعر حسین کے ٹھکرادینے پر دربدر نہ ہو۔ اور اب زندگی اس کے لیے ایک بار پھر نئی آزمائش لے کر چلی آئی تھی۔ اس کی بیٹی بہت شدید بیمار پڑگئی تھی اور اس کی اس بیماری کی وجہ بھی وہ خود ہی تھی۔ پریگنینسی کے دوران اس کی کڑی سخت مشکلات اور دکھوں کے باعث اس کی بیٹی بہت کمزور اور بیمار پیدا ہوئی تھی۔

اشعر حسین کے گھر سے رسوا ہو کر نکلنے کے بعد وہ اس بڑے شہر سے نکل کر واپس اپنے اسی چھوٹے سے شہر میں لوٹ آئی تھی جہاں وہ پیدا ہوئی اور پلی بڑھی تھی۔

ایک کرائے کے مکان سے یہاں سے گئی تھی۔ تو اب جب یہاں واپس آئی تھی تو ان کا چھوٹا کوئی مکان بیچنے کے نام پر ایک جھونپڑی جتنا آسرا بھی اسے میسر نہیں تھا مگر دنیا میں جہاں بہت برے لوگ موجود ہیں وہیں بہت اچھے لوگ بھی ہیں۔ یہاں اس کے اپنے اس شہر میں محدود آمدنی میں انتہائی سادہ اور بہت عام سی لوئر مڈل کلاس زندگی گزارتے ہوئے چند سادہ دل مخلص لوگ بھی اللہ نے اسے عطا کیے تھے جو اس کٹھن وقت میں اس کے کام آئے تھے۔

اس کی شادی سے قبل ان کے پڑوس میں رہنے والی بتول بیگم جن کا خاندان اور اس کے پاپا کا خاندان تقسیم سے قبل انڈیا میں ایک ہی محلے میں برسوں ساتھ رہتے آئے تھے اور تقسیم کے وقت ایک ساتھ ہی ہجرت کی تھی اور پھر لاہور میں ایک ساتھ ہی نواب شاہ میں ایک ہی محلے میں رہائش اختیار کی تھی۔ دونوں

وارث کوئی نہیں تھی مگر تعلق تھے رشتہ داروں سے بھی
بڑھ کر تعلق خونی رشتہ کوئی نہیں تھا مگر وہ اس کے پاپا کے
لیے ان کی سگی بہن ہی کی طرح تھیں۔ اس کے پاپا کے
بعد انہوں نے پاپا کے قائم کیے اس رشتے کی ہمیشہ لاج
رکھی۔ ہمیشہ اس کا اور اس کی امی کا سگے عزیزوں ہی کی
طرح خیال رکھا۔ وہ پاپا کی بہن بنی تھیں مگر اس کی امی کو
بھی انہوں نے ہمیشہ چھوٹی بہنوں ہی کی طرح چاہا تھا۔
یہی وجہ تھی کہ پاپا کے انتقال کے بعد تنہائی اور اکیلے
پن کے خوف سے نمٹنے کے لیے اس کی امی نے اپنے
پرانے محلے کو چھوڑ کر جتول باجو کے پڑوس میں رہائش
اختیار کرلی۔ انہوں نے جو اسے بہت برے حالوں میں
اجڑا اجڑا بکھرا سا یہاں واپس آتے دیکھا تو ایک ماں ہی کی
طرح چاہا بکھو کے بڑی محبت سے اپنے گھر والوں کے
دروازے خود کے لیے وا کیے۔ جب تک حرم پیدا
نہیں ہوئی' وہ واقعی ان کے گھر مفت خوروں کی طرح
پڑی رہی تھی۔ جتول باجو جنہیں وہ جتول خالہ کہا کرتی
تھی اس کا بہت خیال رکھتی تھیں۔ ان بے چاری کے
خود کون سے بہت اچھے حالات تھے جو اسے کوئی بہتر
معقول اور اچھی خوراک مہیا کر پاتیں۔ اسے کسی اچھی
گائناکولوجسٹ کے پاس لے جا سکتیں۔ اسے وہ عمدہ
خوراک' دودھ' انڈے' میوہ فراہم کر پاتیں جو اس کے اور
اس کے ہونے والے بچے کی صحت' تندرستی اور
زندگی کے لیے درکار تھیں اور اگر مہیا ہوتیں بھی تو
بھی جو حالت وہ سہہ رہی تھی' اس کے ہوتے وہ
خوراک اور قوت بخش ادویات کیسے اس کے حلق سے
اتر سکتی تھیں۔ کیسے اسے صحت اور توانائی فراہم
کرسکتی تھیں۔ اسے تو گھر کی سادہ دال' روٹی بھی حلق
سے اتارنی مشکل ہوتی تھی۔ اس کا کچھ کھانے کو دنیا
زندہ رہنے کو بھی دل نہ چاہتا تھا۔

ایسی اس کمزور و لاغر بچی کو جنم دیتے وہ مرتے مرتے
بچی تھی۔ کل اور وقت پیدا ہوئی اس کی بچی زندہ رہ بھی
پائے گی یا نہیں' یقین سے کہنا مشکل تھا۔ حرم کے پیدا
ہونے سے قبل کا ہر لمحہ اس نے دروازے پر نظریں
جمائے' کسی آنے والے کی آہٹیں سننے کی آس میں
گزارا تھا مگر جس روز اس کی بچی پیدا ہوئی۔ وہ اکیلے
موت سے لڑی۔ تب اس درد اور اذیت سے تماشے
صرف اس کا انتظار ہی ختم نہیں ہوا تھا بلکہ اشعر حسین
کے لیے اس کے دل میں موجود محبت بھی ہمیشہ ہمیشہ
کے لیے ختم ہوگئی تھی۔ اگر وہ آج اس کے ساتھ
نہیں تو پھر اب زندگی کے کسی موڑ پر وہ ہوتا ہے یا
نہیں کیا فرق پڑتا ہے۔

اگرچہ کہ اس کی یہ سوچ بے معنی ہی تھی' وہ اس
کے پاس کبھی بھی آنے والا نہیں تھا۔ اسے دھتکار چکا
تھا۔ یہ تمام کڑوی سچائیاں اپنی جگہ لیکن اب اگر کسی
وقت وہ خود چل کر بھی اس کے پاس آتا تو اب وہ ظالم'
سفاک' متکبر انسان اسے قبول نہیں تھا۔ اس نے اس
کا نسوانی غرور اور اس کا اپنی ذات پر مان' فخر سب چھین لیا
تھا۔ وہ اس شخص کو کبھی بھی معاف نہیں کرسکتی تھی۔

اس شخص کے ظلم کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا
ہوسکتا تھا کہ ایک سرکاری اسپتال کے جنرل وارڈ میں وہ
تنہا اپنی کمزور سی بچی کو لیے پڑی تھی۔ وہ بچی جس کا باپ
ایسے کتنے سرکاری اسپتالوں میں لاکھوں روپیہ ہر سال
بطور چندہ دیا کرتا تھا' اپنی ماں کے برابر کسمپرسی کی
حالت میں پڑی تھی مگر اس ظالم دنیا سے پہلا تعارف
حاصل کررہی تھی۔

وہ اپنی بچی کے آنسوؤں پر پھوٹ پھوٹ کر روئی
تھی۔ کل یہ بچی بڑی ہوگی' تب وہ اس سے کیا کہے گی'
اسے اس دکھ بھری ذلت سے کیسے بچا پائے گی۔

جب تک حرم پیدا نہیں ہوئی تھی تب تک اس
کی کیفیات کچھ اور تھیں مگر حرم کی پیدائش کے بعد
اب اسے اپنے اور اپنی بچی کے آنے والے کل کو
پوری توجہ اور سنجیدگی کے ساتھ سوچنا تھا۔ جتنے دن
جتول باجو اور ان کے اہل خانہ نے اسے اپنے گھر میں
مہمان بنا کر رکھا' احسان کوئی کسی کو نہیں رکھتا۔ جتول
باجو تو خیر اس سے محبت کرتی تھیں مگر ان کے گھر کے
باقی افراد بھی برسوں پرانے تعلقات کا لحاظ کرتے جس
طرح اسے اپنے گھر میں برداشت کررہے تھے' ایسے
کوئی بھی نہیں کرسکتا۔ اگر کسی وقت جتول باجو کی کسی

ہو کیا تھا ہر راستے لیے تاریکی کی شکل نظر بھی آئی تو اس کے لیے وہ انھیں ہر گز بھی قصور وار نہیں سمجھتی تھی۔ شوہروں کی گلی بند گلی تھا اور مجبوری تھی بس ایک انتقال حسان کا بوجھ آخر مزید کتنے دنوں تک اٹھایا جاسکتا تھا۔

اس طلاق کے ختم ہونے اور کسی کے بھی لگاؤ بدلنے سے پہلے اسے اپنی اور اپنی بچی کی زندگی کے بارے میں سوچنا تھا۔ زندہ رہنے کی خواہش ہو یا نہیں مگر اسے اپنی بچی کے لیے زندہ رہنا تھا اور اس ننھی سی بچی کو زندگی کی ہر بنیادی چیز کی ضرورت تھی۔

اس نے ایک اسکول میں ملازمت کرلی تھی اور بتول بانو کے گھر [illegible] بجائے انہی کے گھر کے ایک حصے میں الگ سے کمرے میں کرائے دار کی حیثیت سے رہنے لگی تھی۔ وہیں اس اسکول میں ملازمت کے دوران اس کی الفیس سے دوستی ہوئی تھی۔

اس کا بیٹا خود کی کلاس میں پڑھتا تھا اور بیٹے کو اسکول چھوڑنے لینے آنے اور پیرنٹس میٹنگ وغیرہ کے دوران ہی دھیرے دھیرے وہ اس کے قریب آگئی تھی۔ خود سے عمر میں چار پانچ سال بڑی وہ لڑکی بہت مخلص اور سادہ مزاج کی تھی۔ وہ گھر کے اخراجات میں شوہر کا ہاتھ بٹانے اور تعاون کرنے کے لیے خود بھی ملازمت کرتی تھی۔

بتول بانو کے بعد الفیس ہی وہ واحد ہستی تھی جو ہر مشکل میں اس کی مدد کے لیے تیار رہا کرتی تھی۔

اسے لگتا تھا زندگی میں جتنی آزمائشیں آنی تھیں آچکیں۔ جتنے امتحان آنے تھے آچکے۔ اب وہ اور اس کی بچی ایک دوسرے کے ساتھ مل کر پوری زندگی اسی خوشی گزار لیں گے۔ مگر نہیں، زندگی کے ترکش میں ابھی کئی تیر موجود تھے۔

حریم ہونے تین سال کی ہونے والی تھی جب اس نے محسوس کیا کہ اس کی محنت اور کوششوں کی بدولت حریم کا وزن اپنی عمر کے لحاظ سے بڑھنے تو لگا ہے وہ بظاہر تندرست بھی لگتی ہے مگر بظاہر کسی بیماری کے نہ ہونے کے باوجود بھی وہ اپنے ہم عمر بچوں کے مقابلے میں کسی بھی کام کو کرتے جلدی تھک جاتی ہے۔ تھوڑی سی دیر کھیلنے یا بھاگنے سے ہی اس کی سانس بری طرح پھول جاتی۔ کافی دیر تک پھر اس کی سانس ہموار نہ ہو پاتی۔ اس کی بچی پیدائشی طور پر بہت کمزور ہے۔ پہلے کوئی مسئلہ نہیں "خود کو بہت اطمینان دلاتے اس نے پہلے سے بھی زیادہ بڑھ کر اس کی خوراک اور آرام کا خیال رکھنا شروع کردیا مگر تھوڑے ہی دنوں میں صرف بھاگنے اور کھیلنے کودنے ہی سے کیا حریم زندگی کے دوسرے کاموں سے بھی اسی طرح بہت جلد تھکنے اور نڈھال ہونے لگی۔ تب اسے حقیقتاً "تشویش لاحق ہوئی۔

بری طرح پریشان ہوتے وہ فوراً ہی حریم کو لے کر ایک اچھے چائلڈ اسپیشلسٹ کے پاس پہنچی۔ ڈاکٹر نے کچھ ٹیسٹ کروائے، دوائیں دیں۔ اس نے وہ دوائیں حریم کو استعمال کروانا شروع کردیں مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ ڈاکٹر نے چند دنوں کے بعد اسے مشورہ دیا کہ وہ اپنی بچی کو کسی اچھے کارڈیالوجسٹ کو دکھائے۔ ڈاکٹر کے منہ سے یہ بات سنتے ہی کانپ گئی تھی۔ وہ ایک کارڈیالوجسٹ کے پاس حریم کو لے کر پہنچی تھی۔ انہوں نے حریم کا تفصیلی چیک اپ کرنے اور ای سی جی، چیسٹ ایکسرے، ایکو ایکسرسائز ٹیسٹنگ وغیرہ سے لے کر کئی طرح کے بلڈ ٹیسٹ وغیرہ کرنے کے بعد جو انکشاف کیا تو کاٹو تو بدن میں لہو نہیں، کہا گیا تھا کہ اس کی بچی کے دل میں پیدائشی طور پر ایک نقص موجود تھا۔

وہ سنتے ہی سکتے کی کیفیت میں رہ گئی تھی۔ اس کارڈیالوجسٹ نے حریم کو کراچی کے کسی اچھے کارڈیالوجسٹ کے پاس لے جانے کا مشورہ دیا تھا۔ یہاں بچوں میں دل کے امراض اور خاص طور پر پیدائشی دل کے امراض کے علاج کے لیے وہ تمام سہولیات موجود نہیں تھیں جو اسے کراچی میں کسی بڑے اسپتال میں مل سکتی تھیں۔ سو اس شہر میں رہتے

جانے کی کہاں رہے گی کیا کرے گی اس کی پریشانی اور بے بسی دیکھ کر الفیس اس کے ساتھ کراچی آگئی تھی۔ یہاں اس کا میکہ تھا اس کی والدہ اور سب سے چھوٹی غیر شادی شدہ بہن اس چھوٹے سے اپارٹمنٹ میں رہتی تھیں۔ وہ سب ٹیسٹ جو وہاں جدید سہولیات کی عدم دستیابی کے سبب ہونے سے رہ گئے تھے وہ سب یہاں ہونے تھے اور ان تمام کی رپورٹس دیکھنے کے بعد کارڈیالوجسٹ نے جو بات بتائی وہ اس کے حواس گم کرنے کے لیے کافی تھی۔ اس کی بچی کے دل کا نقص ایسا تھا کہ سرجری کے علاوہ اس کا دوسرا اور کوئی علاج نہیں تھا وہ پوری جان سے کانپ گئی تھی۔ اس نے کوئی دعا اور کوئی منت نہ چھوڑی تھی کہ اس کی بچی کے دل کی چیر پھاڑ کی نوبت ہی نہ آئے۔ اللہ کچھ ایسا معجزہ کردے کہ بغیر سرجری کے صرف دواؤں ہی سے اس کی بچی تندرست ہو جائے۔

وہ حریم کی بیماری کا الزام خود کو دے رہی تھی وہ بات اسے حریم کے جنم کے ان تمام دنوں کی ہو رہی تھی جو [illegible] اس کی بچی پیدائشی طور پر ایک نقص لیے دل کے ساتھ زندہ تھی اور وہ اس کی ماں ہو کر اس بات سے لاعلم تھی۔

اس کے نواب شاہ سے کراچی اور کراچی سے نواب شاہ مسلسل چکر لگ رہے تھے۔ رہائش کا مسئلہ یہاں اس کی عارضی قیام گاہ تھی۔ اس کی جاب متاثر ہو رہی تھی۔ اس کے پاس بینک میں جمع شدہ رقم سرجری سے ختم ہو رہی تھی مگر زندگی میں سرجری کے کیس کوئی آثار پیدا ہوتے دکھائی نہیں دے رہے تھے۔

پہلی مرتبہ اس نے آپریشن کے اخراجات کی بابت ڈاکٹر سے استفسار کیا۔ کراچی آنے جانے کے ان چکروں اور کارڈیالوجسٹ کے پاس متواتر وزٹس اور ٹیسٹوں اور دواؤں جیسے ان عام سے کل اخراجات ہی نے اسے نڈھال کردیا تھا تو پھر اوپن ہارٹ سرجری، اچھے ڈاکٹروں تک رسائی اور بہترین علاج؟

"کسی بھی CONGENITAL HEART DEFECT کی سرجری صرف پاکستان ہی میں نہیں بلکہ دنیا بھر میں یہاں تک کہ ترقی یافتہ ممالک میں بھی اتنی ہی مشکل ہے۔"

اسے اس آپریشن پر آنے والے خرچ کے بارے میں بتاتے ہوئے کارڈیالوجسٹ نے پیشہ ورانہ انداز میں کہا تھا۔

اب تک تو صرف بچی کی صحت کی فکر تھی صرف یہی پریشانی تھی کہ اس کی بچی کب اور کیسے ٹھیک ہوگی۔ مگر اب یہ سوچ کر ہوش گم ہو رہے تھے کہ اس سرجری کے لیے درکار اتنی خطیر رقم وہ لائے گی کہاں سے؟ بتول بانو جتنی بھی اچھی اور محبت کرنے والی ہوں مگر ان بے چاری کے حالات تو ایسے بھی نہیں تھے کہ وہ چند ہزار روپے بھی کسی کو ادھار دے سکیں اور الفیس وہ اس سے بہت مخلص اور بہت محبت کرنے والی دوست تھی مگر اتنی خطیر رقم اسے ادھار دینا اس کی استطاعت سے بھی باہر تھا۔

جتنی سے مدد لینے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ حریم کی بیماری اور پھر اسے ڈاکٹروں کے پاس کراچی لانے لے جانے میں اس کی آجکل سے کچھ زیادہ چھٹیاں ہونے لگی تھیں جس پر اسے اسکول انچارج نے نوکری سے نکال دینے کی دھمکی دے دی تھی کہ اسکول کی انتظامیہ اس کی غیر حاضریوں سے ناخوش ہیں۔ اس کی بچی کی بیماری ان کا مسئلہ نہیں۔ انہیں اس سے سو فیصد کارکردگی چاہیے جو وہ پچھلے دنوں نہیں دے پا رہی ہے۔

✿ ✿ ✿

"تم اشعر سے کیوں نہیں مل لیتیں۔ اس سے طلاق لے کر تم کو یہاں وہاں کہتی پھر رہی ہو، دوا علاج کروانے کے بجائے اپنی بچی کے علاج کے لیے پیسے ہوسکے تو قرض سے پہلے وہ [illegible] لے لو ان کا [illegible] عیادت کا خیال تو بعد میں آئے گا۔"

اس کی پریشانی اور بے بسی دیکھ کر الفیس نے ایک روز اسے یہ مشورہ دیا تھا۔

"اشعر؟" اس نے طنزیہ حیرت سے الفیس کو دیکھا۔ "وہ حریم کو اپنی اولاد نہیں مانتا تو اس کے علاج

کے لیے۔"

الفین نے بے ساختہ اس کی بات کاٹی اور سنجیدگی سے بولی۔ "میری کے پریگنینٹ ہونے کی اطلاع پانے میں اور اولاد جیسی نعمت کے وجود سے آشنا ہونے میں لیکن آسمان کا فرق ہوتا ہے عروا۔"

"ہاں مگر تب جب انسان بچی کو اپنی اولاد مانتا ہو، جب میں اس کے ساتھ تھی، رات رتجگی تھی تب اسے مکمل اطمینان لگتی تھی تو اب جب ساڑھے چار سال اس سے بالکل دور گزار دیے ہیں۔ کیا اب وہ میرا اعتبار کرے گا؟"

"تم کوشش تو کرو۔"

کیا کوشش کروں الفین انسانیت سے عاری اس بے رحم اور ظالم انسان کے در پر پھر پہنچ جاؤں۔ اس سے رحم کی بھیک مانگوں؟"

"تم اس سے رحم کی بھیک نہیں مانگو گی بلکہ خود تم اس سے حرم کا حق مانگو گی جو اس کے باپ پر فرض ہے۔" الفین ملائمت سے اسے سمجھا رہی تھی جبکہ وہ چہرے پر ناگواری اور غصے کے تاثرات لیے بیٹھی تھی۔

"وہ انکار بھی کر دے تب بھی کل تمہارے پاس پچھتاوا تو نہیں رہے گا۔"

الفین کے سمجھانے پر اس وقت وہ بالکل چپ ہو گئی تھی۔

مگر جب بیس گھنٹے گزرے ... ہو گئے ... بھی کسی بھی طرح ... آخری راستہ بچا ہے، وہ سید حاشر حسین تک پہنچنا ہے۔ حرم اس کی کل کائنات تھی۔ وہ آخری کوشش اپنی زندگی کے لیے، اپنی کائنات کے لیے، اپنی بیٹی کے لیے، اپنی حرم کے لیے کرنا چاہتی تھی۔

✿ ✿ ✿

اس کے آفس میں عجیب اور ... پھیل چکا تھا۔ رات ہو چکی تھی مگر اسے وقت کا کوئی احساس نہیں تھا۔ دفتر سب کا بند ہو چکا تھا سب اپنے اپنے گھروں کو جا چکے تھے۔

تمام ساڑھے چھ بجے اس کی سیکریٹری اور ... بھی اس کے آفس میں آئے تھے اور اس نے دروازے پر سے ہی انہیں لوٹا دیا تھا۔

اس کا پورا وجود جیسے کسی نے جلتے الاؤ میں ڈال دیا تھا۔ ... آج رات ہوئے واقعے ... ہوا تھا۔ اس کی میز پر ... احسان کی ... کی وفائیں اور اس کا دل ... کے پیچھے ... تصویر اور چند کتابیں سب کچھ یوں ہی ان چھوئے پڑے تھے۔ اس نے ان میں سے کسی ایک چیز کو بھی نظر اٹھا کر نہیں دیکھا تھا۔ وہ مرے مرے قدموں سے چلتا اپنے آفس سے باہر نکلا۔ رات ہو چکی تھی ... پوری بلڈنگ ویران ہو رہی تھی۔ سوائے وہاں موجود سیکیورٹی گارڈز کے کوئی ذی روح موجود نہیں تھا۔

وہ گاڑی میں آکر بیٹھا، گاڑی اسٹارٹ کرتے اس کی نظر ... میں نظر آتے اپنے عکس پر پڑی۔ اپنی بے تحاشا سرخ ہوتی آنکھوں میں اسے وحشت ہی وحشت بھری نظر آئی۔ یہ وحشت صرف اس کی آنکھوں میں نہیں اس کے پورے وجود بلکہ اس کی زندگی میں سرایت کر چکی تھی۔ آج سے نہیں، ساڑھے چار سالوں سے۔ اس کی آنکھوں میں چھلکی وحشت اس وقت کوئی بھی ... طرح ... جاتا۔

اس کا اپنے گھر جانے کو جی نہیں چاہ رہا تھا۔ وہ بے مقصد یونہی سڑکوں پر گاڑی دوڑاتے رہنا چاہتا تھا۔ وہ اس وقت دنیا کے کسی بھی فرد سے ملنا، بات کرنا نہیں چاہتا تھا مگر پھر بھی اس نے گاڑی اپنے گھر کے ہی راستے پر ڈالی ہوئی تھی۔ اس گھر میں اس کی ایک ماں بھی تھیں، جو پچھلے کئی گھنٹوں میں اسے کئی بار فون کر چکی تھیں۔ ... اس کے لیے پریشان تھیں۔

پورچ میں گاڑی کھڑی کر کے وہ طویل روش کو عبور کرتا گھر کے مرکزی دروازے کی طرف بڑھا ... کھلنے کی آواز پہلے ہی سنائی دے گئی۔ سامنے ہی وہ کھڑی تھیں۔ شاید اس کی گاڑی کے اندر آنے کی آواز سن کر ادھر آ گئی تھیں۔ ان کے چہرے پر پریشانی بکھری ہوئی تھی۔ وہ خود کو کاموں میں غرق کر کے اکثر پوری پوری رات آفس میں گزار دیا کرتا تھا مگر یوں کہ آفس میں بیٹھے ان کی کوئی کال بھی ریسیو نہ کرے ایسا کبھی نہیں ہوا تھا۔ وہ روزانہ اپنی دوائیں کھا کر رات کو جلدی سو جاتی تھیں مگر اس وقت شدید پریشانی کے عالم میں دروازے پر کھڑی تھیں۔

"کیا ہوا اشعر؟ سب خیریت تو ہے؟ تم کہاں تھے؟ میں رات گیارہ بجے سے تمہارے موبائل پر اتنی کال کر چکی ہوں۔ تمہیں آفس میں بھی کال کی، تم کال ریسیو کیوں نہیں کر رہے تھے؟"

انہوں نے ایک ہی سانس میں کئی سوال کر ڈالے۔

"کچھ نہیں ہوا امی! کچھ پرانے دوست مل گئے تھے ان کے ساتھ تھا۔" وہ ان کے باقی تمام سوالوں کو نظر انداز کر کے سیدھا اندر داخل ہوا۔ وہاں ایک پل بھی ٹھہرے بغیر وہ سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔

فریدہ اس کے پیچھے آرہی تھیں۔ وہ ان کا بے چینی سے اپنے پیچھے آنا محسوس کر رہا تھا مگر ان کی کوئی بھی بات سننے کے لیے رکا ہرگز نہیں۔ وہ تیز قدموں سے سیڑھیاں چڑھ کر سیدھا اپنے کمرے میں آگیا۔

وہ کرسی پر بیٹھا۔ اس نے جیب سے سگریٹ کا پیکٹ اور لائٹر نکال کر ایک سگریٹ سلگائی۔ ایک کے بعد دوسری اور دوسری کے بعد تیسری۔ باقی رہ جانے والی رات کے چند گھنٹے اس نے ایک کے بعد ایک سگریٹ سلگاتے گزاری تھی۔

✿ ✿ ✿

"سوری امی! رات آپ میری وجہ سے پریشان ہوئیں۔ اصل میں رات ایک بزنس ڈنر میں گیا تھا، وہاں پر کچھ پرانے دوستوں سے بھی ملاقات ہو گئی۔ موبائل ... سے گاڑی میں بھول گیا تھا اور دوستوں سے باتوں میں مجھے اس بات کا احساس بھی نہیں ہوا کہ آپ ... ہو گئی ہیں۔ آپ گھر پر پریشان ہو رہی ہوں گی اور مجھے کال کر رہی ہوں گی۔ اتنے عرصے بعد ملے تھے تو گپ شپ میں ... وقت کا احساس ہم میں سے کسی کو ہوا ہی نہیں۔"

صبح ناشتے کی میز پر وہ قدرے ... کہہ رہا تھا۔ زندگی میں جو آزمائشیں اس کے ہم قدم تھیں ان میں اس کی ماں کا کیا قصور تھا، وہ جانتا تھا کہ زندگی سے اس کی یہ بیزاری، یہ رنجیدگی انہیں کتنا دکھی کرتی ہے۔ وہ مجبور تھا۔

معذرت خواہانہ لہجے میں اپنے کل رات کے رویے کی وضاحت کرتے اس نے فریدہ کو ... چار ... کہ انہیں اس کے کسی جھوٹ پر یقین نہیں آیا ہے۔

"ساڑھے چار سال ہو گئے ہیں اشعر! اب ہو گیا ... اور کتنا خود کو برباد کرو گے اس کے پیچھے؟ تمہاری زندگی کی یہ ویرانی یہ اجڑا پن مجھ سے نہیں دیکھا جاتا۔" وہ دکھ بھری نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

"اسے بھول جاؤ اشعر! ماضی کو بھول جاؤ۔ زندگی ختم نہیں ہوئی۔"

وہ توسٹ واپس پلیٹ میں رکھ کر ایک دم ہی کرسی سے اٹھ گیا۔ وہ اپنی ماں کا اکلوتا بیٹا تھا اور وہ اس کی زندگی کو خوشیوں سے بھرا دیکھنا چاہتی ہیں۔ وہ اسے یوں خود کو برباد کرتے نہیں دیکھ سکتیں۔ یہ سب وہ جانتا تھا مگر تمرہ احسان ... یہ وہ موضوع تھا جس پر وہ اپنی ماں تک سے بھی بات کرنا پسند نہیں کرتا تھا۔ وہ کتنی ہی بار کبھی پیار سے، کبھی التجا اور کبھی منت سے بھی اسے سمجھانے اور قائل کرنے کی کوشش کر چکی تھیں کہ وہ زندگی کو نئے سرے سے جینا شروع کرے، وہ شادی کر لے مگر وہ ہر بار یہ بات ... کر دیتا اور ان کی پوری بات سنے بغیر کچھ کہے بغیر اٹھ کر چلا جاتا۔

"اشعر! ناشتہ تو کر لو بیٹا!"

اس کا توسٹ ... چائے کا کپ سب کچھ ویسے ہی پڑا تھا۔ فریدہ بیٹے کو کمرے سے باہر جاتا دیکھ کر بری طرح بے قرار ہو رہی تھیں۔ ... گوارا نہیں کر پاتی ... جانتی تھیں مگر کل رات اپنے ... بیٹے جس حالت میں انہوں نے

شہر کو گھورا پس آکے دیکھا اور پھر باقی رات اس کے کمرے کی جلتی لائٹ کو دیکھتی رہی تھیں۔ اس نے انہیں سخت مضطرب کیا تھا۔

لعل، تمھی اور بیٹے کی زندگی کی یہ ویرانی اور اس کی یہ خود اذیتی ان سے بھی دیکھی نہیں جاتی تھی۔

ہمیں ناشتہ کر جاؤ کی تمھی کی ان کے پکارنے پر مڑے بغیر اس نے جواب دیا اور پھر تیزی سے ڈائننگ روم سے باہر نکل گیا۔ آفس جانے والے راستے پر گاڑی دوڑاتے ہوئے وہ اپنی ماں کو ہی سوچ رہا تھا۔ وہ انہیں کیسے بتاتا کہ اسے زخمیں بخشنے والی وہ عورت جس نے اس کا انسانوں سے اعتبار ہی اٹھا دیا ہے۔ کل کس بے خوفی اور دھڑلے سے اس کے آفس میں اس کے سامنے آکر کھڑی ہوئی تھی۔ وہ پچھلی زندگی کی بات کرتی ہیں اور وہ عورت تو آج اس کی زندگی میں مزید تباہ کیا کیا ہی کیا آفت ساتھ لے کر چلی آئی ہے۔



بورڈ روم میں اس سمیت کمپنی کے تمام ڈائریکٹرز، سینئر منیجمنٹ اور ایگزیکٹو موجود تھے۔ کمپنی کی آئندہ کی اسٹریٹیجی کے حوالے سے یہ میٹنگ اس کی بلائی ہوئی تھی۔ میٹنگ سے سات روز قبل اس نے تمام ڈائریکٹرز، منیجمنٹ اور ایگزیکٹو کو اس کا ایجنڈا بھجوا دیا تھا اور اب اپنی بلائی ہوئی اس میٹنگ میں تمام ڈائریکٹرز اور ایگزیکٹو کے چہروں کو بے دھیانی سے دیکھ کو ہموار کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ آج کی اس میٹنگ کا ایجنڈا کیا ہے۔ وہ ایک بہت اچھا اور کامیاب کانفرنس لیڈر تھا۔ کسی بھی میٹنگ اور کانفرنس میں ڈسکشن کس سمت میں اور کس رفتار سے آگے بڑھنا چاہیے' اس چیز پر اس کا مکمل کنٹرول رہتا تھا۔ وہ کسی کو یہ احساس نہ ہونے دیتا کہ اسے ضرورت سے زیادہ اہمیت دی ہے۔ اس کی بات اور اس کے مشورے کو پہلا سب پر ترجیح دی گئی ہے اور نہ کسی کو یہ احساس ہونے دیتا کہ اسے کسی دوسرے کے مقابلے میں نظرانداز کیا گیا ہے۔ مگر آج اس کا دھیان کسی بھی طرف نہیں تھا۔ ضوان اعوان اپنی چالاکی اور کرافٹی کی وجہ سے بچانے آئے اور باقی سب کر گیا۔ سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا مگر وہ اپنی آنکھیں بے ترتیبی سے اس پر مرکوز کیے اسے پریزنٹیشن دیتے ہوئے بھی دیکھ رہا تھا۔ اس کے ذہن پر کل آفس میں تماشا کرنے والی وہ عورت اور اس کا بچھو نہ چھڑا سکنے والی اپنی خاموشی آج اب بھی طاری تھی اس کے علاوہ اور کوئی بات اس کا ذہن سمجھ نہیں پا رہا تھا۔



رات کے ساڑھے بارہ بج گئے تھے۔ اسے نیند آرہی تھی مگر جان بوجھ کر کمپیوٹر کے سامنے جم کر بیٹھا بکھ نہ زندگی کا لگا ہوا غیر اہم سا کام کر رہا تھا۔ وہ مشکل طرح بیڈ پر ایک میگزین لے کر بیٹھی اس کے اوراق پلٹ رہی تھی۔ سونے کی سب بہانا تھا اس لیے وہ جانتا تھا کہ وہ میگزین پڑھ نہیں رہی ہوگی بلکہ کمرے کی لائٹ بند ہونے کا انتظار کر رہی ہے تاکہ سونے کے لیے لیٹ سکے۔ ایک مہینے کی اپنی اس شادی شدہ زندگی میں خود سے ساتھ چند انتہائی مختصر جملوں کے کوئی بات نہ کرنے والی اس کی یہ کم گو بیوی اس کی برداشت کا امتحان تھی۔

وہ گو کہ عیشل کی پالی ہوا شاپ ایسی لڑکی تھی کہ اکثر اوقات اس پر شدید غصے کی کیفیت طاری ہو جاتی۔ آخر وہ کس قسم کی لڑکی تھی؟ باپ کی خاطر اس نے اس رشتے کو قبول کر لیا تھا لیکن یکسر ہی اس انجان لڑکی کو اپنی بیوی کی حیثیت میں قبول کرنا اسے اپنے بیڈ روم میں صبح' شام رکھنا اور اس چیز کو دل سے قبول نہیں کیا پا رہا تھا۔ حقوق و فرائض سارے ادا ہو رہے تھے مگر ان لمحات کے سوا باقی اوقات میں اس کے ساتھ بیٹھنا' وقت گزارنا' باتیں کرنا' اس کے ساتھ کہیں باہر آنا جانا' ابھی اس سب کے لیے خود کو آمادہ نہیں کر پایا تھا۔

صبح سے شام تک وہ آفس میں مصروف ہوتا تھا اور اس کے بعد بھی فوراً گھر آنے کے بجائے جم چلا جاتا' کبھی سوئمنگ' کبھی ٹینس' کبھی دوستوں کے ساتھ

یونہی گپ شپ۔ اس زبردستی کی شادی سے پہلے بھی اس کی یہی مصروفیات تھیں اور اب بھی اس نے اپنی مصروفیات تبدیل نہیں کی تھیں۔ پہلے بھی رات کا کھانا اگر باہر کہیں مدعو نہ ہو تو یار دوستوں کے ساتھ کوئی اور پروگرام نہ ہو تو وہ گھر میں پاپا کے ساتھ ہی کھانا پسند کیا کرتا تھا۔ اب بھی رات کا کھانا زیادہ تر وہ گھر پر کھایا کرتا تھا اور صبح کے بعد رات کے کھانے کے وقت ہی اس کی اپنی نئی نویلی بیوی سے ملاقات ہوا کرتی تھی جس میں وہ دونوں ہی ایک دوسرے سے کوئی بات نہیں کرتے تھے۔

اس کی آواز اس نے بہت ہی کم سنی تھی۔ وہ بھی دوسروں کی طرح کھانے کے وقت بھی چپ چپ رہتی۔ بصیرت حسین اس سے باتیں کرتے رہتے جس بات کے جواب کی ضرورت ہوتی 'ہوں' 'ہاں' کا جواب دے دیتی ورنہ خاموشی سے محض مسکرانے پر اکتفا کرتی۔ وہ اس کی بیوی تو بنا دی گئی تھی مگر ایک چھوٹے سے شہر کی اس انیس بیس سالہ لڑکی کی سوچ اور خیالات بھلا کس طرح کے ہو سکتے تھے۔ ایک محدود سوچ اور معمولی سی پڑھی لکھی لڑکی اس کی بیوی بنا دی گئی ہے۔ اس سے کیا گفتگو کرے جس میں سچ حقیقت جاننے سے کہیں بہتر یہ تھا کہ وہ کمرے میں آنے کے بعد سونے سے پہلے اپنے لیے کوئی نہ کوئی دلچسپی ڈھونڈ لے۔ بیڈروم میں آنے کے بعد وہ بجائے اس کی طرف متوجہ ہونے کے کبھی کوئی کتاب لے کر بیٹھ جاتا۔ کبھی ٹی وی پر اپنی پسند کا کوئی پروگرام دیکھنے لگتا۔ کبھی کسی دوست سے فون پر گپ شپ کرنے لگتا۔ کبھی لیپ ٹاپ پر آفس کا کوئی ادھورا کام اور کبھی یونہی بے مقصد وقت گزاری کرتا۔ اگر صرف اس کے ظاہر کی بات کی جائے تو وہ اچھی خاصی خوش شکل لڑکی تھی۔ دبلی پتلی بالکل سادہ بھولی بھالی سی تھی۔ لباس بے شک عمدہ اور فیشن کے مطابق پہنتی تھی مگر میک اپ اور جیولری سے بے نیاز رہتی تھی۔ اس کے گھنے سیاہ بال جن کی وہ چٹیا بنائے رکھتی تھی' بہت لمبے اور بہت گھنے تھے۔ ان بالوں کی تعریف اس نے محسوس کی تھی اور جب بھی وہ لہرا کر نکلتی تب انھیں کھلا ہوا بھی دیکھا تھا۔ کم از کم اپنے جاننے والوں میں اس نے اتنے لمبے اور خوب صورت بال کسی لڑکی کے نہیں دیکھے تھے۔ اس کا قد دراز اور سراپا انتہائی متناسب تھا مگر یہ سب چیزیں انسان کو وقتی طور پر تو آسودہ کر سکتی ہیں مگر ان کے سہارے زندگی تو نہیں گزاری جا سکتی۔

وہ اپنی بیوی کو اپنے جیسی ذہنی سطح کا حامل دیکھنا چاہتا تھا جس کے ساتھ وہ اپنی سوچیں' اپنے خیالات سب کچھ شیئر کر سکے۔ اور یہ کم عمر اور کم گو لڑکی کسی بھی طرح ایسی نہیں لگتی تھی۔ اگر وہ ضرورت سے ہٹ کر اس سے کوئی فالتو بات نہیں کرتا تھا تو وہ بھی اسے مخاطب نہیں کرتی تھی۔

وہ جتنی دیر لیپ ٹاپ' کمپیوٹر یا ٹیلی فون پر مصروف رہتا' وہ اتنی دیر بیڈ پر جس طرف وہ لیٹا کرتی تھی' اس طرف بیٹھ کر سرہانے رکھے میگزینز میں سے کوئی سا میگزین اٹھا کر اس کے اوراق پلٹتی رہتی۔ وہ بھی کام کر رہا ہوتا تھا جیسے ہی اسے ختم کر کے لائٹ بند کرنے اٹھتا' وہ بھی فوراً ہی میگزین بند کر کے سونے لیٹ جاتی۔ کئی بار اس نے دیکھا کہ وہ میگزین کے صفحے پلٹتی منہ پر ہاتھ رکھ کر جمائیاں روک رہی ہوتی تھی' اس کی آنکھوں میں نیند بھری ہوتی اور غالباً شدید ترین کوفت کا احساس ہوا کہ اس نے کبھی ایک بار بھی اس سے یہ نہیں کہا کہ "لائٹ بند کر دو' مجھے نیند آ رہی ہے۔"

منہ کی بند (؟) گم صم بالکل چپ وہ لڑکی بیٹھی رہتی کہ اسے اس کی اس مظلومانہ سی چپ سے شدید چڑ ہونے لگی۔ اس نے چڑ کر کمرے کی لائٹ کسی نہ کسی بے مقصد کام کو طول دے کر مزید دیر تک جلائے رکھنا شروع کر دی۔ یہاں تک کہ ایک رات جب اس نے یہ دیکھا کہ وہ لیٹر پیڈ اور قلم ہاتھ میں لیے شاید کسی کو خط لکھ رہی ہے تب صرف اسے یونہی پریشان کرنے کے لیے اس نے انتہائی بد تمیزی کا ثبوت دیتے ہوئے کمرے کی لائٹ بند کی اور بے نیازی سے بیڈ پر آ کر لیٹ گیا۔ تب بجائے اس کی اس بد تمیزی پر اسے برا کہنے کے اس نے خاموشی سے لیٹر پیڈ اور قلم سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیے تھے اور خود بھی فوراً ہی سونے کے لیے لیٹ گئی تھی اور اس رات اسے حقیقتاً اس لڑکی پر شدید غصہ آیا تھا۔

خوشی سے یا ناخوشی سے بہرحال وہ اسے اپنی بیوی مان چکا تھا مگر جسے اس نے اپنی بیوی بنایا' وہ اتنی بے چاری قسم کی اور احساس کمتری میں مبتلا لڑکی تھی کہ اسے اپنے حقوق کی کوئی خبر نہیں تھی۔ اگر تھی تو انہیں حاصل کرنے کا اختیار نہیں تھا۔ وہ جس طبقے سے تعلق رکھتا تھا وہاں اپنی مشرقی اقدار کے اندر رہتی ہوئی بولڈ اور کانفیڈنٹ لڑکیاں اسے متاثر کرتی تھیں۔ یہ گم صم احساس کمتری میں مبتلا لڑکی اس کے کسی بھی معیار پر پوری نہیں اترتی تھی۔

اس کی اپنی کوئی مرضی' کوئی خواہش جیسے تھی ہی نہیں۔ وہ رات میں اس کی طرف متوجہ ہوتا تو ٹھیک' وہ لیٹتے ہی کروٹ دوسری طرف کر کے سو جاتا تو بھی ٹھیک۔ اس کے بڑھے ہاتھ کو اس نے کبھی جھٹکا نہیں تھا اور خود سے کبھی اس کی طرف ہاتھ بڑھایا نہیں تھا۔ وہ اپنی بیوی کو اپنے ساتھ برابری کے درجے پر رکھتا' برابری کی سطح پر کھڑا کرتا' مگر سامنے والا اس برابری کی خواہش تو ظاہر کرے۔

✿ ✿ ✿

ان کی اس عجیب و غریب اور ابنارمل شادی شدہ زندگی کو ڈیڑھ مہینہ ہوا تھا۔ جب اس رات اس پر ایک انتہائی مختلف قسم کا انکشاف ہوا۔ وہ اپنے چند دوستوں کے ساتھ باہر ڈنر کر کے آج رات ذرا وقت سے کچھ دیر سے گیا تھا۔ ممی کسی پارٹی میں گئی ہوئی تھیں۔ البتہ بصیرت حسین گھر پر تھے۔ وہ پاپا سے ملنے ان کے کمرے میں آیا تو اندر سے آنے والی اس کی بیوی کی آواز اور گفتگو میں اپنا ذکر سن کر وہ ٹھٹک کر دروازے پر ہی رک گیا۔

"ان کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے ماموں! آپ نے میرے ساتھ اور آپ نے اپنے بیٹے کے ساتھ بالکل بھی اچھا نہیں کیا۔ ہر انسان کی اپنی پسند' ناپسند' اپنی مرضی' اپنی خواہش ہوتی ہے۔ کہیں سے کوئی لڑکی اٹھا کر کسی کے سر پر مسلط کر دی جائے کہ یہ تمہاری بیوی ہے۔ تمہیں اسی کے ساتھ زندگی گزارنی ہے۔ یہ تو کوئی انصاف نہیں ہے۔"

پہلے سے کیا بات ہو رہی تھی' وہ نہیں جانتا تھا۔ ہاں جو بھی بات اس کے ڈیڈی نے کہی تھی' اس کے جواب میں اپنی گم صم اور خاموش بیوی کی یہ بات اس نے ضرور سنی تھی۔

"اسے بولنا آتا ہے' یا یہ اتنے تحمل اور واضح جملے ادا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے؟"

وہ حیرت میں گھرا دروازے کے باہر کھڑا سوچ رہا تھا۔

"میں شعری کی نہیں (؟) تمہاری بات کر رہا ہوں بیٹا! مجھے لگتا ہے تم اس رشتے سے خوش نہیں۔"

اس کے ڈیڈی اپنی اس بھانجی سے کتنی شدید محبت کرتے ہیں۔ وہ یہ بھی جانتا تھا تب ہی ان کے اس سوال کا فوراً جو جواب وہ دے گی اس سے بری طرح بوکھلا گیا۔

"میں اس رشتے سے خوش نہیں ہوں ماموں!" اس کے سامنے کوئی بیٹی (؟) وہ اس کے باپ سے کیا کہہ رہی تھی۔

"وہ خوش نہیں' یہ کہہ کر تو اس نے سیدھا سیدھا اپنی ناخوشی کا سارا الزام اس کے سر تھوپ دیا تھا۔ اس کا دل چاہا کہ اس لڑکی کو جا کر ایک ہاتھ جڑ دے' اس کے باپ کے سامنے وہ اسے کیا بنا کر پیش کر رہی تھی۔

"میں اس رشتے سے خوش کیسے ہو سکتی ہوں ماموں! آپ نے میرے ساتھ بالکل بھی اچھا نہیں کیا اور آپ نے ان کی بات مان کر اچھا نہیں کیا۔ کیا میں آپ کی بہو بنتی تو یہاں آپ کے گھر میں نہیں رہ سکتی تھی؟ اس شادی کے بغیر بھی تو میں آپ کے اپنے سگے ماموں کے پاس رہ سکتی تھی۔ آپ ماموں کے رشتے سے تو میرے سرپرست بن سکتے تھے پھر یہ زبردستی کا رشتہ کیوں؟ مجھے اچھا نہیں لگتا ماموں! اگر مجھے کسی کے اوپر زبردستی مسلط کی گئی ہو۔ میں زبردستی کسی کی

زندگی میں شامل ہو گئی ہوں۔ آپ کو پتا ہے بتول خالہ! امی کہتی تھیں میرے بارے میں کیا کہتی تھیں۔" بولتے ہوئے تڑپتے ہیں تمہاری بیٹی کے وجود پہ اسے مفت ملا ہے گھر بلاؤ تو ہزار نخروں سے ایک بار آتی ہے۔ "میں بن بلائے کبھی کسی کے گھر نہیں گئی تھی اور آج بن بلائے کسی کے گھر میں نہیں کسی کی زندگی میں گھس گئی ہوں۔ مجھے بہت انسلٹنگ لگتا ہے یہ سب۔ وہ آپ کی خاطر اس زبردستی کے رشتے کو خوش اسلوبی سے نبھا رہے ہیں مگر میرا گھر میری عزت نفس تو اس سوچ کے ساتھ ہی بری طرح ہرٹ ہوتی ہے کہ میں زبردستی کسی کے سر پر مسلط کی گئی ہوں۔"

پھوپھو کے انتقال کے بعد سے اس تمام عرصے میں وہ اس کے ڈیڈی کے بہت قریب ہو گئی ہے یہ تو وہ جانتا تھا مگر اس نے اسے بصیرت حسین کے ساتھ ان کی اسٹڈی یا ان کے کمرے میں بیٹھے بھی دیکھا تھا مگر یہ بے تکلفی اور دوستی اتنی زیادہ ہے یہ اندازہ اسے بہرحال ابھی ابھی ہوا تھا اور ساتھ ہی یہ بھی ابھی ابھی ہی پتا چلا تھا کہ وہ احساس کمتری کی ماری بے چاری سہمی سی مخلوق نہیں وہ کسی کے ساتھ اتنے مربوط اور واضح انداز میں بات بھی کر سکتی ہے۔ اپنا نکتہ نظر اپنی سوچ بھی واضح کر سکتی ہے۔ بصیرت حسین کے ساتھ اس کا بات کرنے کا انداز ایسا تھا جیسے کسی بے تکلف دوست سے بات کی جاتی ہے۔ اپنی بات کے اختتام تک آتے اس کی آواز بھرا گئی تھی مگر لہجہ پُراعتماد تھا۔

اندر جو گفتگو ہو رہی ہے اسے سنے بغیر وہ خاموشی سے وہاں سے واپس لوٹ گیا تھا۔ شاید بصیرت حسین نے فروہ سے "وہ اس شادی سے خوش ہے؟" جیسا کوئی سوال کیا ہو گا اور اس سوال کے جواب میں یہ تمام گفتگو ہو رہی تھی۔

بیٹے کو ایک بار جذبات کا سہارا لے کر مجبور کر کے اپنی بات منوانے کے جواب میں وہ اس سے کچھ بھی کہہ نہیں پا رہے تھے تو اس کے اور فروہ کے رشتے کے اجنبی پن کو ختم کرنے کے لیے فروہ ہی سے بات کرنے لگے تھے۔ سوچتے ہوئے وہ کمرے میں آ گیا تھا۔

اس پر ایک وقت میں کئی طرح کے انکشافات ہوئے تھے۔ پہلا یہ کہ وہ احساس کمتری کی ماری اور روتی نہیں ہے۔ وہ بولنا جانتی ہے۔ اس سے کچھ نہیں کہتی اور خاموش رہتی ہے تو اس کا سبب احساس کمتری نہیں بلکہ یہ احساس ہے کہ وہ اس کے سر پر زبردستی مسلط کر دی گئی ہے۔

انجانے ہی سے اس نے اپنا اور اس لڑکی کا تجزیہ کیا تو احساس ہوا کہ اس کے ایسا سوچنے کی وجہ خود اسی کے رویے ہیں۔ اس ڈیڑھ مہینے میں وہ لاشعوری طور پر اپنے ہر انداز سے اسے یہ باور کراتا رہا ہے کہ وہ زبردستی اس کے گلے پڑی ہے۔ زبردستی اس کی زندگی میں گھسی ہے۔ اس نے لاعلمی میں جانے بغیر اس سے کبھی کوئی گفتگو کیے اسے چھوٹے شہر کی محدود سوچ رکھنے والی اپنے سے کم تر ذہنی سطح کی لڑکی تسلیم کر لیا تھا۔ لیکن جو لڑکی خودداری اور عزت نفس کی بات اس انداز میں کر رہی تھی وہ کم تر اور معمولی کیسے ہو سکتی ہے؟ باوقار اور خوددار لوگ ہی ایسا کرتے ہیں۔ جس شخص میں عزت نفس کا احساس نہیں وقار نہیں تو وہ انسان بھی کوئی انسان ہے۔ کمرے کی لائٹ جل رہی تھی۔ وہ بیڈ پر بیٹھا تھا۔ وہ اس کے پاس آ رہی ہے یا نہیں آئی۔ ان میں سے کسی بھی بات پر کچھ نہیں کہہ سکتی تھی۔ اس لیے کہ اس نے ابھی تک ان میں سے کسی بھی چیز پر اپنا حق جتانا شروع ہی نہیں کیا تھا۔

کچھ دیر بعد جب وہ کمرے میں آئی تو وہ روز کی طرح بالکل خاموش تھی۔ وہ اس پر کچھ بھی ظاہر کیے بغیر خاموشی سے ٹی وی دیکھ رہا تھا۔ مگر ان کی ڈیڑھ مہینے کی اس شادی شدہ زندگی میں یہ پہلا موقع تھا جب اس کی توجہ ٹی وی یا کسی بھی اور دوسری چیز پر نہیں بلکہ پوری طرح اس پر مرکوز تھی۔ اس کی نگاہیں بظاہر ٹی وی اسکرین پر تھیں مگر کن انکھیوں سے وہ اسی کو دیکھ رہا تھا۔

❁ ❁ ❁

اور یہ اس رات سے اگلی ہی رات کی بات تھی

جب رات میں گہری نیند سوتے سوتے اس کی آنکھ کسی کی ہلکی ہلکی سسکیوں کی آواز سے کھلی۔ فوراً کروٹ دوسری طرف کی تو اسے اس کا چہرہ نظر میں آ رہا تھا۔ تم ہوتے ہوئے لرزتا اس کا جسم بتا رہا تھا کہ وہ کس طرح رو رہی ہے۔ وہ آنکھیں کھولے خاموشی سے لیٹا اسے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے دیکھا کہ وہ بیڈ پر سے اٹھنے لگی ہے۔ وہ پہلے بھی تین چار بار اس کے رونے سے رات میں یونہی جاگ گیا تھا اور پھر اسے یونہی ہلکی آواز میں روتے ہوئے بیڈ پر سے اٹھ کر ڈریسنگ روم یا باتھ روم میں جاتے بھی دیکھ چکا تھا۔ مگر اس نے کبھی خود پر ظاہر نہیں کیا تھا کہ وہ جاگ رہا ہے۔ لیکن آج جیسے ہی وہ بیڈ پر سے اٹھنے لگی اس نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھنے سے روک لیا۔ اسے جاگا ہوا دیکھ کر وہ بہت بری طرح گھبرا گئی۔ اپنے دوسرے ہاتھ سے اس نے جلدی جلدی آنسو صاف کرنے کی کوشش کی۔

"کیا ہوا ہے؟"

"کچھ نہیں۔" اپنے لہجے کی گھبراہٹ پر قابو پاتے وہ آہستہ آواز میں بولی۔

"کچھ نہیں ہوا تو کیا آدھی رات کو یونہی شوقیہ رو رہی ہو؟" وہ اس کے یوں بات کو چھپانے پر جھنجلایا تھا "میں نے کچھ کہا ہے؟ میری کوئی بات بری لگی ہے؟"

"مجھے میری امی یاد آ رہی ہیں میں نے ابھی انہیں خواب میں دیکھا ہے۔" اس کی آنکھوں سے پھر آنسو گرنے لگے تھے۔

پھوپھو اس کی پھوپھی تھیں۔ ان کے ساتھ اس کا ایسا کوئی خاص محبت کا رشتہ نہیں تھا۔ ان سے کوئی جذباتی وابستگی جو ان کی موت کا صدمہ اسے مہینوں بعد بھی اس کے لیے تازہ ہو۔ مگر اس لڑکی کی وہ ماں تھیں۔ پہلی بار اس نے اس لڑکی کے لیے دل میں خود نرم جذبات محسوس کیے۔ احساس ہوا کہ وہ واقعی بہت اکیلی اور بہت تنہا ہے۔ اس سے صرف اس کی ماں ہی نہیں اس کا گھر اس کی اپنی زندگی سب کچھ چھن گیا ہے۔

اس کا وہی ہاتھ جو اس نے تھاما ہوا تھا۔ ہلکا سا زور سے کھینچ کر اس نے ایک جھٹکے سے اسے بیڈ پر اپنے برابر لٹا لیا۔

"پھپھو کو یاد کر کے رونا آ رہا تھا اس لیے کمرے سے اٹھ کر جا رہی تھیں؟" دل تو چاہ رہا تھا وہ روتی تھی لیکن اس کا فیصلہ تھا۔

"آپ کی نیند خراب ہو گی۔"

"میری نیند خراب ہوتی ہے یا نہیں آئندہ رات میں آپ کو رونا ہو یا ہنسنا ہو سونا ہو یا جاگنا ہو۔ آپ کمرے سے اٹھ کر کہیں نہیں جائیں گی۔"

غصے سے کہتے اس نے بے دھیانی میں اس کے چہرے پر بکھرے آنسوؤں کو اپنی انگلیوں سے صاف کیا۔ اس کے غصے سے بھرے لہجے کے ساتھ اس کا یہ انداز بڑی اپنائیت لیے ہوئے تھا۔

❁ ❁ ❁

وہ بصیرت حسین کے ساتھ جتنی زیادہ بے تکلف ہو چکی تھی۔ اس کے اور فروہ کے ساتھ اتنی ہی محتاط تھی۔ خاص طور پر اپنے ساتھ تو اسے یوں لگتا جیسے وہ اس کے سامنے سے بچتی اور ہچکچاتی ہے۔ وہ اس کے ڈیڈی کے ساتھ بے تکلفی سے دنیا جہان کی باتیں کر رہی ہوتی اور اگر وہ بھی وہاں جا کر بیٹھ جاتا تو ایک دم ہی چپ ہو جاتی جیسے سامنے سے ہو گیا ہو سے وہ اٹھ کر ہی اندر چلی جاتی تھی۔

ہفتہ دس دن قبل فروہ اور اپنے ڈیڈی کی جو گفتگو اتفاقیہ طور پر اس نے سن لی تھی۔ اس کے بعد اس کا خیال تھا کہ بصیرت حسین اس سے فروہ کے متعلق ضرور بات کریں گے مگر ایک ہفتہ گزر جانے کے بعد اب اسے یقین ہو چلا تھا کہ وہ اس سے ایسی کوئی بات نہیں کہیں گے۔

ہاں وہ خود فروہ کو بہت زیادہ وقت دیتے تھے۔ ان تینوں کی ہمیشہ اپنی اپنی مصروفیات رہتی تھیں۔ بصیرت حسین کے لیے ان کا کام اگر بہت اہمیت کا حامل تھا۔ تو فروہ بھی بہت مصروف اور بامقصد زندگی گزارنے کی

تا کل تھیں سے اپنی ایک این جی او چلا رہی تھیں۔
مگر اب اس نے نوٹ کیا تھا کہ بصیرت حسین نے اپنی مصروفیات خاصی محدود کردی تھیں۔ وہ آفس سے بہت جلدی گھر واپس آجایا کرتے تھے اور اس کے بعد کا سارا وقت بھی ان کا اپنی بھابھی کے ساتھ گزر رہا تھا۔

اس روز بھی وہ آفس سے کہیں اور جانے کے بجائے شام سات بجے سیدھا گھر آگیا تھا۔ بصیرت حسین تو کچھ بھی ہو جائے شام چار ساڑھے چار بجے دفتر سے اٹھ جایا کرتے تھے۔ وہاں سے انہیں اپنی بھابھی کے پاس گھر واپسی کی جلدی ہوتی تھی۔ وہ خیر جلدی تو نہیں اٹھ سکا تھا، ہاں اپنے معمول کے برعکس وہ آفس سے سیدھا گھر ضرور آگیا تھا۔ لیکن گھر آتے ہی یہ دیکھ کر اس کا موڈ بری طرح آف ہوگیا تھا کہ وہاں اس کے استقبال کو نوکروں کے سوا کوئی موجود نہیں تھا۔

ان کی ملازمہ اور اللہ دتہ نے اسے بتایا کہ فریدہ کسی سیمینار میں شرکت کے سبب دیر سے گھر آئیں گی اور اس کے ڈیڈی اور محمد کہیں باہر گئے ہوئے ہیں۔ بہت خراب موڈ کے ساتھ وہ لاؤنج میں بیٹھ گیا تھا۔ ابن گھنٹے بعد وہ لوگ واپس آئے تھے۔ لاؤنج کا دروازہ کھول کر اندر آتے وہ نہیں جانتی تھی کہ وہاں وہ بیٹھا ہے۔ اسی لیے کسی بات پر خوب زور زور سے بولتے اور ہنستے ہوئے اندر داخل ہوئی تھی۔ مگر اندر گھستے ہی جو اس پر نظر پڑی تو لب بھینچ کر فوراً یوں سنجیدہ ہوگئی جیسے وہ کوئی اجنبی ہے جو اس کے گھر میں آ بیٹھا ہے۔

"ارے واہ! آج تو بہت بڑے اور بہت مصروف لوگ بھی جلدی گھر واپس آگئے ہیں۔"

بصیرت حسین نے یہ بات مذاقاً کہی تھی مگر اسے یوں لگا جیسے وہ اس کے دیر سے آنے پر طنز کر رہے ہیں۔ وہ اس کے ساتھ ہی صوفے پر بیٹھ گئے تھے مگر محمد بجائے لاؤنج میں ان لوگوں کے ساتھ بیٹھنے کے سیڑھیوں کی طرف مڑ گئی، بیڈ روم میں جانے لگی تھی۔ اس کا موڈ مزید خراب ہوگیا۔ حالانکہ ایک ہی نظر میں وہ یہ دیکھ چکا تھا کہ آج اپنی مشہور زمانہ روایتی طرح کی چوٹی بنانے کے بجائے اس نے بالوں کو بینڈ لگا کر ایک ڈھیلی ڈھالی سی پونی کی شکل دے رکھی ہے۔ وہ پونی اس کی پشت پر بکھرے وہ سیاہ ریشمی بال بہت خوب صورت لگ رہے تھے۔

"تم کہاں چلیں؟ کہیں ابھی ہی چائے تو پی لو۔ کیوں اکشمبر محمد کے ہاتھ کی بنی چائے پیتی ہے؟ یہ چائے واقعی بہت مزے کی بناتی ہے۔"

وہ کچھ بھی کہے بغیر خاموشی سے بیٹھا رہا۔ محمد فوراً ہی چائے بنانے کچن میں چلی گئی تھی۔ اسے کیا بات بری لگ رہی ہے وہ خود نہیں سمجھ پا رہا تھا۔

وہ چائے کی ٹرے لے کر آئی تو وہ چائے تقریباً اور بصیرت حسین سے بزنس کی بات چیت میں مصروف رہا۔ محمد نے چائے میں شکر ملا کر پہلا کپ بصیرت حسین کی طرف بڑھایا۔ انہوں نے کپ تھام لیا تو دوسرے میں بغیر شکر ڈالے کپ اس کے سامنے میز پر رکھ دیا۔ یعنی وہ جانتی تھی کہ وہ کس طرح کی چائے پیتا ہے۔ لیکن اس نے اس کا کپ اس کے ہاتھ میں کیوں نہیں پکڑایا۔ میز پر کیوں رکھا۔ وہ کیا کوئی جن بھوت ہے جو وہ یوں اس سے کتراتی ہے۔ اس کی عادتوں کی خبر ہے تو اس کی سب باتوں کا دھیان رکھتی ہے۔ اس بات پر خوش ہونے کے بجائے چائے کا کپ اپنے ہاتھ میں نہ پکڑانے پر جھنجلا رہا تھا۔



اسے اس کے ایک دوست نے ڈنر پر انوائٹ کیا تھا یونیورسٹی کے دوستوں کی گیٹ ٹو گیدر تھی۔ آفس سے واپس آنے کے بعد اس نے محمد سے ساتھ چلنے کے لیے کہا۔

"میں۔۔۔؟" اس نے حیرت میں حیرت کم اور انکار زیادہ چھپا تھا۔

"ہاں تم۔۔۔ کیوں تمہیں میرے ساتھ جانے پر کوئی اعتراض ہے؟" اس نے ابرو اچکا کر اسے قدرے درشتی سے کہا۔

"نہیں۔۔۔" وہ منمنائی۔

"آپ بے گھنٹے بعد ہمیں جانا ہے۔ جلدی تیار ہو جاؤ۔" وہ الماری کھول کر پریشان سی کھڑی تھی۔ اور وہ اسے اسی پریشانی میں کھڑا چھوڑ کر نہانے گھس گیا تھا۔

اس کے بارے میں اس کے ابتدائی بہت سے اندازے غلط نکلے۔ اگر وہ بہت خاموش رہتی تھی بہت ملنسار تھی تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا کہ اسے گفتگو کا تعلق میں شرکت کا موقع کی مناسبت سے اچھی طرح تیار ہونے کا سلیقہ نہیں۔ اس نے ہلکا سا میک اپ کیا تھا۔ شام کی تقریب کے لحاظ سے لباس اور اس رات کے انتخاب میں بھی اس کا ذوق نمایاں تھا۔ وہ تیار ہو کر ڈریسنگ روم سے باہر نکلا تب وہاں کو برش کر کے بتایا "آئیں" کسی نے اسے بالکل تیار کر دی تھی۔

"تم تیار ہو گئی؟ نو بجے ہیں بس ایسے ہی۔ جلدی کیجئے آٹھ پہلے ہی ہو رہی ہے۔"

گاڑی کی چابی اور موبائل اٹھا کر وہ رعب سے کہتا فوراً کمرے سے باہر نکلا۔ اس نے کہا تو کیا خود انتظار کرنا بھی گوارا کیا تھا کہ اسے اس کے کھلے بال اچھے لگتے ہیں اس کے بار عب لہجے اور بھورے لمبے اور گھنے بالوں کو کھلا چھوڑ کر ہی اس کے پیچھے آئی تھی۔ بالوں کی بیچ کی مانگ نکال کر انہیں دونوں طرف سے کانوں کے پیچھے کیا ہوا تھا کہ بال ان کی لٹیں چہرے پر آ کر الجھن میں مبتلا نہ کریں۔ اگر ستائشی نگاہوں سے اس نے اسے دیکھا بھی تھا تب بھی منہ سے تعریفی ایک جملہ تو کیا ایک لفظ تک نہیں کہا تھا۔

یہ اس کے قریبی اور خاص دوستوں کی محفل تھی اور وہاں سب ہی نے اس کی بیوی کو بڑے پرجوش طریقے سے خوش آمدید کہا تھا۔ دوست شادی شدہ تھے اور ان کی بیویاں ساتھ تھیں۔ سب ہی نے دوستوں کی بیویوں سے اسے متعارف کروا کر ان کے پاس اسے چھوڑ کر وہ خود اپنے باقی دوستوں سے ملنے لگا تھا۔ دوستوں کے ساتھ وہ جا بے تکلف گفتگو میں جتنا بھی مصروف رہا ہو مگر تمام وقت وہ اسے بھی اپنی نظروں کے حصار میں لیے رہا تھا۔ اس نے دیکھا تھا کہ وہ وہاں بہت پرسکون رہی تھی۔ مگر اس کے باوجود اس تقریب میں اس کا کوئی انداز ایسا نہیں تھا جو اسے خجالت میں مبتلا کر آتا۔ اپنے دوستوں کی اعلیٰ تعلیم یافتہ بیویوں کے آگے اسے اپنی بیوی کی کم علمی پر شرمندہ کر لے اس نے نوٹ کیا تھا کہ اس کے دوستوں کے حلقے میں سب نے اس کی بیوی کو پسند کیا تھا۔ سب کو خاموش طبع ضرور لگی تھی مگر وہ جاہل یا گنوار نہیں۔

جس طرح یہاں آتے وقت وہ گاڑی میں سارا راستہ بالکل خاموش رہی تھی۔ اسی طرح واپس جاتے وقت بھی وہ ڈالیں گود میں رکھے اپنے ہاتھوں پر نظریں جمائے خاموش بیٹھی ہوئی تھی۔

"لیڈی کے ساتھ کیسی اس کی فر فر زبان چلتی اور میرے ساتھ کیسے زبان کو تالے لگا کر بیٹھ جاتی ہے۔" اس نے سوچا تھا۔

"میری کال سنو گی؟" اس نے بری طرح چونک کر اپنا سر اوپر اٹھایا۔ ایک نظر اسے دیکھا جو بظاہر اسی کو دیکھ رہا تھا۔

چند سیکنڈ کی سوچ بچار کے بعد لفظوں کو تولتے ہوئے تھا ہلکے سے لہجے میں بولی۔

"آپ کا موڈ ہے تو کھا لیتے ہیں۔"

اس کا دل چاہا اپنا سر کسی چیز سے دے مارے۔ اس شاندار جواب کے بعد مزید کچھ کہنے کی گنجائش تھا ہاں غصے میں کچھ کہنے کے لیے اس نے گاڑی کی رفتار انتہائی تیز ضرور کر دی تھی۔ اس کی تیز رفتاری سے لاتعلق وہ اپنے ہاتھوں کو گھورنے پھر مراقبے میں چلی گئی تھی۔

ان کی گاڑی اس وقت جس سڑک پر سے گزر رہی تھی اس کے دونوں اطراف کی جانب اچھے اچھے ریسٹورنٹس اور آئس کریم پارلر موجود تھے۔ چند روز قبل اس شام جب وہ آفس سے گھر جلدی واپس آ گیا تھا تب تو بصیرت حسین کے ساتھ کہیں سے واپس آ رہی تھی۔ اسے اسی شام ان کی باتوں کے دوران اپنے ڈیوٹی سے پتا چل گیا تھا۔ دونوں روز شام میں گھر کے قریبی ایک

پارک میں واک کرنے کے نتیجے میں وہ کیا پرزنٹ کر کے آئی ہے۔ "انہیں پارک سے گھر واپسی میں باقاعدگی سے آئس کریم کھا کر وہاں جمال بھی گرتی ہے" اس بات سے اس نے یہ اندازہ لگایا تھا کہ شاید اسے آئس کریم بہت زیادہ پسند ہے۔ گاڑی ایک آئس کریم پارلر کے سامنے لا کر روکتے اس نے اسے دیکھا اور طنزیہ لہجے میں بولا۔

"آئس کریم کھاؤ گی؟ یا اگر میرا موڈ ہے تو میں جا کر کھا آؤں؟"

لیکن بے وقوف ہرگز نہیں تھی۔ اس کا طنز بھی سمجھ گئی تھی۔ تب ہی اس کی طرف دیکھے یا کچھ بھی کہے بغیر وہ گاڑی سے باہر اتر گئی تھی۔

پہلا سیلف سرپرائز تھی۔ گاڑی سے آئس کریم لینے کے لیے جانے سے پہلے اس نے اسے دیکھا۔

"کون سا فلیور لو گی یا جو میرا موڈ ہو وہ لے لوں؟" وہ اسے اتنی آسانی سے بخشنے کے موڈ میں نہ تھا۔

"اسٹرابیری" اس کے طنز کو اچھی طرح سمجھتے اس نے آہستہ جواب دیا تھا۔ وہ آئس کریم لے آیا اور اس کی سائیڈ والی کرسی پر بیٹھ گیا۔ تب اسے دیکھ کر اسے بے حد غصہ آنے لگا کہ وہ اس کے علاوہ آئس کریم پارلر میں موجود ہر جاندار اور بے جان شے کو بغور دیکھ رہی تھی۔ اس سے کہیں زیادہ قابل توجہ لکڑی کی میز اس پر رکھا ہوا پھولوں سے سجا گلدان یہاں تک کہ سامنے دیوار پر سجی پینٹنگ تک اس سے زیادہ توجہ کے لائق نظر آ رہے تھے اس لڑکی کو۔

"تمہیں کھانے میں کیا پسند ہے؟" اس کا خیال تھا اب وہ پھر مراقبے میں چلی جائے گی۔

اب یا تو یہ سوال اتنا مشکل نہیں تھا یا شاید اس کا طنز اثر کر گیا تھا۔ اس بے معنی اور فضول سی گفتگو کو آگے بڑھانے کے لیے اب وہ بولا اسے اشتہر ہے اس کے کھانے پینے میں پسند پوچھی جا رہی ہے۔ عام طور پر ہوتا بھی یہی ہے کہ ہم لوگ گفتگو کے لیے کسی کی کسی معاملے میں پسند یا ناپسند پوچھتے ہیں تو جواب دینے کے بعد گفتگو کا سلسلہ جاری رکھنے کے لیے وہ اطلاع "آپ کو کیا پسند ہے؟" ضرور دریافت کرتا ہے۔ مگر اس نے اس سے ایسا کچھ نہیں پوچھا۔ وہ نظریں اپنے آئس کریم کپ پر مرکوز کر کے خاموشی سے آئس کریم کھاتی رہی۔

اسے یہ تقیا وہ اپنے حلقہ احباب میں شامل وہ تمام لڑکیاں یاد آئیں جو اس کی ایک نگاہ التفات کی منتظر رہا کرتی تھیں۔ وہ خود سے کسی کو غیر معمولی اہمیت دے کر کوئی بات کرے یہ تو خیر بہت ہی بڑی بات تھی۔ اس کی صرف ایک سرسری نگاہ کے لیے ایک سے ایک ملنسار اور حسین لڑکی کوشش کر کے اس کے پیچھے لے آیا کرتی تھی۔ اس کے نرم و نازک سراپے نے اس کے ساتھ اس تعلق نے اگر اس کے دل میں کوئی نرم اور لطیف سے جذبات جگانے بھی تھے تو اس کے اس غیر انداز نے اس کے سارے جذبات پر پانی پھیر دیا تھا۔

* * *

اس رات اگر اس کا موڈ بری طرح خراب ہوا تھا تو اگلے ہی روز آئی خوشگوار باتیں ایک ساتھ ایسی ہوئی تھیں جنہوں نے اسے حیران بھی کیا تھا اور بہت زیادہ خوش بھی۔

اگلے روز چھٹی کا دن تھا اور اپنے معمول کے مطابق وہ چھٹی کے دن بھی صبح سویرے بیدار ہو گیا تھا۔ صبح صبح وہ جاگنگ کر کے آیا تھا اور اب لان میں ایکسرسائز کر رہا تھا۔ اس کی تمام تر توجہ اپنی ایکسرسائز پر تھی مگر جھک کر پیروں کے انگوٹھوں کو چھوتے ہوئے بھی اسے احساس ہوا کہ کوئی اسے دیکھ رہا ہے۔ جھکے ہوئے ہی اس نے اندازہ لگایا کہ سامنے کی طرف کہیں کوئی نہیں ہے اسے پیچھے سے دیکھا جا رہا ہے۔ واپس سیدھا ہو کر اس نے بڑی سرعت سے مڑ کر سر اٹھا کر اوپر دیکھا اپنے کمرے کی بالکونی میں ریلنگ سے ہاتھ ٹکائے وہ کھڑی نظر آئی۔ اسے مڑ کر دیکھا کر اس نے اپنی نظریں فوراً نیچی جھکا لی تھیں

جیسے وہ یہاں صرف اور صرف میچ کے اس خوب صورت منظر اور تروتازہ ہوا کا مزہ لینے کھڑی ہو۔ کل رات اس کے علاوہ دنیا کی ہر چیز کو دیکھنے والی اس وقت اسے دیکھ رہی تھی پیچھے سے۔ اسے میچ کا یہ خوشگوار سا انکشاف بہت اچھا لگا۔

میچ کی اس خوشگواری کا اثر ابھی کم نہیں ہوا تھا کہ میچ کے بعد فراغت کے عالم میں بہت دنوں بعد جب وہ اور بصیرت حسین کارڈز کھیل رہے تھے۔ تب اسے ایک اور بہت خوشگوار بات پتا چلی۔ وہ دونوں باپ بیٹا شطرنج کارڈ باقاعدہ ایک دوسرے کو ہرانے کا چیلنج دے کر کھیلا کرتے تھے۔

کارڈز کا ان کا یہ مقابلہ لاؤنج میں ہو رہا تھا۔ لیکن ابھی وائنڈنگ ٹیبل سے اٹھ کر ان دونوں کے ساتھ ہی بیٹھ گئی تھی۔ وہ مسکراتے ہوئے ان دونوں کو کھیلتے ہوئے دیکھ رہی تھی اور بیچ بیچ میں کوئی نہ کوئی تبصرہ لوگ کے کھیل کے حوالے سے بھی کرتی جا رہی تھی۔ بصیرت حسین کی فرمائش پر خود ان دونوں کے لیے کافی بنا رہی تھی۔ وہ کافی بنا کر لے آئی اور سب کو کپ دینے لگی تب بصیرت حسین اس سے بولے۔

"جانِ من تم ادھر بیٹھو یہاں۔ ذرا دیکھو کہ میں اسے کیسا ہرا رہا ہوں۔" فریحہ نے اپنے برابر صوفے پر خود کے لیے جگہ بنائی تھی۔ وہ خاموشی اور سنجیدگی سے ان کے برابر میں بیٹھ گئی تھی۔ اپنے پتوں پر توجہ مرکوز رکھتے اس نے سرسری نظروں سے اسے دیکھا تھا تو احساس ہوا وہ بصیرت حسین کے نہیں اس کے پتوں کو بغور دیکھ رہی ہے۔ کافی کے سپ لیتی وہ بظاہر سنجیدگی اور خاموشی سے ان دونوں کو کھیلتے ہوئے دیکھ رہی تھی مگر دراصل جب اس نے اسے تھوڑی دیر بعد دیکھنا شروع کیا تو اس کے چہرے پر موجود تاثرات دیکھ کر یہ احساس ہوا کہ وہ اس کے پتوں کو نہیں اسے ہرتا ہوا دیکھ رہی ہے۔ ان کے اس کھیل کی یہ دونوں شوقین تو تھیں اس کی ہار چاہتی ہیں۔ یہ جاننا اسے بے حد اچھا لگا۔ شطرنج میں اگر بصیرت حسین اکثر اوقات اسے ہرا دیا کرتے تھے تو کارڈز میں زیادہ تر وہ Crazy کرتا تھا۔ سوائے روایت کو برقرار رکھتے اس نے آج بھی انہیں ہرا دیا تھا۔ انہیں ہراتے ہی اس نے فوراً انہیں نہیں بلکہ اسے دیکھا تھا۔ اور اس کے چہرے پر اسے اپنی جیت کی ایک بے ساختہ سی خوشی نظر آئی تھی۔

یعنی واشعر حسین اس کے لیے اہم تھا۔

وہ بے ساختہ مسکراتے ہوئے صوفے پر سے اٹھ گیا تھا۔

اور یہ آخری بات بھی اسی روز کی تھی۔ رات کو وہ دونوں اپنے بیڈروم میں تھے۔ فریحہ روز کی طرح کسی میگزین کا مطالعہ کرنے کا آغاز کر رہی تھی اور وہ فون پر رضا حیدر سے بات کر رہا تھا جو آفس کے دن بھی حسب عادت دفتر اور دفتری کاموں ہی سے متعلق گفتگو کر رہا تھا۔

"اچھا وہ روپے پچاس پیسے؟ یعنی 2.5x9500 یعنی کہ" کسی شیئرز کے منافع سے متعلق بات تھی۔ "یعنی" کہہ کر اس نے ذہن میں کیلکولیشن کرتے ہوئے آس پاس کیلکولیٹر تلاشا۔

"23750" آہستہ آواز میں اسے یہ جواب رضا حیدر نے نہیں بلکہ اس سے کچھ فاصلے پر بیٹھی اس خاموش وجود نے دیا تھا۔ حیرت سے اس کا منہ پورے کا پورا کھل گیا تھا۔ حیرت سے منہ پھاڑے وہ خود سے کچھ فاصلے پر بیٹھی اس جیتے جاگتے کیلکولیٹر کو دیکھ رہا تھا۔ اسے جواب دے کر خود نے ایک نظر اسے دیکھ کر نظریں دوبارہ میگزین کے صفحات پر جما لی تھیں۔ وہ ابھی ذہن میں کیلکولیٹ کر رہا تھا اور کس تیزی سے اس نے اسے جواب دے دیا تھا۔ وہ MIT سے MBA کر کے واقعی جھک ہی مار کر آیا تھا۔ اس سے کہیں اسمارٹ تو یہ لڑکی تھی جسے وہ چھوٹے شہر کی کم علم اور کم عقل لڑکی قرار دے رہا تھا۔ رضا سے فون پر گفتگو کو مختصر کر کے فون رکھنے کے بعد وہ پورا کا پورا اس کی طرف گھوم گیا۔

"اسکول میں بچوں کو one سے Twenty تک ٹیبلز یاد کروائے جاتے ہیں۔ آپ کو 2.5 (ڈھائی) کا

پہاڑا بھی یاد ہے؟" جس کے لہجے میں طنزیہ جملہ تعریف محسوس کر کے وہ مسکرائی۔

"میرا میتھس بہت اچھا ہے۔ میرے میتھس میں ہمیشہ ہنڈرڈ پرسنٹ مارکس آتے تھے۔ میرے بابا میتھس کے ٹیچر تھے مجھے میتھس ہمیشہ وہی پڑھاتے تھے۔"

اس کی بات سن کر اسے آج حیرت اور خوشی سے دوچار نہیں کیا تھا جتنا اس کی اس بات نے۔ اس کے ساتھ اتنا طویل جملہ وہ بھی خود سے پہلی مرتبہ بولی تھی۔

"تم کیا پڑھ رہی تھیں؟"

"میں نے اس سال بی ایس سی کیا ہے۔ فزکس، میتھ اور اسٹیٹس کے ساتھ۔"

"بی ایس سی؟ آئی ایس سی کر چکیں؟" وہ حقیقتاً حیران ہوا تھا اور وہ اس کی حیرت پر حیران ہوئی تھی۔

"ہاں کیوں؟"

"اتنی چھوٹی سی تو لگتی ہو میں سمجھا تھا تم کوئی میں نے اس سال تھرڈ ایئر میں ایڈمیشن لیا ہے۔"

"میں بیس سال کی ہو چکی ہوں۔" اس نے صحت اس کی صحیح کی تھی۔

"بیس سال کی؟ ہاں تب تو تم واقعی بہت بڑی ہو چکی ہو۔"

وہ محظوظ ہونے والے انداز میں بے ساختہ ہنسا۔ جب کہ وہ بے اختیاری میں کہہ جانے والی اپنی بات اور اس پر واشعر کے والی تبصرے سے جھینپ سی گئی۔

"جب تمہارا میتھس اتنا اچھا ہے پھر تم نے میتھس کو آگے پڑھنے کے متعلق بھی سوچا ہو گا؟"

وہ پہلی بار اس کے ساتھ اپنے بارے میں اس طرح بات کرنے کے لیے تیار ہو رہی تھی تو اس گفتگو کو وہ اتنی جلدی ختم نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اسی لیے اپنا مذاق اڑانا انداز ترک کر کے فوراً ہی سنجیدگی سے دوستانہ انداز میں بولا۔

"ہاں میرا ارادہ تھا۔ میں اپلائیڈ میتھس میں ماسٹرز کروں گی۔ بابا کی بھی یہی خواہش تھی۔ لیکن پھر ابا بیمار ہو گئے۔ پھر اپلائیڈ ایڈمیشن کا ٹائم مجھے یوں لگ رہا تھا کہ میں فیل ہو جاؤں گی۔ میری ایک بھی پڑھائی ہو ہی نہیں سکی تھی۔" اس کے لہجے میں کچھ اداسی سی ابھر آئی۔ شاید وہ ابا کی بیماری کے دن یاد کر کے کچھ بھی ہو گئی تھی۔

"لیکن پھر بھی تم ابھی دوبارہ بھی ساتھ پاس ہوئی ہو گی؟ سے میں؟" جس کے یقین انداز کے جواب میں اس نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

"ہاں میری فرسٹ ڈویژن آئی تھی۔"

"تم اپنی اسٹڈیز دوبارہ سے شروع کرو۔ اب یونیورسٹی میں ایڈمیشن شروع ہوں تو تم ماسٹرز میں ایڈمیشن لے لینا۔"

فریحہ نے حیرت اور بے یقینی سے اسے دیکھا۔ وہ اس کی حیرت کو بھانپتے ہوئے فوراً بولا۔

"اس میں اتنے تعجب کی کیا بات ہے؟"

"نہیں، خوشی ہو رہی ہوں۔" اس نے تصحیح کرنے والے انداز میں کہا۔

"اچھا پہلی بار پتا چلا ہے خوشی کا اظہار اس طرح حیران ہو کر بھی کیا جاتا ہے۔" وہ مسکراتا ہوا بیڈ پر سے اٹھا اور پہلی بار لائٹ بند کرنے سے پہلے اس سے پوچھا۔

"لائٹ آف کر دوں یا تمہیں ابھی میگزین اور پڑھنا ہے؟"

پڑھنے کا لفظ اس نے قصداً کھینچ کر ادا کیا تھا اور وہ جھینپ سی گئی تھی۔ سمجھ بھی گئی تھی کہ وہ اس کی کون سی بات اسے جتا رہا ہے۔ مگر بظاہر چہرے پر کوئی تاثر لائے بغیر اس نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

اس روز کے بعد ان کے بیچ حائل تکلفات کی بہت سی دیواریں گر گئی تھیں۔ وہ متانت قسم کی بے تکلفی تو اسے ہرگز نہیں کر پاسکتا تھا مگر تہذیباً ہی سہی، کم از کم اب وہ اس سے بات کرنے لگی تھی۔

اب رات میں سونے سے پہلے وہ کوئی ایسی دلچسپی ڈھونڈتا جس میں اسے بھی اپنے ساتھ شریک کرسکے۔ آخر وہ ختم کرکے دلچسپی لی وہ ہی ختم آئی۔ وہ اس سے چاہے یا کوئی بہانے کو کرتا اور پھر اسے اپنے ساتھ بٹھا لیتا۔

اگر اسپورٹس چینل پر اس کی دلچسپی کا کوئی اور پروگرام چل رہا ہوتا تو ٹھیک لیکن اگر کوئی مووی چینل لگا ہوتا اور اس میں ہیرو ہیروئن کے بیچ کوئی رومانٹک سین آجاتا تو اسکرین پر اداکاری کرتی ہیروئن کو نہیں بلکہ اس کے برابر میں بیٹھی وہ شرمندہ سی ہو کر نظریں چرا رہی ہوتی۔ اور اسے وہ منظر اور وہ سین نہیں بلکہ اس کا بس گرانا اور دلچسپ لگ رہا۔ پہلی بار ہنسی آنے کے ساتھ اسے حیرت بھی ہوئی تھی کہ اس نے اپنے حلقہ احباب میں شامل کسی لڑکی کو اتنی معمولی باتوں پر کیا بڑی بڑی باتوں پر بھی شرماتے کبھی نہیں دیکھا تھا اور اگلی بار سے اس چیز کا عادی ہونے کے بعد پھر وہ صرف ہنسا کرتا تھا۔

کئی بار وہ اسے آؤٹنگ کے لیے باہر کرانے بھی اپنے ساتھ باہر لے گیا تھا۔ اگر وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرتا تو نہیں کرتی تھی تو اب نہیں جا کر اتنا تو ہو گیا تھا کہ وہ اس سے خود سے بھی مخاطب ہونے لگی تھی۔ اس سے مختلف موضوعات پر باتیں کرنے لگی تھی۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اب کم از کم وہ اس سے وہ سب کچھ کہہ دیتی تھی جو اسے سمجھنے کی خواہش اور خاموشی کے خول میں خود کو بند نہیں کر لیا کرتی تھی۔

☆ ☆ ☆

اس شخص کے پاس اپنی انا اور عزت نفس گنوا کر کتنے اسے پورے پانچ دن ہو چکے تھے۔ ان پانچ دنوں میں زندگی میں دوسری بار اس نے اتنی شدتوں سے اس شخص کا انتظار کیا تھا مگر اس کا یہ انتظار کل بھی لاحاصل ثابت ہوا تھا اور سات سال بعد آج بھی لاحاصل ہی رہا تھا۔ اس شخص کو نہ کل اپنی بیوی

اور ہونے والے بچے پر رحم آیا تھا اور نہ آج بیٹی کی بیماری نے اس کا دل نرم کیا تھا۔

”کیا ہوا تمہارا اشعر نے تم سے رابطہ کیا؟ کچھ بات بنی؟“ اس رات الفین کا فون آیا تھا۔

”کچھ بھی نہیں ہوا الفین! کچھ بھی نہیں۔ میں ایک بار پھر اس شخص کو آزمانے چلی تھی جو ایک سرے سے ہر دلی اور انسانیت کی توقع وابستہ کرنے چلی تھی جس کے پاس دل اور انسانیت جیسی چیزیں موجود ہی نہیں ہیں۔ میں ہار گئی ہوں۔ الفین، پلیز آخری بار بھی مجھے بتاؤ کیا کروں؟ کہاں جاؤں؟“

وہ بلک بلک کر رو پڑی تھی۔ اس کی بیٹی کی زندگی ہو گی بھی کہ اس کی دنیا اس کی زندگی اندھیرے میں گم ہونے جا رہی تھی۔

”تم ہمت مت ہارو۔ خدا کی ذات کوئی نہ کوئی سبیل ضرور پیدا کرے گی۔ تم کہو تو میں تمہارے پاس کراچی آجاتی ہوں۔“

اس کی دوست کے پاس اس کے لیے تسلیاں تھیں، دلاسے تھے، خلوص تھا، محبتیں تھیں۔ یہ سب کی سب دل سے قدر کرتی تھی مگر یہ بھی جانتی تھی کہ ان میں سے کوئی ایک بھی چیز اس کی مشکل کو آسان نہیں بنا سکتی۔ اسے اپنا وجود تاریکیوں میں کسی دلدل میں اترتا محسوس ہو رہا تھا۔

”ماما! کیا ہوا؟“ وہ بائیں ہاتھ میں لیے بے بسی سے کھڑی رو رہی تھی۔ جب حریم نے کمرے میں آکر جھانکا تھا۔

”کچھ نہیں جانو۔“ اس نے جلدی سے دوپٹے سے آنکھیں اور چہرہ صاف کیا اور مسکراتے ہوئے بولی۔ حریم اسے دیکھ کر اس بارے میں کچھ پوچھنے ہی والی تھی کہ اس نے فوراً ہی بات بدل دی۔

”دیکھو کیا ٹائم ہو رہا ہے بیٹا جی! آخر تم کو اتنی تنگ کیوں کرتا ہے؟“

”ہم بچی کو کہنا چاہتا ہے ماما۔“

اس نے بچے سے اسے سمجھایا کہ حق پر اور اچھے کردار کو ما چاہتا ہے اللہ تعالیٰ ہم۔“

”ابھی کچھ بھی کہو میرا ارادہ تو تمام ہے۔ ڈاکٹرز کہتے ہیں کہ بیمار کے لیے دل چاہیے۔“

”ماما! ہم کیا اب ہے جیسی اچھا ہے۔“ حریم پر مانتے ہوئے فوراً بولی۔

وہ اس کا دھیان اپنے آنسوؤں سے ہٹا لینے میں کامیاب ہو چکی تھی۔

☆ ☆ ☆

صرف اسی روز کی اس بورڈ میٹنگ تک ہی بات محدود نہیں تھی۔ پچھلے پانچ دنوں میں وہ گو تمام دفتری امور میں بھی اس کا کیا رویہ رہا تھا۔ اس سے وہ حقیقت کوئی بھی نہیں کیا جا رہا تھا۔

آج جتنا وہ اسے اس لاؤنج میں بیٹھے سر سے بچتے ہوئے نیند، سکون اور آرام تو زندگی سے بہت پہلے ہی رخصت ہو چکے تھے مگر پچھلی پانچ راتوں میں وہ ایک پل بھی نہیں سویا تھا۔

سیاہ گزری راتیں ایسی کی پوری خود ترسی میں چلنے لگے اس نے سگریٹ کا دھواں اپنے اندر اتارنے گزاری تھیں حالانکہ اسموکنگ سے اسے شدید نفرت تھی۔

”تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی اشعر! تم کچھ دنوں کے لیے گھر ریسٹ کیوں نہیں کر لیتے۔“ یہ ان کے ادارے کا ڈائریکٹر فنانس رضا زیدی تھا۔ اس کے ساتھ اشعر کے بہت پرانے اور گہرے دوستانہ تعلقات تھے۔ امریکہ میں Yale میں ماسٹرز کے دوران ان کی دوستی ہوئی تھی۔

وہ اشعر سے کئی سال سینئر تھا۔ عمروں میں بھی فرق تھا مگر اس سب کے باوجود ان کی بہت اچھی دوستی ہو گئی تھی۔

”میری طبیعت بالکل ٹھیک ہے۔“ اس نے بے نیاز انداز میں کہا تھا۔

وہ سنگاپور کی ایک کمپنی کے ساتھ وہ معاہدہ سائن کرنے جا رہے تھے۔ اسی حوالے سے تفصیلات طے کرنے اور ڈیل پر سائن کرنے اس کمپنی کے سینئر ایگزیکٹوز اور ٹاپ مینجمنٹ پر مشتمل ایک وفد آیا ہوا تھا۔

ملٹی میڈیا پریزنٹیشن کے ذریعے اس کمپنی کے ایک سینئر ایگزیکٹو اسے اور باقی سب کو پروجیکٹ کی تفصیلات بتا رہے تھے اور وہ ان گرافس، چارٹس اور ان اعداد و شمار کو بے توجہی سے دیکھ رہا تھا۔ جب پریزنٹیشن ختم ہونے کے بعد وہ خود سے کچھ بھی نہ بولا تو ان کے ایک ایگزیکٹو نے از خود اس سے اس کی رائے طلب کی۔ اس نے کچھ دیکھا اور سمجھا ہو تا تو بولتا۔ وہ تو غائب دماغی سے سارا وقت اس اسکرین اور ان سب کے چہروں کو دیکھتا رہا تھا۔ بل اس کے کہ مقابل بیٹھی کمپنی کے سینئر ایگزیکٹو اس کی بے رخی پر کچھ برا محسوس کرتے رضا زیدی اور ان کی کمپنی کے چند دوسرے ایگزیکٹوز صورت حال کو بخوبی سنبھال لیا تھا۔

میٹنگ کے بعد اب اپنے آفس میں بیٹھا وہ خود اپنے آپ پر جھلا رہا تھا۔ یہ سوچ رہا تھا کہ اسے خود کو سنبھالنا اور لوگوں کے سامنے بالکل نارمل ظاہر کرنا چاہیے کہ رضا زیدی اس کے آفس میں داخل ہوا۔ وہ کچھ دیر ادھر ادھر کی دفتری باتیں کرنے کے بعد اس نے اس کی طبیعت کے متعلق استفسار کیا تھا۔

”یا تو تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے یا پھر تم کسی ٹینشن میں ہو۔“

”تمہاری دونوں ہی باتیں بالکل غلط ہیں۔ میں نہ تو بیمار ہوں اور نہ ہی کسی ٹینشن میں۔“ اپنے سامنے رکھی فائل بند کرتے ہوئے اس نے رضا زیدی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پُراعتماد لہجے میں کہا۔

”چلو مان لیتا ہوں کہ یہ دونوں باتیں نہیں ہیں۔ تو پھر میری ایک بات ضرور ہے کہ تم مسلسل کام سے بہت زیادہ تھک گئے ہو۔ چند دن خود کو بریک دو۔ تھوڑا آرام کرو، ان شاء اللہ تم بہت بہتر محسوس کرو گے۔“

”آپ کی نصیحتیں ختم ہو گئی ہیں اور میرا ہوم ورک کا شوق بھی پورا ہو چکا ہے تو کیا ہم کام کی بات کر سکتے ہیں۔ نیڈ شو کے لیے ہماری پریزنٹیشن میں پُرکشش اور منفرد ہونے کی ضرورت ہے۔ ہمارا

کیا خیال ہے؟" علیزہ کو مزید موضوع گفتگو بننے سے بچانے کے لیے اس نے فوراً ہی گفتگو کا رخ موڑ کر اسے ترکی میں عنقریب منعقد ہونے والے ایک فلاور شو کی طرف کر دیا تھا اور شاید چچا نے بھی توقف ہونے سمجھ لیا کہ وہ اپنے بارے میں کوئی بات فی الحال شیئر کرنے کے موڈ میں نہیں ہے۔ لہٰذا وہ خاموش ہو گیا تھا۔



باغبانی اس کا شوق اور مشغلہ سے بڑھ کر عشق تھا۔ اپنے گھر کے اس وسیع و عریض گارڈن کی خوب صورتی، ہریالی، شادابی اور خوشنمائی کا سارا کریڈٹ سو فیصد اسی کو جاتا تھا۔ ہر طرح کے پھولوں، پودوں اور درختوں سے اسے محبت تھی وہ اس بات پر یقین رکھتا تھا کہ انسانوں کی طرح بے زبان پودے بھی محبت کی زبان سمجھتے ہیں۔ انہیں پیار اور توجہ دو تو کھل کر اپنے رنگ، خوشبو اور خوب صورتی بکھیر کر اس محبت کا جواب ہی سے جواب بھی دیتے ہیں۔ وہ ایک مستند ماہر اور بہت اچھا گارڈنر تھا۔ ڈیزائن کرنے والا ایک پلاننگ میں کسی سے بالکل کوئی تعلیم حاصل کیے بغیر باغبانی کے بارے میں اتنا کچھ جانتا تھا جتنی باقاعدہ تعلیم حاصل کیے کسی Horticulturist کو حاصل ہو سکتی ہے۔ اگر باغبانی ایک فن ہے تو وہ اس فن کا واقعی ماہر تھا۔

لیے کتنے ہی لوگ تھے جن کے ساتھ نہ اس کا عمر کا جوڑ بنتا تھا نہ پیشے اور قومیت کے لحاظ سے وہ اس جیسے تھے۔ مگر صرف اس ایک دلچسپی کے مشترک ہونے کے سبب جہاں تک اس کی ان سے دوستیاں ہو گئی تھیں۔ جو انٹرنیٹ کے ذریعے برقرار بھی تھیں اور ان میں سے ہر ایک دوسرے کو فن باغبانی کے بارے میں نئی تحقیقات سے آگاہ کرتا رہتا تھا۔

دفتری مصروفیات کے بعد اس کے پاس اتنا وقت نہیں بچتا تھا جتنا وہ اپنے گارڈن کو دینا چاہتا تھا۔ روز صبح اکثر سائٹ کے دوران ہی اس کا ایک پورا چکر اپنے گارڈن کا لگتا تو اس کے پاس اتنا وقت نہیں ہوتا تھا کہ مالی کو جس پودے کے بارے میں کوئی ہدایت دینا ہوتی دے دیتا۔ ہاں ہفتہ وار چھٹی کے دن وہ کئی گھنٹے اپنے گارڈن کو سجانے سنوارنے میں گزارتا۔

اس روز چھٹی کا دن تھا اور وہ ناشتے کے بعد سے ہی جان سے گارڈن کی دیکھ بھال میں لگا ہوا تھا۔ موسم تبدیل ہو رہا تھا۔ سردیاں رخصت ہو رہی تھیں۔ اب نئے موسم کے لحاظ سے نئے پھول اور نئے پودے گارڈن میں لائے جانے تھے۔ گھر آتے جاتے روز ایک نظر تو پڑتی ہی تھی کہ کہیں کوئی پودا کمہلا تو نہیں گیا کوئی کیاری یا گملا نظر انداز تو نہیں ہو رہا۔ کوئی پھول یا پودا مرجھایا ہوا تو نہیں لگ رہا۔ ہاں ٹھیک طرح ان کی دیکھ بھال کر رہا ہے کہ نہیں مگر اس چھٹی کے دن جب وہ اپنے گارڈن کو پورا وقت دے رہا ہوتا تب حبیب جو ان کا مالی تھا اس کی شامت آئی رہتی تھی۔ ذرا جو کوئی ایک پودا بھی اسے مرجھایا ہوا نظر آ جاتا یا کسی کیاری میں ذرا بھی کسی پودے کی کاٹ چھانٹ درست نہ ہوئی تو وہ حبیب کی ٹھیک ٹھاک خبر لے ڈالتا۔ آج صبح سے بھی کیا کچھ یہی ہو رہا تھا۔ گھر کے اندر کے گملوں کے بیچ گملے رکھے تھے انہیں دھوپ میں رکھوانے کے بعد اس نے گھر کے اندر سو وہ تمام ان ڈور پلانٹس جنہیں ہر پانچ چھ روز بعد دھوپ اور روشنی کی ضرورت ہوتی تھی باہر رکھوائے۔

دوپہر تک وہ اسی کام میں مصروف رہا پھر حبیب کو ساتھ لے کر کچھ نئے پودے خریدنے نرسری چلا گیا۔ وہاں سے ایک گھنٹے بعد واپس ہوا۔ وہ گارڈن کی طرف گیا تو دیکھتے ہی اس کا پارہ ایک دم ہائی ہو گیا۔ وہ درختوں کے نیچے اور دیوار کے ساتھ ان کے چھاؤں میں رکھے گئے گملے سامنے کے سارے کسی نے بڑی ترتیب سے یہاں اچھی طرح قطار بنا کر دھوپ میں سورج اور دھوپ کے نیچے رکھ دیے ہیں۔ غصے سے اس کا دماغ کھول گیا۔

"یہ کس نے کیا ہے؟ ان گملوں کو یہاں لا کر کس نے رکھا ہے۔ یہ بھی یہ شیڈ لونگ پلانٹس ہیں۔

بالکل کٹ سورج کی روشنی پڑ کر ان کا کیا حشر ہو گا میں کیا پاگل تھا جو انہیں چھاؤں میں رکھا ہوا تھا میں نے؟"

غصے سے کھولتے ہوئے وہ بول رہا تھا۔ سامنے گلاب کی کیاری کے پاس تھوڑے فاصلے پر ایک پھولوں والی جگہ پر تو وہ بیٹھی نظر آئی۔

"شیراز یہ گملے یہاں کس نے رکھے ہیں؟ تم نے رکھا کسی کو یہاں رکھتے؟"

اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

اس کی غصے سے بھری تیز آواز سن کر حبیب اور بھول بھی وہاں آپہنچے تھے۔ ان دونوں کے ساتھ مل کر اس نے جلدی جلدی سارے گملے واپس چھاؤں میں جہاں وہ پہلے رکھے ہوئے تھے رکھوا دیے۔

خود وہاں سے اٹھ گئی تھی۔ گملے واپس رکھ دیے گئے تب وہ دوبارہ اپنے اور حبیب تمام کاموں میں مصروف ہو گیا۔ موسم کے پھولوں کے بیج اور پنیریاں گملوں میں لگانے کے ساتھ وہ اپنے گارڈن کے لینڈ اسکیپ میں بھی کچھ نئی تبدیلیاں کر رہا تھا۔ گارڈن کے بیچوں بیچ موجود تالاب کے گرد خوشنمائی پیدا کرنے کو چھوٹے چھوٹے رنگین پتھر اور مختلف اقسام کے پودوں اور پھولوں کی بہار لانے کے گملے رکھوا رہا تھا۔

آج سے کاموں میں بری طرح مصروف رہنے نے اسے نہ بھوک کے بنے ستایا تھا اور نہ ہی لنچ ٹائم کے گزر جانے کا کوئی خیال آیا تھا۔ اب سب کاموں سے فارغ ہوا اور گارڈن کی نئی سج دھج سے جب مطمئن ہوا تب اسے لنچ کا خیال آیا۔ فری اور اصیرت حسین آج ایک دوست کے ہاں لنچ پر مدعو تھے سو پہلے چلے گئے تھے اور ابھی ان کی واپسی ہوئی تھی۔ ہاتھ منہ دھو کر لاؤنج میں آیا تو میز پر تو وہ بیٹھی نظر آئی۔

"شیرا پلیز ذرا جلدی سے کھانا لگوا دیں۔ بڑے زوروں کی بھوک لگ رہی ہے۔" اس سے کہتے ہوئے وہ اپنے ہاتھوں اور چہرے پر لگی مٹی سے نجات حاصل کرنے کے لیے اپنے کمرے میں آ گیا۔

بعد میں کچھ تیک قسم کا شاور لے کر وہ جو ہی منہ نیچے گیا تو ڈائننگ ٹیبل پر کھانا لگا کے اپنے انتظار میں بیٹھی نظر آئی۔ وہ سمجھا کہ وہ یہی اسے کمپنی دینے کے لیے اس کے ساتھ بیٹھی ہے مگر جب وہ پلیٹ میں اپنے لیے کھانا نکالنے لگی تب وہ بری طرح چونکا۔

"کیا مطلب، تم نے ابھی تک کھانا نہیں کھایا؟"

"میں آپ کا انتظار کر رہی تھی۔" اس معشوق لہجے پر اسے خوشی نہیں ہوئی تھی بلکہ بے تحاشا غصہ آیا تھا۔ اس کے انتظار میں وہ شام کے پانچ بجے تک بھوکی بیٹھی تھی۔ کوئی حد تک بھی تھی اس فضول حرکت کی۔ وہ اس کے چہرے پر پھیلے غصے اور ناگواری کو بھانپ گئی تھی اسی لیے مدافعانہ انداز میں فوراً وضاحت کرنے لگی۔

"آج لنچ میں نے بنایا ہے۔ اس لیے میں نے سوچا کہ ہم ساتھ..." وہ بولتے بولتے خود ہی جھجک کر چپ ہو گئی۔

ابھی تک اس نے میز پر سجے کھانے پر توجہ سے نظر نہیں ڈالی تھی۔ اب تفصیلی نظر ڈالی تو میز پر اپنی پسند کی کئی ڈشز رکھی نظر آئیں۔ ویجی ٹیبل رائس، آملیٹ، چکن، ڈھیر سارے سبز لوازمات والی اس کی من پسند سلاد اور میٹھے میں اسٹرابیری ٹرائفل۔ اس کی بیگم نے پہلی بار اس کے لیے کھانا بنایا تھا اور وہ بھی اس کی پسند کو مد نظر رکھ کر خوشی تو ہونی ہی تھی۔

"یہ بات تھی تو مجھے پہلے بلا لیتیں کھانے کے لیے۔"

"آپ اتنے بزی تھے اپنے کام میں۔"

"تو کیا ہوا۔ کام تھوڑی دیر کے لیے چھوڑ کر بھی آسکتا تھا۔" اپنی پلیٹ میں سلاد ڈالتے ہوئے اس نے کہا۔ خود کو اہمیت دینے اپنے لیے خاص طور پر لنچ تیار کرنا اور پھر اپنے ساتھ لنچ کرنے کی خواہش رکھنا اسے بہت اچھا لگا تھا۔

"تمہیں کوکنگ آتی ہے؟ میں تو سمجھتا تھا تمہیں صرف جلانا اور کلی بنانا آتی ہے۔"

"آتی ہے۔ لیکن یہ آملیٹ، چکن اور اسٹرابیری

ڈنر میں نے فرسٹ ٹائم بنائے ہیں۔ پہلی بار ہی فوڈ پر ریسیپی دیکھی تھی میں نے۔ آپ ٹیسٹ کر کے بتائیں دونوں چیزیں کیسی ہیں۔"

اگر کھانا خوش ذائقہ نہ بھی ہوتا تب بھی اسے خود اچھا ہی لگتا لیکن وہ واقعی بہت مزے دار تھا۔ اس نے کھانے کی دل کھول کر تعریف کرتا خوب مزے لے کر اور بہت خوشی سے کھانا کھایا تھا۔ لیکن کھانے کے دوران ہی اسے محسوس ہوا تھا کہ خرد کچھ بے چین سی ہے۔

اسے ایسا لگا جیسے وہ اس سے کچھ کہنا چاہ رہی ہے مگر کہہ نہیں پا رہی۔

"کیا بات ہے خرد! تم کچھ کہنا چاہتی ہو؟"

کھانے کے بعد بھی جب اس نے اس کا الجھا ہوا انداز دیکھا تو پوچھ بیٹھا مگر وہ نفی میں سر ہلاتی اس کے پاس سے اٹھ گئی۔

رات ہو گئی وہ دونوں سونے کے لیے لیٹ چکے تھے جب لیٹنے کے کچھ دیر بعد اس نے خرد کی آواز سنی۔

"آپ سو گئے؟" وہ کروٹ لیے لیٹا تھا۔

خرد کی آواز پر اس نے کروٹ بدل کر اسے دیکھا۔ وہ اسی کو دیکھ رہی تھی۔

"مجھے آپ سے ایک بات کہنی ہے۔" اس کی آنکھوں میں دیکھے بغیر بہت سنجیدہ آواز میں وہ بولی۔ براہ راست اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر تو وہ کبھی اسے دیکھتی ہی نہیں تھی۔ اگر وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا ہوتا تو ہمیشہ نظریں ادھر ادھر کسی دوسری چیز پر مرکوز رکھتے اس سے بات کیا کرتی تھی۔ شروع میں ان باتوں پر حیران ہونے کے بعد اب وہ اس کی ہر ادا کو اس کی مشرقیت کو انجوائے کیا کرتا تھا۔

"میں نے آج صبح آپ سے جھوٹ بولا تھا۔" وہ شرمندہ سی آواز میں نظریں جھکا کے بولی۔

"آپ نرسری گئے ہوئے تھے تب وہ سارے گملے میں نے دھوپ میں رکھے تھے۔ مجھے نہیں پتا تھا کہ وہ شیڈ میں رکھنے والے پلانٹس ہیں۔ مجھے گارڈننگ کی الف ب بھی نہیں آتی۔ پلانٹ کو کس طرح اور کس جگہ رکھا جاتا ہے مجھے بالکل نہیں پتا۔ مجھے تو بس آپ کی گارڈننگ میں اتنی زیادہ انوالومنٹ دیکھ کر شوق ہوا تھا کہ میں بھی یہ کام کروں۔ میں نے سوچا شاید آپ نے غلطی سے یا جلدی میں دور کونے کے پیچھے اور دیوار کے ساتھ لگا کر رکھ دیے ہیں۔ اتنے خوب صورت گملے تھے اور ان میں موجود پلانٹس بھی اتنے خوب صورت لگ رہے تھے میرے خیال سے انہیں اتنی دور اور اتنا الگ تھلگ تو نہیں رکھنا چاہیے تھا جہاں ان پر کسی آنے والے کی فوراً نظر بھی نہ پڑ سکے۔ میں نے سوچا کہ شاید نرسری سے واپس آ کر آپ کو بھی یہی کام کرنا ہوگا۔ انہیں سامنے ہی جگہ ہوگی اس لیے خود ہی انہیں ان کے سائز کے لحاظ سے ترتیب سے رکھ دیا۔"

وہ جس سادگی سے اپنی چوری کا اعتراف کر رہی تھی وہ اسے حیرت میں مبتلا کر رہی تھی۔ وہ اتنے گھنٹوں سے اتنی معمولی سی بات کی وجہ سے پریشان تھی اور وہ سوچ نہیں پا رہا تھا کہ کیا کہے۔ اسے خاموش پا کر خرد نے نظریں اٹھا کر ایک پل اسے دیکھا پھر دوبارہ نظریں جھکا کر بولی۔

"میں جھوٹ کبھی نہیں بولتی۔ لیکن اس وقت آپ اتنے غصے میں تھے مجھے یہ بتاتے ڈر لگا کہ وہ گملے کسی ملازم نے نہیں بلکہ میں نے یہاں لا کر رکھے ہیں۔"

"اس وقت ڈر کا احساس نہیں ہو رہا؟ غصہ تو مجھے ابھی بھی آ سکتا ہے۔" اس سادگی اور معصومیت بھرے انداز سے محظوظ ہوتے اس نے بظاہر سنجیدگی سے پوچھا گویا اسے چھیڑنے سے ارادتاً چاہا۔

"لگ رہا ہے۔ لیکن میں جھوٹ بول کر سو نہیں سکتی۔ بات معمولی ہے لیکن جھوٹ تو جھوٹ ہے چاہے بڑی بات پر بولا جائے چاہے چھوٹی اور معمولی بات پر۔"

وہ حیرت سے آنکھیں کھولے اس بہت مختلف لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔

"لوگ کہتے تھے جھوٹ بولنا صرف پہلی بار آسان لگتا

ہے اس کے بعد ہمیشہ مشکل ہوتی ہے اور یہ بوتا صرف ایک بار مشکل لگتا ہے اس کے بعد آسان ہی آسان ہوتا ہے۔"

وہ حیرت میں گھرا ایک ٹک دور سے تھوڑے سے فاصلے پر کھڑی اس لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے رشتے داروں میں جس کے جاننے والوں، ملنے والوں میں اس کے دوستوں میں ایسی کوئی ایک بھی تو لڑکی نہیں تھی۔ جہاں ایسی معمولی معمولی بے تحریر باتیں کیا لوگوں کی پوری پوری زندگیاں جھوٹ کے اوپر کھڑی تھیں۔ ایسی صاف اتنی معصومیت اور ایسی سچائی اس نے زندگی میں کبھی کہیں نہیں دیکھی تھی۔ وہ لڑکی اسے اتنی خاص، اتنی عجیب اور اتنی انمول سی لگی کہ بے اختیار اسے اپنے آپ پر رشک سا آیا۔ یہ اتنی منفرد اور اتنی خاص لڑکی بن مانگے اسے مل گئی ہے۔ اسے تو اپنی شریک حیات میں صرف اتنی سچائی، ایمانداری اور مزاج کی ہم آہنگی جیسی باتیں چاہتا تھا اور قسمت نے بن مانگے اسے وہ کچھ دے دیا تھا جو اسے طلب کرتا شاید اب بھی نہیں تھا۔ اس نے بے ساختہ اسے اپنے قریب کیا۔ اسے اپنی باہوں کے حصار میں لے کر ایک پیار بھری سرگوشی اس کے کانوں میں کی۔

"تمہیں پتا ہے حرا! تم بہت اچھی ہو۔ تم سے اچھی لڑکی میں نے اپنی پوری زندگی میں نہیں دیکھی۔ ہمیشہ ایسی ہی رہنا حرا! تمہاری یہ صاف گوئی، تمہاری یہ سچائی انمول ہے۔"

پہلے اگر اسے لگتا تھا کہ وہ فرض کے ساتھ اس رشتے کو قبول کرنے لگا ہے، وہ اس سے مانوس ہونے لگا ہے، اسے پسند کرنے لگا ہے تو اب جا کر پتا چلا تھا کہ اسے اس سے صرف انسیت نہیں ہوئی ہے، وہ اسے پسند بھی نہیں کرنے لگا بلکہ وہ اس سے محبت کرنے لگا ہے۔ اب سے نہیں بلکہ کافی دن پہلے سے اور اس محبت کی وجہ اس کی خوبصورتی ہرگز نہیں تھی۔

وہ جیسے خاص اس کے لیے تخلیق کی گئی تھی۔ اس کی کسی بھی کام کا انداز 'مسی' کی بے چینی سے وہی سلامت، اس پر لطف وکرم اتنی مختلف اتنی منفرد سب سے الگ کہ اسے یہ سوچ کر خود پر فخر محسوس ہوا کہ وہ اس کی ہے۔ صرف اور صرف اس کی۔ کوئی بھی مرد خواہ کتنا ہی بااصول اور کتنا ہی لبرل کیوں نہ ہو، عورت کی حیا اسے ہمیشہ اپیل کرتی ہے۔ اپنی طرف کھینچتی ہے اور جو لڑکی اسے ملی وہ تو اس سے اپنے شوہر تک سے آنکھوں میں حیا لیے اس طرح پلکیں گرا کر بات کرتی کہ وہ مبہوت سا ہو جاتا۔

وہ بھی اس سے محبت کرنے لگی تھی۔ گو لفظوں میں بھی اس نے کہا نہیں تھا پر اس کی محبت کو وہ اس کے رویوں سے پہچان سکتا تھا۔

وہ خود کو اس کی پسند کے سانچے میں ڈھال رہی تھی۔ وہ چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی اس کی پسند ناپسند کا بہت خیال رکھا کرتی تھی۔ بارہا اس نے یہ بھی نوٹ کیا تھا کہ جب وہ ——— کسی اور سرے کام میں مصروف ہو، آتے تب وہ چپکے چپکے اسے دیکھتی رہتی ہے۔ جس رشتے کے لیے اسے لگتا تھا کہ وہ اسے کس طرح نبھا پائے گا، صرف بوجھ کیا؟ وہ تو اس رشتے کو اپنے دل کی بھرپور آمادگی اور بڑی خوشی کے ساتھ قبول کر چکا تھا۔

ہاں یہ سچ تھا کہ اشعر حسین نے حرا احسان کو محض اپنے باپ کے کہنے پر اپنایا تھا۔ لیکن اس سے بھی بڑا سچ یہ تھا کہ وہ اپنی بیوی حرا احسان سے محبت کرتا تھا۔ شدید محبت، والہانہ محبت اور اپنی محبت کے اظہار میں وہ کبھی بخل سے کام نہیں لیتا تھا۔ اس کی زندگی کی ترتیب ہی دوسرے لوگوں سے تھوڑی مختلف تھی۔ پہلے شادی پھر محبت اور اس کے بعد اظہار محبت۔

☆ ☆ ☆

آج میٹنگ میں جو ہوا اس کا رشتہ اور پھر بعد میں رضا نے اسے اس کی جو حاضر دماغی کا احساس دلایا اس کے بعد سے وہ اتنا زیادہ ہائپر ہو گیا تھا۔

اسی لیے وہ شام میں آفس سے جلدی اٹھ گیا تھا۔ اس کے ایک کاروباری دوست اسد اکبر کے ساتھ کی وجہ سے ہاسپٹلائز تھے۔ ایک ہفتے سے اسے یہ بات پتا تھی، پر نہ تو وہ ان کی عیادت کے لیے ہاسپٹل گیا نہ ہی

اپنی کلاس کی کلاس دکھتے پھولوں کا ایک گلدستہ ایک کتنا اس اور جلد صحت یابی کی دعاؤں سے مزین کوئی کارڈ بھی انہیں بھجوایا۔

سو آج وہ آفس سے سیدھا ان کی عیادت کے لیے ہاسپٹل آیا تھا۔

گاڑی پارکنگ میں کھڑی کر کے وہ عمارت کے قریب سے چلتا ہوا جا رہا تھا۔ کوریڈور میں وہیل چیئر پر کچھ مریض بھی نظر آ رہے تھے اور ان کے عزیز و اقارب بھی۔ وہ ایک سرسری نگاہ سے کاریڈور کو دیکھتا تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا جب اچانک ہی سرخ، سبز، نیلی اور پیلے گہرے رنگوں اور بیچ میں مشہور کارٹون کیریکٹرز کی تصاویر سے بنی ایک گول سی ہوا میں اچھلنے والی بڑی سی بال آ کر اس کے پیروں سے ٹکرائی۔ سامنے سے سرخ فراک میں ملبوس ایک چھوٹی سی بچی تیز قدموں سے اس طرف آ رہی تھی۔ یہ گیند یقینا اسی کی تھی۔ بیچ کی مانگ نکال کر بالوں کی دو چوٹیاں بنا کر ان میں سرخ ہی رنگ کے پھولوں والے خوبصورت ہیئر بینڈز لگائے وہ بچی بہت خوب صورت تھی۔ اپنے قدموں میں پڑی بال اس نے جھک کر اٹھائی اور پھر اسی طرف تیزی سے آتی اس بچی کو مسکرا کر دیکھا۔ وہ بچی اب اس کے قریب آ چکی تھی۔

"انکل! میری بال۔" وہ اس کے پاس بھاگتی ہوئی نہیں بلکہ چلتی ہوئی آئی تھی۔ پھر بھی اس کی سانس بہت زیادہ پھولی ہوئی تھی۔ وہ بہت پیاری اور خوبصورت بچی تھی مگر بہت ہی کمزور اور بیمار سی بھی تھی۔ شاید وہ کچھ بیمار تھی۔ اس کی آنکھوں کے نیچے کالے حلقے پڑے ہوئے تھے اور چہرے کی رنگت اور خاص طور پر ہونٹ نجانے کیوں ہونے کے ہلکے نیلے سے نظر آ رہے تھے۔ وہ گھٹنوں کے بل جھک کر اس کے بالکل سامنے بیٹھا۔ اس طرح کہ اس کے قد کے برابر آ سکے۔ اور پھر مسکراتے ہوئے بال اس کی طرف بڑھائی۔

"تھینک یو انکل۔" بال اس کے ہاتھ سے لینے کے لیے بچی نے ہاتھ آگے بڑھایا پھر کچھ ٹھٹک کر وہ بغور اسے دیکھنے لگی۔

"آپ پاپا ہیں؟" بولتے ہوئے اس بچی نے اس کے چہرے پر آہستہ سے یوں ہاتھ پھیرا جیسے کسی جانے پہچانے نقش کو پہچاننے کی کوشش کر رہی ہو۔ وہ حق دق سا اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ اس کی بات بالکل بھی سمجھ نہیں پایا تھا۔

"آپ پاپا ہیں۔ آپ فوٹو والے پاپا ہیں۔" جس بارہ سالہ انداز میں نہیں بلکہ بہت یقین سے بولی۔

"ماما دیکھیں پاپا۔ فوٹو والے پاپا۔" بچی کی خوشی میں گھری اس پکار پر وہ بے اختیار گردن گھمانے پر مجبور ہوا۔ سامنے سے چل کر اسی طرف آتی حرا احسان کو اس نے بے یقینی سے دیکھا۔ وہ بچی کی طرف دیکھ رہی تھی وہ اسی طرف آ رہی تھی۔ وہ سیدھا کھڑا نہ ہو سکا۔ وہ وہاں سے ہل تک نہ سکا۔ اس نے گردن موڑ کر پھر اس بچی کو دیکھا۔ جس کے ننھے ننھے ہاتھ ابھی بھی اس کے رخساروں پر ٹکے ہوئے تھے۔ وہ بالکل ساکت سا بنا اس بچی کو دیکھ رہا تھا۔

"چلو، مرحا! ادا ٹیسٹ کرنے والا ہے۔" قریب آکر حرا نے تشکر سے بچی کو مخاطب کیا۔ اس کا ہاتھ پکڑ کر اشعر کے پاس سے ہٹایا، پھر اسے مکمل نظر انداز کرتی ہوئی بچی کو ——— ساتھ لیے ہاسپٹل کے اندرونی حصے کی طرف بڑھ گئی۔

وہ گم صُم، بالکل منجمد سا جہاں تھا وہیں، گھٹنوں کے بل بیٹھا رہ گیا۔

"آپ پاپا ہیں؟" اس نے بے اختیار اپنے گالوں، پیشانی اور ناک پر ویسے ہی ہاتھ پھیرا جیسے وہ پھیر رہی تھی۔

"آپ پاپا ہیں۔" اب لہجے میں سوال نہیں بلکہ یقین تھا۔ لہجے میں 'آتی surety' آتی خوشی اتنی معصومیت، اتنی سچائی۔ اسے لگا جیسے اس کے گرد کائنات کے ہر گوشے سے صرف ایک ہی پکار سنائی دے رہی ہے۔

"آپ پاپا ہیں؟"

باقی آئندہ شمارے میں

پیسٹ [illegible] روڈ صادق آباد

فرحت اشتیاق

68-5704367

بصیرت حسین کو کاروباری دنیا میں اہم حیثیت حاصل ہے۔ ساری زندگی سخت محنت کے بعد انہوں نے یہ مقام حاصل کیا ہے۔ بیوی فریدہ اور بیٹیوں سعد اور کنزیٰ اور بیٹے اشعر سے ان کا خاندان مکمل ہے۔ جب زمانے کی دھن میں انہیں یہ بھی یاد نہ رہا کہ ان کی اکلوتی بہن میمونہ احسان اور عاطف [illegible] تنگی کی زندگی گزار رہی ہیں۔ ہوسپٹل کے آخری اسٹیج میں احسان بے بس ہو کر میمونہ اپنی اکلوتی بیٹی کی ذمہ داری بصیرت حسین پر ڈالتی ہیں تو انہیں شدت سے اپنی کوتاہی کا احساس ہوتا ہے۔ وہ بہن کے علاج کے لیے ہر ممکن کوشش کرتے ہیں لیکن وہ جانبر نہیں ہو پاتیں۔ مرنے سے پہلے بہن کی آخری خواہش پوری کرنے کے لیے وہ اپنے اکلوتے بیٹے اشعر کی شادی حرا احسان سے کر دیتے ہیں۔

اشعر اعلیٰ سوسائٹی کا پروردہ ایک تعلیم یافتہ نوجوان ہے جسے والدین خصوصاً والدہ کی اندھی محبت نے بگڑنے نہیں دیا۔ ماں (فریدہ) کی اپنی دنیا ہے۔ وہ اپنی ایک اپنی ہی اونچائی ہیں۔ بیٹیاں اور دوستوں کے انتخاب میں بھی اشعر معیار کو ترجیح دیتا ہے۔ اس کی دوست [illegible] شادی کے بعد اپنی دنیا میں مگن ہیں۔ اشعر امریکا سے بزنس کی ڈگری حاصل کر کے بصیرت حسین کے کاروبار میں ہاتھ بٹا رہا ہے۔ اس کی ہمیشہ سے خواہش رہی ہے کہ وہ ایک اچھا جیون ساتھی [illegible] حرا سے شادی کر کے ہوئے بھی [illegible] کر رہا ہے۔

مکمل ناول



خرد احسان بچپن سے ہی ناسازگار حالات کے زیر اثر رہی ہے۔ والد کے انتقال کے بعد میمونہ احسان نوکری کر کے اس کی پرورش کرتی ہیں۔ اس کے گریجویشن کے دوران ہی میمونہ کی طبیعت خراب رہنے لگی ہے۔ اس کی باعث خرد کو محض گریجویشن کرتے ہی جاب کرنا پڑتا ہے۔ کٹھن حالات اور ماں کی بیماری نے خرد کو حساس اور خود دار بنا دیا ہے۔ ایسے میں ماموں اور ان کے بیٹے کی آمد اسے اور بھی کٹھن کا سامنا کرنے کے مترادف لگتی ہے۔ وہ پوری جان سے جمال کی تیمارداری کرتی ہے۔ محض مالی تعاون اور ان کی تسلی کے لیے وہ ماموں زاد اشعر سے شادی کر لیتی ہے۔ اسے ہر وقت یہ احساس بے کل رکھتا ہے کہ اسے اشعر پر مسلط کیا گیا ہے۔

ابھی بھی اشعر اور خرد کے مابین اجنبیت حائل رہتی ہے لیکن خرد کی معصومیت، سادگی اور خوبصورتی اشعر کو اپنی جانب کھینچتی ہے۔ اس کی تیکھی اور بے باک باتیں اشعر کو دیوانہ بنا رہی ہیں۔ اور خرد بھی رفتہ رفتہ اس کی محبت میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ اشعر حسین اپنے آپ کو دنیا کا خوش نصیب ترین انسان سمجھتا ہے مگر اچانک اس کی خوشگوار زندگی ماضی کی دھند میں آ جاتی ہے۔ خرد بیچ منجدھار میں کچھ ادھوری رہ جاتی ہے۔

کئی سال گزرنے کے بعد خرد کی بے اعتنائی اشعر کو جھلسائے نہیں رکھتی۔ محض ماں کی خاطر وہ اپنے آپ کو سمیٹ لیتا ہے اور خود کو کاروباری مصروفیات میں غرق کرتا ہے۔ ایک دن خرد احسان آفس میں اس سے ملنے چلی آتی ہے۔ خرد کی طلاق اس کا لون کھا رہی ہے۔ خرد بتاتی ہے کہ ان دونوں کی ایک بیٹی حریم ہے جو دل کی مریضہ ہے اور اس کے علاج کے لیے رقم درکار ہے۔ وہ اپنی بات کی صداقت کے لیے تمام ثبوت اور میڈیکل رپورٹس اس کے پاس چھوڑ جاتی ہے۔ اشعر کو خرد کی کسی بات کا یقین نہیں ہے مگر [illegible] ایک دوست کی عیادت کرنے آتا ہے کہ اچانک حریم سے اس کا سامنا ہو جاتا ہے۔ وہ اسے پاپا کہہ کر مخاطب کرتی ہے۔ اس صورت حال پر وہ ہکا بکا رہ جاتا ہے۔

دوسری قسط

یک لخت ہی اس کے اندر بہت عجیب بہت انوکھی قسم کے جذبات کا ایک تلاطم برپا ہوا۔ سمندر اُبل پڑا۔ ایک ان جانی سی کشش تھی جو اسے اپنی طرف کھینچ رہی تھی۔ اسے پکار پکار کر اپنی سمت بلا رہی تھی۔

اس کے جسم میں دوڑتا تمام خون سمٹ کر اس کے چہرے پر آگیا تھا۔ بے خودی کی کیفیت میں وہ کسی سمت اور [illegible] کے زیر اثر کھنچا ہسپتال کے اندرونی حصے کی طرف جا رہا تھا۔ چند منٹوں کے اندر اس نے خود کو ہسپتال کے اندر اس جگہ کھڑا پایا جہاں ابھی ابھی وہ گئی تھی۔ وہ کسی پری [illegible] وہاں کرسیوں اور بینچوں پر اپنے والدین کے ساتھ بیٹھے بہت سے بچے نظر آرہے تھے۔ مگر وہ نظر نہیں آرہی تھی۔ وہ کہیں نہیں تھی۔ پھر کہاں چلی گئی؟ اس نے دیوانوں کی طرح چاروں طرف نظریں گھمائیں۔ اس کے دل کی دنیا ایک پل میں ایسی ہلچل تھی کہ اسے [illegible] کی تلاش کے سوا دنیا کے کسی منظر اور کسی شخص سے کوئی سروکار نہیں رہا تھا۔ اس کی بے قرار نگاہوں کو یک لخت ہی قرار ملا تھا۔ وہ اسے نظر آگئی تھی۔ کوریڈور کے آخری سرے پر جو ایک کمرا نظر آرہا تھا، وہ اپنی ماں کا ہاتھ پکڑے اس کمرے میں داخل ہو رہی تھی۔

اس نے کمرے کے باہر لگی نیم پلیٹ پڑھی۔

"ڈاکٹر انیس رضوی۔" اس نے بے اختیار اپنے دل پر ہاتھ رکھا۔ اس کی نگاہوں کے سامنے اس کی پری کا کمزور لاغر چہرہ تھا، اس کی آنکھوں کے نیچے پڑے گہرے حلقے، اس کا [illegible] کمزور جسم اور بری طرح پھولی ہوئی سانسوں کو قابو کرتی ہوئی۔ سانسیں [illegible] لگیں۔

اس کے دل کو جیسے کسی نے مٹھی میں لے کر مسل ڈالا۔ اس کے دل کی دھڑکنیں جیسے تھمنے سی لگیں۔ وہ یہاں کس کام کے لیے آیا تھا۔ دوست کی عیادت کے لیے آیا تھا۔ وہ بھول گیا۔ اسے یہاں سے ایک میٹنگ میں جانا ہے۔ وہ بھول گیا۔ اشعر حسین اب زندگی میں دوبارہ بھی کسی سے کوئی رشتہ جوڑنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ یہ بھی بھول گیا۔ وہ تو اب تمام عمر تک بھی کسی سے محبت نہیں کر سکتا تھا۔ وہ یہ بات بھی بھول گیا۔ اسے یاد تھی تو صرف ایک بات۔ ایک آواز۔ ایک [illegible]

"آپ پاپا ہیں؟" بے خودی کی سی حالت میں اس نے اپنے چہرے کے نقوش پر ہاتھ پھیرا۔

وہ مڑا اور تھکے تھکے قدموں سے چلتا واپس ہسپتال کے کوریڈور میں آگیا۔ وہاں ایک بینچ پر بیٹھ گیا تھا۔

"یہ سچ ہے چار سال کی بچی حریم حسین کی تصویر ہے۔

بدقسمتی سے میری اس بچی کے بائیولوجیکل فادر آپ ہیں۔"

چھ روز قبل خرد احسان اس کے آفس میں آکر کیا کہہ گئی تھی اس پر کون سی بجلی گرا کر گئی تھی وہ اسے اب سمجھ رہا تھا۔ خرد احسان کو اپنے سامنے [illegible] احساسات میں وہ گھرا تھا [illegible] کہ وہ اس کی اولاد [illegible] قیامت کو [illegible] سمجھ پاتا۔

اس عورت کے گناہوں کی کوئی حد بھی تھی۔ اس کی پستیوں اور اس کے کچ پن کی کوئی انتہا بھی تھی۔ چار سالوں تک ہاں پورے چار سالوں تک وہ اس سے اس کی اولاد کو چھپائے کیسے روپوش رہی تھی۔

اپنے ہونٹ بھینچتے ہوئے [illegible] اتنی بڑی بات اس سے چھپائی اور صرف اتنا ہی نہیں اسے اس کی اولاد کی ولادت سے، اس کی پیدائش سے بھی آگاہ کرنا تک ضروری نہ سمجھا۔ وہ ایک بیٹی کا باپ بن چکا ہے۔ انفارم تک کرنا بھی اسے ضروری نہ لگا۔

وہ اس عورت کو یہاں ہر بات کے لیے اگر کبھی معاف کرنے کا ظرف اپنے اندر پیدا کر بھی سکتا تب بھی اس بات کے لیے کبھی معاف نہ کر سکے گا۔ [illegible] اس کی بیٹی کی مجرم تھی۔

وہ ظالم عورت اس سے بیٹی کے علاج کے لیے پیسے ہی مانگنے آئی تھی۔ اگر پیسے درکار نہ ہوتے تو اب بھی اسے اس کی بیٹی کے وجود سے لاعلم ہی رکھتی۔ اگر اب کوئی رشتہ اس کا اس عورت سے ختم ہو گیا تھا [illegible] ایک بار اسے جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر یہ ضرور پوچھنا چاہتا تھا کہ اس کے کس گناہ کی سزا کے طور پر اس نے اس کی بیٹی کو اس سے چار سالوں تک چھپائے رکھا تھا؟

اس کی بیٹی اس کا خون اس کی اولاد [illegible] تھی۔ وہ ایک پل میں اس کے دل کا مکین [illegible] بڑی آسانی سے [illegible] اس میں داخل ہو گئی تھی۔ وہ اس کا باپ ہے، [illegible] پری [illegible] یقین تھی کہ اس کے اس یقین کے [illegible] اپنی پوری حیات ہارنے کو تیار تھا۔

اس نے وہاں بیٹھ کر ان دونوں کے باہر آنے کا انتظار نہیں کیا تھا۔ وہاں سے اٹھ کر بہت تیزی سے فوراً اپنے آفس آگیا تھا۔ [illegible] پہلی بار اس نے ان چیزوں کو ہاتھ لگایا۔ جو اس کی میز پر اسی حالت میں جوں کی توں اور ان چھوئی پڑی تھیں۔ اس نے [illegible] تمام میڈیکل رپورٹس کی وہ فائل اور وہ تصویر اٹھائی [illegible] جو تمام کاغذات [illegible] خرد احسان اس کے پاس چھوڑ گئی تھی۔ اس نے ان سب پر ایک نظر بھی ڈالے بغیر انہیں [illegible] دیا۔ وہ اس تصویر کو دیکھ رہا تھا۔

بہت طویل عرصے بعد کسی کو دیکھ کر اس کے دل میں خوشی کا بہت سچا احساس جاگ رہا تھا۔ اس کے لبوں پر خوشی سے بھری ایک بھرپور مسکان ابھری تھی۔

"اب تک کہاں تھیں ننھی پری؟" اس نے اس
تصویر کو پیار کیا۔ اس کی شکل اس سے نہیں ملتی تھی
پھر بھی اسے اس کے چہرے کے ایک ایک نقش میں
اپنی جھلک دکھائی دے رہی تھی۔ وہ تصویر میں
کھلکھلا کر ہنس رہی تھی۔ اسے اس کی ہنسی بالکل
اپنے جیسی لگ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں کا رنگ،
بالکل اس جیسا تھا گہرا سیاہ۔ اس کے ہونٹوں کی
بناوٹ بالکل اس کے جیسی تھی۔ وہ اس تصویر کے
ایک ایک نقش کو پیار کر رہا تھا۔ خوشی کے ساتھ دل درد
اور کرب سے بھی بھرا ہوا تھا۔ ایک وہ اس بات کا کہ
وہ اپنی بیٹی کے وجود سے اتنی دیر بعد آگاہ ہوا ہے اور
دوسرا درد یہ کہ بہت دیر سے ملنے والی اس کی بیٹی بیمار
ہے۔ اس کی تصویر کو اس نے بڑی احتیاط اور محبت
سے اپنے والٹ میں رکھ لیا۔

وہ اب اس کی میڈیکل رپورٹس دیکھ رہا تھا۔

"میرے خدا۔" بہت بری طرح پریشانی میں مبتلا ہو کے
اس نے فائل بند کی۔ وہ اس کی بیٹی جس سے وہ ابھی
تھوڑی دیر پہلے ہی متعارف ہوا ہے۔ وہ... اتنی زیادہ
بیمار ہے۔ ایک شاک کی سی کیفیت میں کافی دیر تک سر
کو دونوں ہاتھوں میں تھامے بیٹھا رہا۔

اسے جلد فرصت میں شہر کے سب سے اچھے
کارڈیالوجسٹ سے اپائنٹمنٹ لینا تھا۔ اسے اپنی بیٹی کا
بہترین علاج کروانا تھا۔ اس کی زندگی ہر قیمت پر بچانی
تھی۔ اس نے فائل اور تصویر کے ساتھ رکھی ہوئی چٹ
اٹھائی جس پر اس جگہ کا پتا درج تھا جہاں اس کی بیٹی
رہتی تھی۔ اس چٹ کو لے کر وہ فوراً کرسی پر سے اٹھا۔
وہ تیز رفتاری سے چلتا اپنے آفس سے باہر نکل گیا تھا۔
پارکنگ میں آکر اس نے اپنی گاڑی اسٹارٹ کی اور
اسے بہت تیز رفتاری سے دوڑاتا گیا۔

ایک گھنٹہ تلاش کر کے [illegible] میں وہ بہت تنگ اور
گھٹے ہوئے [illegible] تھے بلکہ جگہ جگہ پانی کی [illegible] تھیں۔
[illegible] کا [illegible] تھا ایسی جگہ [illegible] کی توقع ہی
[illegible] تھی۔ سیڑھیاں چڑھ کر [illegible]
[illegible] تنگ و تاریک [illegible] کو دیکھ کر اس کا دل دکھ

اور کرب سے کٹنے لگا۔ اس کی بیٹی یہاں رہتی [illegible]
اس گھٹن کے [illegible] اپنے جذبات پر قابو [illegible]
ہوئے اس نے [illegible] پر انگلی رکھی [illegible] ایک ادھیڑ
عمر عورت نے کھولا تھا۔

"میں اشعر حسین ہوں۔ مجھے..." اس کی [illegible]
نگاہوں کے جواب میں ابھی اس نے کہنا چاہا تھا
انہوں نے اس کی بات کاٹ دی۔

"آئیے۔ آئیے پلیز اندر آجائیے۔"

"امی! اشعر صاحب آگئے ہیں۔" [illegible] اور
کی پُرجوش سی دعوت دینے کے ساتھ ہی انہوں
[illegible] کھڑے ہی آواز لگائی۔

اس [illegible] کی وہ چھوٹی سی [illegible] تھا [illegible]
سے داخل ہوتے ہی پورے کا پورا نظر آ گیا
تھا۔ سامنے ہی ایک کرسی پر بیٹھی خوبرو اور [illegible]
بچی [illegible] حرم بھی اسے وہیں سے نظر آ گئی
ابھی [illegible] وہ اس سے ملا تھا۔ وہ [illegible]
اچھی طرح جانتا تھا۔ اسے پہچان [illegible] کو دے
[illegible] اس کے پاس آ گئی۔

"حرم! یہ [illegible] ہیں۔" [illegible] نے اسے [illegible]
کی بات [illegible] کر کے اس طرح [illegible] اس نے
بھی [illegible]۔ اس نے بے اختیار اسے گود میں اٹھا لیا
اس کے گال پر پیار کیا۔

"آپ پاپا ہیں ناں؟ حرم نے آپ کی فوٹو
دیکھی ہے۔" اس کی [illegible] صاف اور واضح تھی۔ [illegible]
کر [illegible] کچھ بھی [illegible] لیے کہ [illegible] اس کا ایسا محسوس
ہوا [illegible] کسی [illegible] انجان شخص [illegible]
اس پر بے ساختہ پیار آ جائے اس نے سر [illegible]
[illegible] سے بھی [illegible] اور [illegible]
دونوں گالوں پر پیار کیا۔

[illegible] کرسی پر سے اٹھ کر ان دونوں کے پاس آ
گئی جب کہ اس کے لیے [illegible] کو لے کر [illegible]
[illegible] کو پرائیویسی فراہم کرنے کو منظر سے ہٹ
گئی۔ وہ دروازے سے پاس ہی کھڑا تھا۔ اس [illegible]
کے اور بیٹھنے [illegible] کرسی [illegible] نہیں تھا سب [illegible]

بیٹی کے لائق نہیں تھی۔ اس گھٹے ہوئے تنگ و
تاریک فلیٹ کو دیکھ کر اس نے ایک پل میں فیصلہ کر لیا
[illegible]

"بیٹا! آپ اپنا سارا سامان پیک کر لیں۔ آپ کو کل
یہاں سے لے جائیں گے۔" حرم کو مکمل طور پر نظر
انداز کر کے اس نے بیٹی کو مخاطب کیا۔

"کہاں؟"

"ایک دوسرے گھر میں۔ ٹھیک ہے؟ پاپا کے ساتھ
رہو گی؟" اس کے استفسار پر حرم نے بہت جوش و
خوشی سے گردن اقرار میں ہلائی۔

"آپ حرم کو وہاں لائیں گے اور بڑی [illegible]
[illegible] ہے۔" اس کا بے ساختہ سا اپنائیت بھرا انداز
اس کے دل کو ایک بڑی انوکھی خوشی سے ہمکنار کر رہا
[illegible]

"سب کچھ ملا دوں گا بیٹا! جو جو کچھ کہو گی وہ سب
[illegible]۔" اس نے اسے پھر پیار کیا اور بولا۔

"ابھی میں جا رہا ہوں۔ کل تمہیں لینے آؤں گا۔
ٹھیک ہے؟" اس نے حرم کو گود سے اتارا تو حرم فوراً
[illegible]

[illegible] تحفہ [illegible] کو دکھا کیا کر رہی ہیں۔" اس
[illegible] حرم کو وہاں سے ہٹایا۔ جیسے ہی وہ وہاں سے گئی۔
[illegible] جھنجھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"میں نے آپ سے صرف اپنی بیٹی کے علاج کے
[illegible] کہے تھے۔ اسے کہیں لے جانے کو نہیں کہا
[illegible]"

اس عورت کی جرأت اور ہمت پر اس کا دل چاہا وہ
[illegible] کر اس کے منہ پر ایک تھپڑ رسید کر دے۔ اپنے
[illegible] جرم پر اسے کوئی احساس ندامت نہیں۔ وہ ایک
[illegible] بیٹی کا باپ اب سے کچھ گھنٹے قبل زندگی میں
[illegible] اس بات سے آگاہ ہوا تھا کہ اس کی کوئی اولاد بھی
[illegible] کی کا باپ بھی ہے۔ اس سے اس کی اتنی بڑی
[illegible] کر چھپائے رکھنے والی یہ عورت کس ڈھٹائی اور
[illegible] سے اس کے سامنے تن کر کھڑی تھی۔
[illegible] "آگے [illegible] بولنے سے قبل اس نے

اپنے شدید ترین غصے کو کنٹرول کیا۔ نفرت اور غیظ و
غضب سے بھرپور انداز کو سرد اور سپاٹ انداز میں
تبدیل کیا۔

"میری بیٹی کہاں رہے گی اور اس کا کیسا علاج
ہوگا اب سے یہ فیصلہ صرف میں کروں گا۔ تم سے نہ
میں نے تمہاری رائے مانگی ہے نہ مرضی پوچھی ہے
اپنی چھوٹی بچی کو میں اس کی ماں سے جدا نہیں کر سکتا
اس لیے اگر تم آنا چاہو تو شوق سے ساتھ آجانا۔ ورنہ
کل اپنی بیٹی کو تو میں یہاں سے ہر حال میں لے ہی
جاؤں گا۔"

اپنی بات ختم کر کے وہ اس کے تاثرات دیکھے بغیر
ایک جھٹکے کے ساتھ دروازے کا لاک کھول کر اس تنگ
اور بدبودار جگہ سے باہر نکل گیا تھا۔

اب اس کے سامنے دو اہم ترین کام تھے۔ پہلا یہ
کہ شہر کے سب سے بہترین کارڈیالوجسٹ سے
نزدیک ترین اپائنٹمنٹ لے لے اور دوسرا اپنی بیٹی کے
لیے اس کے شایان شان رہائش کا انتظام۔ وہ اس کا گھر
کا تھا تو اس کی بیٹی ہی کا تھا۔ اس کا حق تھا کہ وہ اپنے
باپ کے گھر جا کر رہے۔ مگر وہ اسے اس طرح
بالکل اچانک اپنے گھر نہیں لے جا سکتا تھا۔ وہاں [illegible]

نہیں رہتا تھا۔ وہاں اس کی ایک ماں بھی رہتی تھیں۔
ساری دنیا میں واحد شخصیت جو نوید احسن کے ہر
کرتوت سے واقف تھیں۔ وہ ایک دم سے حریم کو ان
کے پاس لے جا کر ان کے اعصاب اور ان کے جذبات
کی کڑی آزمائش اور توڑ پھوڑ سے نہیں گزارنا
چاہتا تھا کیونکہ وہ اس کی ماں ہیں۔
"میں گھر سے بھاگی ہوئی ساڑھے چار سال بعد
گوشہ گمنامی سے نکل کر اچانک ہی واپس آگئی ہے۔
میری ایک صحت چار سال کی بچی بھی اس کے ساتھ
ہے؟"
وہ جو تھا آگے یہ بات تسلی سے ہضم کیا مگر اس
کی ماں ایک کمزور سی عورت ہیں۔ وہ اپنی چار
سالہ پوتی کے ہونے کی خبر کو سہہ بھی اس اطلاع کے
ساتھ کہ وہ شدید بیمار ہے جانے کس حالت میں دکھ
اور کس اضطراب سے گزریں۔
وہ راستے بڑے بڑے صدمے دیکھ چکی تھیں کہ اب
انہیں ایسی کوئی بھی بات ایک دم سے بتا کر وہ انہیں
آزمائش میں مبتلا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے سوچا تھا
کہ وہ انہیں حریم کے وجود سے آگاہی کچھ وقت ٹھہر کر
اور حریم کے صحت یاب ہو جانے کے بعد دے گا۔
اس نے چند فون گاڑی میں بیٹھے بیٹھے ہی کیے۔
رات ہو گئی تھی۔ شہر کے تمام اچھے کارڈیالوجسٹ
کے متعلق معلومات حاصل کر لینے کے باوجود ابھی
کسی سے بھی اپائنٹمنٹ نہیں لے سکتا تھا۔ اپائنٹمنٹ
لینے کے لیے اسے صبح کا انتظار کرنا تھا مگر اتنا سر کام وہ
ابھی کر سکتا تھا۔ وہ اسی وقت وہ تین اسٹیٹ ایجنٹس
سے ملا۔ جیسا ہاتھ میں ہو تو کوئی کام ناممکن نہیں رہتا۔
رات ساڑھے بجے تک ایک پوش علاقے کی شاندار رہائشی
عمارت سے باہر نکل کر اپنی گاڑی میں بیٹھ رہا تھا تب
اس بلڈنگ کے فرسٹ فلور پر چار کمروں کا ایک فرنشڈ
لگژری اپارٹمنٹ وہ کرائے پر حاصل کر چکا تھا۔ کل
صبح ڈاکٹر سے اپائنٹمنٹ لینے کے بعد اسے یہاں آکر
ضرورت کا کچھ دوسرا سامان رکھنا تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ
وہ کل شام یا رات تک ان سارے کاموں سے فارغ ہو کر
اپنی بیٹی اور ماں کو لے آئے گا۔
"یعنی کیا ہو گیا ہے نوید! شعر نے حریم کو اپنی
بیٹی تسلیم کر لیا ہے۔ نجانے اس بات پر خوش ہونے کے
بجائے تم نجانے کہاں کا قصہ لے بیٹھی ہو۔" ام کلثوم کے
چلے جانے کے چند گھنٹوں بعد رات میں اس کی افشاں
سے فون پر بات ہوئی تھی۔
"صرف تسلیم نہیں کیا وہ اس پر حق جتا رہا ہے۔
میں نے اس سے صرف حریم کے علاج کے لیے پیسے
مانگے تھے اور وہ۔" افشاں نے اس کی بات کاٹ
دی۔
"اس میں برائی کیا ہے نوید! صرف اپنی انا کا مت
سوچو، حریم کا سوچو۔ اگر اس سنگ دل انسان کے دل
میں اللہ نے رحم ڈال ہی دیا ہے کہ وہ حریم کو اپنی اولاد
مان رہا ہے تو تم بیکار میں ضد کا ثبوت مت دو۔ اس وقت
تمہارے سامنے صرف حریم کا علاج ہونا چاہیے۔
اولین اہمیت اس کی صحت اور اس کی زندگی کی ہے۔"
افشاں اسے نرمی سے سمجھا رہی تھی۔
حریم کو اس شخص نے "میری بیٹی" کہا تھا تو اسے
خوشی نہیں ہوئی تھی۔ اپنے دامن پر بدنامی کے چھینٹے ...
یہ کوئی مسرت نہیں ہوئی تھی بلکہ اسے غصہ آیا تھا۔ ...
کوئی دعوے کرنے والا باپ جو بیٹی کی زندگی کے ...
مرحلے پر کبھی اس کے ساتھ نہ تھا۔ تقدیر نے اسے
اس موڑ پر لا کر کھڑا کیا ہوا تھا جو اتنی بے بس ...
ہو گئی تو اس شخص کے سامنے سے بھی اپنی بیٹی کو ...
وہ دور نہیں کر پا رہی تھی۔
افشاں سے بات ختم کر کے وہ موبائل میز پر رکھ کر
حریم کے پاس آئی تو دوا دے کر بیٹھی اس کے کمرے ...
کچھ نظر آیا ... سے بچا پھرتی ...
قیمتی اور خوب صورت لاکٹ تھا اسے ...
سے کبھی جدا نہ کرنے کا اس نے خود سے وعدہ بھی کیا ...
مگر خود سے کیا ہر وعدہ اس روز ٹوٹ گیا تھا جب ...
سرکاری اسپتال میں موت سے لڑتے اس نے اپنی ...
کو تھما دیا تھا جب ان تنہائیوں میں نفرتوں کی آگ ...
بیچ کر اس نے وہ نیکلس گلے سے اتار کر پھینکا۔

تھا اور جو بعد میں ملا تھا۔" کبھی ایمان اور فرش نے وہاں
فرش پر پڑا دیکھ کر اس کے بیگ میں ڈال دیا تھا پھر وہ
نیکلس اسی بیگ کی سامنے والی جیب میں سالوں تک
پڑا رہا تھا۔ یہ تو ابھی چند دن قبل جب وہ کارڈیالوجسٹ
کے پاس علاج کے لیے حریم کو لے کر کراچی آرہی
تھی تب اس بیگ کو الماری سے نکالا تھا کہ اس میں
اپنا اور حریم کا سامان رکھ سکے تب اس بیگ میں سے یہ
نیکلس نکلا تھا۔ حریم بیڈ پر اس کے ساتھ بیٹھی ہوئی
تھی اور اس کے اٹھانے سے قبل ہی اس نے وہ
نیکلس اٹھا لیا تھا۔ اسے الٹ پلٹ کر دیکھتے دیکھتے
اس کے ہاتھ سے اس میں موجود لاکٹ کھل گیا تھا اور
اس لاکٹ میں موجود وہ تصویر بھی اس کی نگاہوں کے
سامنے آگئی تھی۔
"ماما! یہ کون ہیں؟"
"یہ تمہارے پاپا ہیں حریم!" ایک نہ ایک دن وہ اس
سے اپنے باپ کے متعلق سوال ضرور کرتی۔
وہ حریم کا ذہن خراب نہیں کرنا چاہتی تھی اور پھر
اس نے حریم کے ذہن پر باپ کا ایک اچھا سا نقش بنانا
شروع کیا تھا۔ حریم کو اس تصویر سے متعارف کرواتے
اس نے اسے بتایا تھا کہ اس کے پاپا کہیں بہت دور
دوسرے شہر میں رہتے ہیں۔ وہ حریم سے بہت پیار
کرتے ہیں اور شہری اس نے اس بہت چھوٹی اور
نا سمجھ بچی کی ذہنی سطح کے مطابق اس کے باپ کے
کہیں دور دراز جگہ پر رہنے کی ایک بہت خوب صورت
اور فرضی کہانی اسے سنائی تھی۔ اس نے اسی روز خود
سے پختہ عہد کیا تھا کہ وہ حریم کے سامنے اس کے
باپ کا ایک بہت اچھا خاکہ بنا کر پیش کرے گی اور وہ
کئی سالوں بعد جب حریم بڑی اور سمجھ دار ہو جائے گی
یہ سوچنے کے قابل کہ وہ دوسرا شہر آخر ہے کتنا دور جو
اس کا باپ اس سے ملنے تک نہیں آتا تب اس کے
لیے کسی بھی بات کے سوچنے سے پہلے ہی وہ اس کے
لیے اس جیتے جاگتے باپ کو مار دے گی۔ اس کا بہت
اچھا، بہت محبت کرنے والا ایک آئیڈیل باپ جو اس
کے پاس آنے ہی والا تھا کہ موت نے اسے آلیا۔ حریم
کے لیے باپ کی موت کو قبول کرنا آسان ہو گا بہ نسبت
اصل تلخ اور ذلت آمیز سچائی کے جاننے کے۔
حریم نے وہ لاکٹ اس سے لینا چاہا تو اس نے نیکلس
میں سے نکال کر وہ لاکٹ اسے دے دیا تھا۔ وہ لاکٹ
حریم کے دیگر کھلونوں کے ساتھ پڑا رہتا تھا اور دن بھر
اپنے کھلونوں سے کھیلنے کے دوران وہ ایک آدھ دفعہ میں وہ
اس تصویر کے ایک ایک نقش کو بہت اچھی طرح
پہچان چکی تھی۔ اور اس کے خیال میں اس کی ماما نے
ٹھیک کہا تھا کہ اور وہ لوگ اس سے پیار کرتے تھے اور دور
دوسرے شہر سے جو بہت دور تھا آ نہیں سکتے تھے۔ اس
سے آگے سوچنے سمجھنے والی اس کی عمر ہی نہیں تھی۔
وہ خاموشی سے آکر حریم کے برابر بیڈ پر لیٹ
گئی۔ اپنے کھلونوں سے کھیلتی لاکٹ کو کھولتی بند کرتی
حریم اپنے کام میں مگن رہی۔ یہ کمرہ جو وہ ...
ہونے کے لیے ملا تھا اور حریم کو دے رکھا تھا اور اصل
ان کے اس کمرے سے فلیٹ کا دوسرا کمرہ تھا جسے وہ
لوگ بطور ڈرائنگ روم استعمال کرتے تھے۔ دو
چھوٹے چھوٹے کمروں کا وہ فلیٹ ان کی کائنات تھا۔
لیکن دونوں خود اور حریم کے زیر استعمال تھا۔ خود کو اس کا
بہت زیادہ احساس تھا۔ ان لوگوں کی وجہ سے فضہ بے
چاری کے پڑھنے تک کے لیے فلیٹ میں کوئی جگہ
نہیں رہ گئی تھی۔ اپنی وحشت اٹھانے کے باوجود بھابی تھی
جو یہ خلیفہ یا فضہ اس پر ایسی کوئی بات ظاہر کرتیں کہ
ان کی وجہ سے انہیں کچھ مشکل پیش آرہی ہے۔ ان
کی مہمان نوازی اور خلوص کی وجہ سے وہ ان کی احسان
مند تھی۔

✡ ✡ ✡

"بھائی شادی کے لیے کیوں نہیں مان جاتے۔ ممی!
آپ انہیں فورس تو کریں۔ آخر اس طرح تمام زندگی
کب تک گزارتے رہیں گے۔" بہت ان سے بھی
کچھ دیر قبل فون پر گفتگو ہوئی تھی۔ دونوں بہنیں
دور رہتی تھیں مگر اس دوری میں بھی انہیں اکلوتے
بھائی کی زندگی کی تنہائی اور ویرانی کی فکر ستائے رکھتی

تھی۔

"میں جتنا سمجھانے کی کوشش کرسکتی ہوں، کرسکتی ہوں بیٹا! اور کچھ شاید اسے قائل کر پاؤں۔ کوشش تو پوری کر رہی ہوں۔" ایک دکھ بھری سانس بھرتے ہوئے انہوں نے کنزیٰ کو جواب دیا تھا جس سے گفتگو کے دوران تو انہوں نے خود کو بدقت رونے سے روکے رکھا تھا مگر اب فون بند کر دینے کے بعد وہ اپنے کمرے میں تنہا بیٹھی بری طرح رو دی تھیں۔ وہ ایک بہت بہادر اور حوصلہ مند عورت تھیں۔ اپنی اسی خوبی کو جاننے والی ایک مشہور سوشل ورکر تھیں لوگ انہیں ایک کامیاب سوشل ورکر اور پروفیشنل کے طور پر جانتے تھے۔ کبھی کسی نے انہیں روتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ پھر اکلوتے بیٹے کی زندگی کی بربادی۔ ان کا دل کٹتا تھا۔ وہ انہیں کیا بتاتیں کہ اشعر اس موضوع پر ان کی ایک بات بھی سننے کے لیے تیار نہیں تھا۔ جو کچھ تحریم نے اس کے ساتھ کیا اس کی سزا وہ خود اپنے آپ کو دے رہا تھا۔ کتنی بار انہوں نے چاہا تھا اشعر ان سے تحریم کے متعلق بات کرے۔ اس کے دل میں جتنی نفرت اور جتنا غصہ اس کے اندر ہے وہ سب بول کر اپنے اندر رکا سارا غبار نکال دے۔ مگر وہ تحریم کے بارے میں بات کرنا تو کجا اس کا نام سننے کے لیے بھی تیار نہیں تھا۔

تحریم نے درحقیقت اشعر کے ساتھ کیا کیا تھا یہ انہوں نے کبھی بھی کسی کو یہاں تک کہ اپنی دونوں بیٹیوں تک کو بھی نہیں بتایا تھا۔

سونیا اور کنزیٰ بس یہ جانتی تھیں کہ تحریم کسی بھی وجہ کے بغیر اشعر کو چھوڑ کر چلی گئی تھی اور اشعر نے تحریم کے چلے جانے کو اتنا دل پہ لے لیا تھا کہ وہ زندگی کو نئے سرے سے شروع کرنے پہ آمادہ ہی نہیں تھا۔

وہ رات رات بھر آفس سے گھر نہیں آتا۔ گھر آتا تھا تو ساری ساری رات کمرے میں جاگ کر سگریٹیں پیتے ہوئے گزار دیا کرتا تھا۔ ان کا وہ خوش مزاج زندگی کو بھرپور انداز میں جینے والا بیٹا جیسے ہمیشہ کے لیے کہیں کھو گیا تھا۔ تین سال پہلے تک وہ سوچا کرتی تھیں کہ وقت گزرنے کے ساتھ اشعر خود کو سنبھال لے گا مگر وہ آج تین سال بعد آج بھی پہلے روز جیسا ہی تھا۔

☆ ☆ ☆

تحریم سے اس کی محبت بھرپور تھی اس کا اظہار محبت والہانہ تھا لیکن اس کی اس محبت اور اظہار محبت کے باوجود تحریم کے دل میں شکایتیں کس طرح کے وسوسے تھے۔ اشعر، بصیرت حسین اور فریدہ ان تینوں ہی کا سوشل سرکل بہت وسیع تھا سو آئے دن گیٹ ٹو گیدرز اور پارٹیوں کا اہتمام ہوا کرتا۔ کبھی یہ لوگ کہیں مدعو ہوتے اور کبھی ان کے گھر پر کوئی پارٹی کوئی ڈنر ہو رہا ہوتا۔ اس نے نوٹ کیا کہ تحریم ان تمام پارٹیز میں اپنی تیاری کے حوالے سے بہت کانشس رہتی تھی۔ ایسا کب سے ہوا اور کیوں ہوا یہ وہ نہیں جانتا تھا لیکن اس نے محسوس کیا تھا کہ وہ اس کے حلقہ احباب میں شامل دوستوں اور ان کی خواتین لڑکیوں کے ساتھ اپنا موازنہ کرتی ہے اور یہ بات اسے بالکل بھی اچھی نہیں لگی تھی۔ اگر وہ کسی [illegible] سوسائٹی کی نہیں تھی۔ اگر اس نے کسی نامی گرامی مشہور اور مہنگے تعلیمی اداروں سے تعلیم حاصل نہیں کی تھی تو کوئی کمی نہیں تھی یہ کوئی برائی نہیں تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ تحریم اپنے بارے میں ایسی ہی کانفیڈنٹ رہے جیسی وہ پہلے تھی۔ کسی بیوروکریٹ، کسی صنعت کار کی بیوی یا بیٹی اگر اس سے بہ خلوص سے [illegible] ملے کہاں رہتی تھی اور اس کے والد کیا کرتے تھے جیسی باتیں مخصوص انداز میں پوچھے تو ان سوالوں کے جواب دیتے ہوئے وہ ان کے متعلق کم تر بنے لگتی۔ وہ جانتا تھا اس کلاس کی اکثر خواتین افسانوں کو ان کی خوبیوں اور خامیوں سے نہیں ان کی حیثیت اور فیملی بیک گراؤنڈ سے تولا کرتی تھیں لیکن وہ تحریم کو یہ سمجھانا چاہتا تھا کہ وہ پہلے کسی سے کم تر تھی نہ اب کسی سے کم تر ہے لیکن اسے کوئی مناسب موقع نہیں مل پا رہا تھا مگر اس روز جب انہیں ایک پارٹی میں جانا تھا تب اسے یہی موقع خود بخود ہی مل گیا تھا۔ آفس سے آنے کے بعد کمرے میں داخل ہوتے ہی ٹینک تک کے آگے بیٹھا ایک فائل کے مطالعے میں گم تھا۔ ایک اہم رپورٹ تھی جو اسے آج شام ہی ان کے بزنس کے ایڈمنسٹریشن میں مارکیٹنگ منیجر کی جانب سے موصول ہوئی تھی۔ وہ کافی سنجیدگی اور انہماک کے ساتھ رپورٹ دیکھ رہا تھا۔ تحریم بھی کمرے میں تھی۔ وہ وارڈ روب کھولے پارٹی میں جانے کے لیے اپنے کپڑوں کا جائزہ لے رہی تھی۔

"کیا میں آج کی پارٹی میں یہ ساڑھی پہنوں۔ کہیں گرین ساڑھی میں ریتا ہے گی رات کے فنکشن میں ایک کلر زیادہ اچھا لگتا ہے نا؟"

"ہوں۔" فائل سے سر اٹھا کر ایک نظر اسے دیکھتے اس نے سرسری دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ اس کی توجہ ابھی بھی پوری کی پوری اپنی زیر مطالعہ رپورٹ پر ہی تھی۔ تحریم نے ہاتھوں میں دو ہینگر پکڑے ہوئے تھے ان میں سے ایک پر سیاہ رنگ کی ساڑھی تھی اور ایک پر سبز رنگ کی۔

"یہ بلیک ساڑھی زیادہ اچھی لگے گی یا یہ گرین؟"

"ہاں۔" اس کا جواب پھر سرسری تھا۔

"آپ میری بات سن رہے ہیں؟"

"میں سن تو رہا ہوں۔" اس کے ٹوکنے پر سوال کا اس نے چہرے پر دھیان سے ایک نظر اس پر ڈالتے جواب دیا۔

"میں نہیں دیتے بلکہ سننے کا آرڈر دے رہی ہیں۔ اس فائل کو سامنے سے ہٹا کر میری بات دھیان سے سنیں۔"

وہ اس کے خفا خفا سے چہرے کو دلچسپی سے دیکھنے لگا تھا۔

"میرا سارا دھیان آپ کی طرف ہے جناب! اب آپ نے بتایا کیا کہہ رہی تھیں۔" اس نے فائل بند کر کے اسے سامنے سے ہٹا دیا۔

"کچھ نہیں کہہ رہی تھی میں۔ صرف یہ سوچ رہی تھی کہ کسی بھی لڑکی کو بھی کسی ایسے انسان سے شادی نہیں کرنی چاہیے جو شام میں آفس سے واپس آئے تو پورا آفس اٹھا کر لے آتا ہو۔"

ماہنامہ کرن

اگست 2007 کے شمارے کی ایک جھلک

☆ [illegible]

☆ ناولٹ "[illegible]" [illegible]

☆ "[illegible]" [illegible]

☆ "[illegible]" [illegible]

☆ "[illegible]" [illegible]

☆ "[illegible]" [illegible]

☆ "[illegible]" [illegible]

☆ [illegible]

☆ [illegible]

☆ [illegible]

[illegible]

اس شمارے کے ساتھ کرن کتاب

[illegible]

"[illegible]"

[illegible]

تمرہ کا اپنے ساتھ بے تکلف انداز گفتگو اسے بہت
اچھا لگا تھا۔ اس لیے کہ اس بے تکلفی تک اسے
لانے کے لیے اس نے حقیقتاً بڑی محنت کی تھی۔
اسے اپنی محبت اپنی چاہت کا ہزار طرح سے یقین دلایا
تھا۔ اس وقت بھی وہ اس کے لفظوں سے زیادہ اس کے
نازنخرے حق جتانے انداز کو پوری طرح محسوس کرتا
مسکراتے ہوئے [illegible] فوراً بولا۔
"تمہارا [illegible] ابھی نہیں بیٹھا تھا
میں [illegible] مجھے پتا ہے اس وقت کون سے مسئلے در پیش ہیں۔
میری بیگم پارٹی میں بلیک ساڑھی پہن کر جائیں یا
کریم۔"

"یہ کوئی ایسی بات نہیں جس کا مذاق اڑایا جائے۔"
وہ اس کے غیر سنجیدہ انداز کا برا مانتے ہوئے خفا ہو کر
بولی۔ وہ اس کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔
"مذاق اڑاؤں گا تو بھی اسے سنجیدہ مسئلے کا۔"
لبوں پر ایک شرارت بھرا تبسم لیے وہ تمرہ کو دیکھ رہا
تھا۔

"آپ سیریس نہیں ہو رہے۔ میں پارٹی میں اچھی
لگنا چاہتی ہوں۔" وہ بے حد سنجیدہ تھی۔ اس کے
اعصاب پر اس وقت صرف اور صرف وہ پارٹی سوار
تھی جہاں [illegible] جانا تھا۔

"کس کے مقابلے میں؟" وہ اپنی غیر سنجیدگی ترک
کر کے یک دم ہی سنجیدگی سے بولا۔ اتنی دیر سے وہ غیر
سنجیدہ تھا مگر اب اچانک ہی اسے احساس ہوا تھا کہ شاید
یہ وہ مناسب وقت ہے جب وہ تمرہ سے وہ بات کر سکے
جو [illegible] خدشہ لاحق تھا کہ وہ نازک سی لڑکی ہرٹ
نہ ہو مگر اب تو اسے اس کے دل کی بات کرنے کا موقع
تمرہ خود ہی دے رہی تھی۔ اگر اس کے حلقہ احباب یا
خاندان کے کسی فرد نے تمرہ سے کوئی ایسی بات کی تھی
جو اس کے اس کامپلیکس کا سبب بنی تھی تو وہ اسے
باور کرانا چاہتا تھا کہ [illegible]
کے حوالے سے [illegible] وہ اصل اس
سے جلن اور حسد میں مبتلا ہوں گے۔
"محض اس لیے کہ تم ان فیشن زدہ فضول لڑکیوں کے
ساتھ اپنا کمپیریزن کرتی ہو۔ تم ان سب سے کہیں
زیادہ اچھی ہو۔ مجھ سے پوچھو تو تم سب سے اچھی ہو۔
تمہاری سادگی تمہاری سب سے بڑی خوب صورتی ہے۔
تم اندر باہر سے ایک جیسی ہو جو ہو ویسی ہی ظاہر بھی
کرتی ہو ان مصنوعی لڑکیوں کی طرح نہیں۔"
اپنے دونوں ہاتھ اس کے کندھوں پر محبت بھری
مضبوطی کے ساتھ جما کر وہ سنجیدگی اور رسانیت سے
کہہ رہا تھا۔ تمرہ کے ہاتھوں سے اس نے وہ دونوں
ہینگرز لے کر پیچھے بیڈ پر اچھالے اور دوپٹہ اس کے
شانوں کے گرد اچھی طرح پھیلا کر بولا۔
"مائی سوئیٹ وائف! تمہیں اچھا لگنے کے لیے کسی
محنت کی ضرورت نہیں، تمہیں کسی فیشن پریڈ میں
حصہ لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم ان نئی نویلی ساڑھیوں
اور ڈھیر ساری جیولری اور میک اپ کے بغیر اس سادہ
انداز میں بھی بہت اچھی لگتی ہو۔ خوب صورت اور پرکشش
بھی لگتی ہو۔ تمہارے جتنا اچھا کوئی اور لگ ہی
نہیں سکتا۔"

وہ بہت سچائی اور پورے دل سے اس کی تعریف
کر رہا تھا اور وہ [illegible] مسکان لیے تعریف
وصول کر رہی تھی لیکن اسے اپنے قریب اور قریب
کرتے ہوئے اس نے ذرا گہری نگاہیں اس پر ڈالیں تو
حسب عادت فوراً پلکیں جھکا گئی۔ اس کے اس
شرمیلے انداز سے محظوظ ہوتے اسے یہ سوچ کر ہنسی آئی
کہ جن لڑکیوں کو خود سے برتر محسوس کر کے وہ ان
جیسا بننے کی کوشش کر رہی تھی ان کو کوشش کرنی
تب بھی ان جیسی [illegible] اور بے باک [illegible]
تھی۔
"تمہیں تو واقعی میک اپ کی کوئی ضرورت
نہیں۔" اور پھر ہولے سے اس کے دہکتے رخسار کو
چھو کر بولا۔
"مجھے نہیں پتا تھا کیسویں صدی میں لڑکیاں اب
بھی شرماتی ہیں اور شرما میں تو ان کے گال دہکتے بھی
ہیں۔" اس نے اپنے ہاتھوں کا ہار [illegible]
اس کے گرد مزید مضبوط کیا اور پھر آہستہ سے [illegible]

بھری سرگوشی کی۔ "تمہیں پتا ہے تمرہ! تم میرے لیے
کتنی خاص ہو؟ کتنی اہم ہو۔ کبھی خود کو کسی سے کمتر
مت سمجھنا۔ اگر تم نے کبھی خود کو کسی کے مقابلے میں
کمتر سمجھا تو مجھے لگے گا کہ شاید میری محبت میں کوئی کمی
رہ گئی ہے جو تمہیں میری زندگی میں اپنے سب سے
اہم اور سب سے خاص ہونے کا یقین نہیں ہے۔"
اور پھر اس رات جب وہ لوگ اس پارٹی میں آئے
تب گاڑی سے اتر کر اندر داخل ہوتے اس نے تمرہ کا
ہاتھ تھام لیا۔
"ہاتھ چھوڑیں پلیز۔" اسے گھبراہٹ ہونے لگی۔
مگر وہ ان سنی کر کے اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے اندر
داخل ہو چکا تھا۔
وہ اسے ساتھ لیے اپنے تمام جاننے والوں سے یوں
مل رہا تھا جیسے کوئی شو کرنے والے کسی اعلیٰ ترین اعزاز
کو سب کو دکھا رہا ہو۔ [illegible] تمرہ [illegible]
بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ خود کو وہ سوں سے بہت
منفرد اور خاص سمجھتی یہ فیشن زدہ لڑکیاں در حقیقت اس
کے آگے خود کو کتنا کمتر اور حقیر سمجھ رہی ہیں۔ اس سے
کس قدر حسد کر رہی ہیں۔
اس روز اپنے ہر ہر انداز سے اس نے تمرہ کو یہ باور
کرا دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

اس نے جیسے ہی نمبر دیکھ کر تمرہ کا موبائل [illegible]۔
"ہیلو!" کال فوراً ریسیو کی گئی تھی۔
"میری حریم سے بات کرا دو۔" اس نے سرد اور بے
تاثر لہجے میں فوراً کہا۔
اسے "ہولڈ کیجیے" وغیرہ جیسا کوئی جملہ کہے بغیر
دوسری طرف اس کے سرد لہجے میں حریم کو پکارا گیا
تھا۔
"حریم! [illegible] بات کرو، تمہارا فون ہے۔" حریم کی
آواز اس نے فوراً ہی سن لی تھی۔
"ہیلو پاپا!" شاید تمرہ اسے پہلے ہی اشارے سے سمجھا
چکی تھی کہ اس کے باپ کا فون ہے۔
"ہیلو بیٹا! کیسی ہو؟"
"ٹھیک پاپا!"
"اریبہ کتنا اچھا ہوا کہ تم سے اس لیے فون کیا ہے
کہ میں تھوڑی دیر میں آپ کو لینے آ رہا ہوں۔ آپ
تیار ہو جاؤ۔"
"جی پاپا!" اسے اپنی بیٹی کے بات کرنے کا مختصر
انداز بہت اچھا لگ رہا تھا۔ چار سال کی عمر کے لحاظ سے
وہ کافی سمجھدار، مہذب اور شائستہ سی لگا کرتی تھی۔
اس نے حریم کو خدا حافظ کہہ کر فون بند کر دیا اور
ایک آخری نگاہ اپنے ہاتھوں سے اپنی بیٹی کے لیے
سجائے اس اپارٹمنٹ پر ڈالی۔ صبح سویرے سے اب
تک [illegible] آرائش میں مصروف تھا۔ اپارٹمنٹ
کی سجاوٹ کے ساتھ [illegible] کے سب سے [illegible]
قابل [illegible] اور بچوں کے دل کے امراض کے
ماہر سرجن ڈاکٹر طاہر انصاری سے کل کا اپائنٹمنٹ بھی
لے لیا تھا۔
اس وقت شام کے سات بج رہے تھے۔ گاڑی کی
چابی اٹھا کر وہ وہاں سے باہر نکل گیا۔ وہ ایک بار پھر اس
[illegible] پہنچا تو اس کے بیل کرنے پر احمد
سے "کون ہے؟ پاپا ہیں؟" کی باریک سی معصوم آواز
نے اسے مسکرانے پر مجبور کر دیا۔
"جی پاپا ہیں۔" اس نے فوراً ہی دروازہ کھول دیا
تھا۔ دروازہ کھلتے ہی [illegible] اس پر نظر پڑی تو وہ پنک
[illegible] بالکل تیار نظر آ رہی تھی۔ اس نے
[illegible] کر کے پنک [illegible] شوز
[illegible] اور [illegible] ڈھیر سارا [illegible] سامان
[illegible] پھولوں اور ستاروں سے [illegible] ہیئر کلپس اور
[illegible] کی صورت میں سجا نظر آ رہا تھا۔ وہ سب بھی تمام تر
پنک اور بلیو کلرز ہی کا تھا۔ شاید اس کی بیٹی کو بننے
سنورنے کا بے حد شوق تھا۔
وہ اس کی تیاریوں کو محبت بھری نگاہوں سے دیکھ رہا
تھا۔ حریم نے اسے سلام کر کے ہاتھ ملانے کے لیے
ہاتھ آگے بڑھایا تو بجائے اس کا ہاتھ تھامنے کے اس
نے اسے گود میں اٹھا لیا۔

"چلیں پاپا روؤ؟" اسے پیار کرتے اس نے پوچھا۔

"چلیں پاپا! ماما۔ چلیں پاپا آ گئے۔" اسے جواب دینے کے ساتھ ہی اس نے زور سے خرد کو آواز دی۔ وہ جلدی سے نظر آئی کمرے کے باہر ہاتھوں میں دو بڑے بڑے سوٹ کیس کے بیگز پکڑے کھڑی تھی۔ جن خاتون نے کل اس کے لیے یہاں رہائش کا انتظام کروایا تھا، خرد اور حریم کو رخصت کرنے دروازے تک آئی تھیں۔ خرد ان کی مہمان داری کا شکریہ ادا کر رہی تھی۔

بالآخر وہ تینوں وہاں سے باہر نکل آئے تھے۔ وہ حریم کو گود میں لیے تیز رفتاری سے سیڑھیاں اتر رہا تھا جبکہ دونوں بیگز ہاتھوں میں اٹھائے خرد ان دونوں سے کافی پیچھے تھی۔ وہ وزن اٹھا کر اتر رہی ہے۔ اس بات سے اسے کوئی سروکار نہیں تھا کہ اس کی بیٹی اب مکمل طور پر اس کی ذمہ داری تھی۔ وہ اس کا سامان خود اٹھانا چاہتا تھا لیکن ایسا کرنے کے لیے اسے اس سے مخاطب ہونا پڑتا اور اس عورت سے مخاطب ہونا اس کے ضبط اور اس کی برداشت کا کڑا امتحان ہوا کرتا تھا۔ پیچھے اگر جب وہ اپنی گاڑی کے پاس پہنچا تو اس نے حریم کو گود سے اتارا اور اس کے لیے گاڑی کا دروازہ کھول دیا۔

"یہ گاڑی کس کی ہے پاپا؟" حریم نے گاڑی کو حیرت اور خوشی سے دیکھتے اس سے پوچھا۔

"یہ حریم کی ہے۔" اس کی حیرت اور بے تحاشا خوشی نے اسے ایک ناقابل برداشت کرب میں مبتلا کیا تھا۔ حریم کے لیے اگلی نشست کا دروازہ کھول دیا تھا جبکہ وہ گاڑی کو شوق اور دلچسپی سے دیکھ رہی تھی پچھلی نشست کے دروازے کے ساتھ لگ کر کھڑی ہو چکی تھی۔

"آؤ بیٹا بیٹھو۔" دروازہ کھولے وہ اس کے بیٹھنے کا منتظر تھا۔

"پاپا! حریم یہاں بیٹھے گی۔ آگے ماما اور پاپا بیٹھتے ہیں۔" اس کی بڑی سمجھداری اور پتے کی بات اسے جاتے جیسے ساتھ ہی اس کی کم عقلی پر افسوس کرتے اپنے سر پر ہاتھ بھی مارا وہ مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔ اس کی ذہانت اس کی سمجھداری اسے خوش کر رہی تھی۔

"اچھا۔ آپ کو یہ بات کیسے پتا؟" وہ جھکا ہوا اس سے پوچھ رہا تھا۔

"حریم نے کارٹون میں دیکھا ہے پاپا!" سر کو دائیں بائیں زور زور سے جھٹکے دے کر وہ مخصوص سے پیاری پیاری باتیں کرتی تھی۔ اس کی باتوں کو انجوائے کرتے انہیں مسکرانے کے ساتھ اس کے دل میں نئے سرے سے محرومی سے بھرا ایک احساس بھی جاگا۔ چار سال۔ چار سال کی ہے اس کی بیٹی۔ چار سال کی عمر میں وہ اتنے کی ہے اور اس سے پہلے کے چار سال تمام روز و شب وہ اس کی اتنی معصوم باتوں اور شرارتوں کو انجوائے نہیں کر سکا اس کی بیٹی کے پروان چڑھنے کے وہ سارے مرحلے وہ سارے پل وہ سب راتیں جن میں وہ اپنی بیٹی کے ساتھ ہو سکتا تھا جن میں اسے اپنی بیٹی کے ساتھ ہونا چاہیے تھا۔ وقت کا وہ ایک ایک لمحہ اس سے اور حریم سے خرد احسان نے چھین لیا تھا۔

"وہ چار سال جو تم نے مجھ سے حریم سے چھین لیے ان کا حساب دو خرد احسان! میرا حق تھا اپنی بیٹی کے وجود سے آشنا ہوتا اس کی زندگی کے ہر لمحے میں اس کے ساتھ ہوتا۔ میری بیٹی کا حق تھا اپنے باپ کو جانتا۔ جو میری ذمہ داریاں تھیں چار سالوں تک ادا نہ کر سکا صرف تمہاری وجہ سے۔ جو میری بیٹی کا حق تھا چار سالوں تک اسے نہ مل سکا صرف تمہاری وجہ سے۔"

حریم پچھلی نشست پر بیٹھ چکی تھی۔ خرد نے دونوں بیگز گاڑی کے پاس لا کر رکھے اس نے وہ دونوں بیگز ڈگی میں رکھے اور اوپر تک سیٹ پر آ کر بیٹھ گیا۔ اس نے پہلے آگے کی نشست کا دروازہ اس نے کھولا ہوا تھا وہ اس عورت کے لیے نہیں کھولا گیا تھا مگر وہ اس کھلے دروازے سے بغیر کسی ہچکچاہٹ یا تردد کے اس کے برابر والی نشست پر بیٹھ گئی تھی۔ اس کا انداز اتنا غیر متعلق سا تھا جیسے وہ کہیں بھی بیٹھ جائے یہ کوئی اہم بات تھی ہی نہیں۔ وہ اس سے اور حریم سے بالکل

لاتعلق خاموشی سے بیٹھی کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔ حریم پاپا سے کیا کیا باتیں کر رہی ہے اس سے بھی اسے کوئی مطلب نہیں تھا۔

"پاپا! Song لگائیں۔" حریم کو گانے سننے کا شوق ہو رہا تھا۔ میوزک سے کافی عرصے سے وہ دور تھا۔ کوئی سی ڈی کھول کیسٹ گاڑی میں نہ ہونے کے سبب اس نے ریڈیو لگا دیا۔ ایف ایم کا کوئی سا چینل تھا جس پر گانے چل رہے تھے۔ گاڑی اس نے بلڈنگ کے عین سامنے میں موجود پارکنگ میں لا کر کھڑی کی۔

گاڑی سے اتر کر وہ پیچھے آیا۔ پچھلا دروازہ کھول کر اس نے حریم کو گود میں اٹھا لیا اور پھر ڈگی کی طرف آ گیا۔ ان ڈگی میں سے ایک بیگ۔ جس پر کچھ کارٹون کریکٹرز بنے ہوئے تھے اس نے پنک کلر کا وہ بیگ سیدھے ہاتھ میں اٹھا لیا تھا۔ تب تک خرد بھی گاڑی سے اتر چکی تھی۔ وہ ڈگی کے سامنے سے ہٹ گیا تو خرد نے دوسرا ایک بیگ ہاتھ میں اٹھا لیا اور سنجیدہ انداز میں کھڑی رہی۔ حریم کو گود میں لیے اس نے چلنا شروع کیا تب وہ بھی پیچھے چلی۔ وہ اس سے کئی قدم پیچھے چل رہی تھی۔ وہ اس سے بیزار ہے وہ اس سے نفرت کرتی ہے یا اس کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں رکھنا چاہتی یہ سب کچھ اس کے ہر ہر انداز سے ظاہر تھا۔ زندگی میں یہ تماشا شہر حسین واقعی پہلی بار دیکھ رہا تھا جب ایک مجرم اپنے جرم پر شرمندہ ہونے کے بجائے اسی کو نفرت سے یوں دیکھ رہی تھی جیسے ایک مظلوم کسی ظالم کو دیکھا کرتا ہے۔ نجانے بے اعتنائی اور دیدہ دلیری کا کون سا انداز تھا۔

وہ لفٹ کی طرف آ گیا۔ خرد احسان کے ہاتھ میں موجود بھاری بیگ لے کر لفٹ کی طرف لے آیا تھا اور لفٹ کا بٹن دباتے ہوئے خود پر جھنجلایا بھی۔ سوچ کر خود پر جھنجلاہٹ کیا اگر کیا اسے لفٹ لے جا رہا ہے۔ وہ اپنے بدترین دشمن کے ساتھ بھی جواب میں کبھی وہ کچھ نہیں کر سکتا جو اس دشمن نے اس کے ساتھ کیا تھا جو خرد نے اس کے ساتھ کیا اگر جواب میں وہ بھی وہی کر رہا ہو تو اپنی بیٹی کو اس سے چھین کر لے آیا ہو؟ آج خرد احسان سال اس کے ساتھ نہ ٹھہری ہوتی۔

اپارٹمنٹ کا دروازہ کھول کر وہ حریم کو گود میں لیے اندر داخل ہوا۔

"یہ حریم کا گھر ہے۔ کیسا لگ رہا ہے یہ گھر اچھا ہے؟"

اندر آ کر اس نے حریم سے کہا۔ وہ دلچسپی سے چاروں طرف نظریں گھماتی اپنے اس نئے گھر کو دیکھ رہی تھی۔

"ہم دوبارہ آنٹی کے گھر نہیں جائیں گے؟"

"اب سویٹ ہارٹ، ہم کہیں بھی نہیں جائیں گے۔ ہمیشہ پاپا کے ساتھ رہو گی۔ یہ ہمارا گھر ہے۔ پاپا بھی یہیں رہیں گے اور پاپا کی پرنسس بھی یہیں رہے گی۔" وہ پیار سے اس کے گالوں کو چومتے ہوئے بولا۔

"اور ماما بھی تو رہیں گی نا ماما؟" حریم نے فوراً ماں کی طرف گھوم کر تصدیق بھی چاہی۔

خرد جواب میں لاتعلق اور خاموش سی کھڑی رہی تو ایک گہری سانس لیتے ہوئے اس نے آہستگی سے حریم کو جواب دیا۔

"ہاں تمہاری ماما بھی۔"

"پہلے کچھ دیر بیٹھنا ہے یا پہلے سارا گھر دیکھنا ہے؟"

"گھر دیکھنا ہے پاپا!" خرد کو وہیں چھوڑ کر حریم کو اپنے ساتھ اندر لے آیا تھا۔ اس کی گود سے اتر کر اب وہ خود چلتی اس کے ساتھ ہر کمرے میں بہت شوق سے داخل ہو رہی تھی۔ وہ بڑی دلچسپی سے سب چیزوں کو دیکھ رہی تھی۔ ڈرائنگ روم، لیونگ روم، کچن، باتھ روم، سب جگہیں دکھا لینے کے بعد وہ آخر میں حریم کو لے کر اس کمرے میں آیا جو اس نے بڑی محبت سے خاص طور پر اس کے لیے تیار کیا تھا۔ فرنیچر پہلے سے موجود تھا تو اس نے کارپٹ، کشنز، ڈیکوریشن پیسز سے لے کر چھوٹی چھوٹی چیزوں کا بھی ایسا اہتمام کیا تھا جنہیں دیکھ کر حریم خوش ہو۔ حریم آنکھوں میں بے تحاشا دلچسپی لیے اس کمرے کو دیکھ رہی تھی۔ وہ بیڈ پر تکیے کی جگہ رکھے pooh کو دیکھ کر بہت حیران ہوئی پھر جب بیڈ پر چڑھ کر

اسے ہاتھ میں لیا تو چاپاک کر گئی ہے۔ خوش ہو کر بولی "واؤ! pooh" وہ اس پر سر رکھ کر لیٹ گئی۔

"تھک گئی ہیں؟" اس کے استفسار پر حریم نے لیٹے لیٹے زور و شور سے گردن ہلائی۔ اپارٹمنٹ کے اندر آ کر سب کمرے دیکھنے میں جو تھوڑا سا وہ چلی تھی۔ اس تھوڑے سے چلنے ہی سے اس کی یہ حالت ہو رہی تھی۔ جیسے اسے بہت دوڑایا گیا ہو۔ متفکر ہو کر آہستہ آہستہ وہ نارمل ہونے لگی۔ اس کی طبیعت نارمل ہوئی تو یہ کہ خود بھی بیڈ پر اس کے برابر لیٹ گیا۔ حریم نے اچانک ہی بڑے حق کے ساتھ اس کے سینے پر سر رکھ دیا۔ بیٹی کی اس محبت بھری ادا پر اس کا دل خوشی سے سرشار ہو گیا۔ کم از کم انسانیت کی اتنی رمق تو باقی تھی خرد احسان میں کہ اس نے حریم کو اس کے باپ سے کسی نہ کسی طرح متعارف کروا رکھا تھا۔ وہ حریم کے ماتھے پر آیا بال ہاتھ سے آہستہ آہستہ صاف کرنے لگا۔ وہ اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اس نے یوں لپیٹ رکھا تھا جیسے اسے اپنی بانہوں میں چھپا کر دنیا کی ہر آزمائش سے بچا لینا چاہتا ہو۔ حریم کو اپنے سینے سے لگائے وہ کچھ دیر یونہی اس کے ساتھ لیٹا رہا۔ پھر گھڑی پر وقت دیکھتے ہوئے اس سے پوچھا۔

"بھوک لگی ہے حریم؟ کچھ کھاؤ گی؟" اس نے فوراً سر اثبات میں ہلایا۔

"کیا کھاؤ گی؟"

"چکن نگٹس اور پیزا، اور ایپل جوس اور اسٹرابیری آئس کریم۔" وہ اس کی اس بے تکلف سی لسٹ پر مسکرا دیا۔

"تمہارے لیے سارا کچھ منگواتا ہوں۔ پھر مجھے جانا ہے۔ کل سے یہاں پر ایک میڈ آ جائے گی۔ تمہیں جو کھانا ہو اس سے کہہ لینا اور اپنے باقی سارے کام بھی۔"

"کیا ماما کھانا نہیں پکائیں گی پاپا! حریم کو ماما کا کھانا اچھا لگتا ہے۔"

وہ اس بات کا جواب دیے بغیر تھوڑا رک کر خاموشی سے بیٹی کا چہرہ دیکھنے لگا۔ اس عورت کو اپنی بیٹی کی زندگی سے نکال کر کہیں دور نہیں پھینک سکتا تھا۔ حریم ساتھ ہو گی تو وہ بھی ہو گی۔

وہ حریم کو آرام کرنے کا کہہ کر خود گاڑی کی چابی لے کر اٹھ گیا۔ باہر نکل کر اس نے دیکھا تو خرد اسے سامنے ہی لیونگ روم میں صوفے پر بیٹھی نظر آئی۔ بیگ اپنے پیروں کے پاس رکھ کر وہ صوفے پر بالکل لاتعلق سی بیٹھی تھی۔ یوں جیسے اسے اس جگہ اور اس منظر سے کوئی دلچسپی نہ ہو۔

"حریم کو ڈاکٹر نے کچھ خاص پرہیز تو نہیں بتایا ہوا؟" اسے مخاطب کرنا مجبوری تھی سو بحالت مجبوری اس نے یہ انتہائی لہجے میں اس سے پوچھا۔ اس نے بھی اسی تنگ انداز میں اس کی طرف دیکھے بغیر اس کے سوال کا جواب دے دیا تھا۔

پھر کھانا آ کر اس نے خود ہی ڈائننگ ٹیبل پر سب کچھ لگا تھا۔ اس کی آواز سنتے ہی حریم بھی کمرے سے نکل آئی تھی۔ مگر اس بار اس نے اسے چلنے پھرنے سے منع کر کے کچن میں کرسی پر بٹھا دیا تھا۔ ٹیبل پر سب کچھ لگا تو اس نے حریم کو گود میں اٹھایا اور اسے ڈائننگ ٹیبل پر لے گیا۔

"اپنی ماما کو بلاؤ۔" ڈائننگ روم اور لیونگ روم کے بیچ کوئی دروازہ نہیں تھا۔ دونوں ساتھ ساتھ تھے۔ وہ اتنی دیر سے یہیں بیٹھی ہر چیزوں کی کھٹر پٹر تو بخوبی سن رہی تھی مگر یوں کھانا اس سمت اس نے ایک بار بھی نہیں دیکھا تھا۔

"ماما کھانا کھا لیں۔" اس نے چیئر پر بیٹھتے ہوئے ماں کو آواز دی۔

"تم کھاؤ حریم! مجھے بھوک نہیں لگ رہی۔"

یہ حق وہ عرصہ دراز پہلے کھو چکی تھی کہ وہ اس کے نخرے اٹھاتا، اس کی ناز برداریاں کرتا۔ نہیں کھاتی تو نہ کھائے۔ وہ اس پر اور اس کے نخروں پر چار حرف بھیجتا کرسی پر بیٹھ گیا۔

ایک اچھے سے چائنیز ریسٹورنٹ سے وہ حریم کے لیے بہت مزے کے فوڈز لایا تھا جس میں چکن اور ویجیٹیبلز بھی شامل تھے۔ اس نے حریم کے لیے

پیالے میں نوڈلز ڈالے اور کیچپ کی بوتل جو وہ خرید کر
ساتھ لایا تھا وہ بھی کھول کر اس کے سامنے رکھ دی۔
حریم نے نوڈلز پر کیچپ ڈالنا چاہا تو اس نے تھوڑا سا کیچپ
اب اس کے پیالے میں نوڈلز کے اوپر ڈال دیا۔
"پاپا! کیچپ اور۔" تھوڑا سا ڈال کر بوتل واپس
رکھ دینے لگا تو وہ فوراً بولی۔
"یہ آپ نوڈلز کے اوپر کیچپ ڈال کر کھا رہی ہیں یا
کیچپ میں تھوڑے سے نوڈلز ملا کر کھا رہی ہیں؟"
کیچپ اس کے پیالے میں مزید ڈالتے ہنستے ہوئے
بولا۔
"حریم کو کیچپ بہت اچھا لگتا ہے پاپا! بابا جو کیچپ آپ
لاتے ہیں۔ حریم وہ سارا Finish کر دیتی ہے۔" نوالہ
منہ میں رکھتے اس نے جواب دیا۔ اس کے اوپری
ہونٹ کے اوپر جو کیچپ لگ گیا تھا وہ اسے اور کیوٹ
بنا رہا تھا۔
"جب میں تمہارے جتنا تھا تو مجھے بھی کیچپ اب
بہت اچھا لگتا تھا۔ میری ماما بھی کیچپ بہت اچھا بناتی
تھیں۔ حریم جیسے کیچپ کے ساتھ ساتھ [illegible] کھا جاتی
تھی۔" اس کے لیے گلاس میں ایپل جوس ڈالتے ہوئے
اس نے کہا۔ حریم زبان سے ہونٹ کے اطراف کا کیچپ
صاف کرتے ہوئے اس بات پر بہت حیران ہوئی۔
"پاپا! آپ کی ماما؟" وہ اس کے حیرت بھرے بچگانہ
انداز سے جی بھر کر محظوظ ہوا۔ پھر اپنی حیرت میں حریم
نے وہاں بیٹھی تحمید کو بھی شامل کرنا چاہا۔
"ماما! پاپا کی ماما؟"
"حریم! باتیں مت کرو۔ کھانا جلدی ختم کرو۔ پھر
تمہیں میڈیسن بھی لینی ہے۔" وہ لاتعلقی اور بے
گانگی ترک کر کے ایک دم ہی صوفے پر سے اٹھی اور
حریم کے پاس آ کر غصے سے بولی۔
پھر حریم کے برابر والی کرسی گھسیٹ کر اس پر بیٹھی
اور حریم کے ہاتھ سے چمچ اور کانٹا لے کر خود اسے
جلدی جلدی کھانا کھلانے لگی۔
"ماما! کیچپ اور۔" وہ منمنائی۔
"کوئی ضرورت نہیں ہے۔ پہلے جو پلیٹ میں ہے
وہ ختم کر ڈالو پھر اسے ختم کرو۔" الفاظ سے بھی زیادہ
اس کا لہجہ اور نگاہیں غصے سے بھری ہوئی تھیں۔ وہ
اپنے غصے کو بمشکل چھپا رہی تھی۔ حریم کی طرف دیکھ کر وہ مسکرا
رہا تھا اور ماں کے غصے سے خائف سی ہوتی جلدی
جلدی کھانا کھانے لگی تھی۔ اسے اپنے لیے نہیں اپنی
بچی کے لیے اس عورت پر غصہ آیا۔ اس کی بچی
معصومانہ باتیں کرتی باپ کے ساتھ اپنا پہلا ڈنر
انجوائے کر رہی تھی اور اس سنگ دل عورت نے اس
کے چہرے کی ہنسی بجھا کر اس پر ڈر اور خفگی طاری
کر دی۔ ماں کے غصے سے ڈری حریم اس کے ہاتھوں
سے بہت جلدی جلدی پیالے میں موجود سب نوڈلز
ختم کر چکی تھی۔ تحمید اسے فوراً ہی کرسی سے اٹھانے
لگی۔
"پاپا! حریم کی سوئیٹ ڈش۔"
حریم نے اٹھنے سے انکار کرتے ہوئے کچھ احتجاجی انداز
میں کہا۔ حریم نے اس سے اسٹرابیری آئس کریم کی
فرمائش کی تھی۔ حریم کے لیے کھانے کا کوئی پرہیز
نہیں تھا سوائے اس کے کہ اس کے کھانے میں نمک
کی مقدار کم ہو اور چکنائی اس کی خوراک میں شامل نہ
ہو۔ حریم کے لیے آئس کریم لانا اسے ٹھیک نہ لگا تو
آئس کریم کے متبادل کے طور پر وہ اس کے لیے فروزن
اسٹرابیری یوگرٹ لے آیا تھا جو کہ فیٹ فری بھی تھا
اور حریم کے لیے اسٹرابیری آئس کریم کا ایک بہترین
اور صحت مند متبادل بھی وہ دیگر بھی کئی چیزیں لے آیا
تھا۔
"بس اب سوئیٹ ڈش کل کھالینا۔ تمہاری دوا کا
پہلے ہی دیر ہو گئی ہے۔ ابھی کھانے بیٹھیں تو تمہاری
میڈیسن اور نیند دونوں اور بھی لیٹ ہو جائیں گے۔"
حریم کو مزید کسی احتجاج کا موقع دیے بغیر اس نے
اسے گود میں اٹھایا اور سیدھی اس کمرے میں لے گئی
جو شعر نے حریم کے لیے سجایا تھا۔ اس کا کھانا کھانے
کا موڈ مکمل طور پر ختم ہو چکا تھا۔ اپنی پلیٹ میں موجود
کھانا ویسے ہی چھوڑ کر وہ میز پر سے اٹھ گیا۔ شیشے کا
سلائیڈنگ ڈور کھول کر وہ بالکونی میں نکل آیا۔ دسمبر

اپنے ہاتھوں کا دھواں اڑاتے ہوئے وہ سڑک پر دوڑتی بھاگتی
گاڑیوں کو دیکھ رہا تھا۔ کافی دیر تک وہ کھڑا رہا۔ بوجھل
طبیعت کے ساتھ اسے سگریٹ کی طلب ہوئی تو اپنے
کمرے سے سگریٹ کا پیکٹ اور لائٹر اٹھانے کے لیے
وہ بالکونی سے واپس اندر آیا۔ اس کے بالکل ساتھ والا
کمرہ حریم کا تھا اور اس کمرے کے پاس سے گزرتے
اسے تحمید کی غصیلی آواز سنائی دی تھی۔
"حریم! میرا دماغ مت خراب کرو۔ دوا کھا لینے
میں اتنے نخرے۔ لوگوں کو ختم ہو گیا ہے تمہارے نخرے
کرتے۔ اب اگر تم نے مجھے تنگ کیا اور دوا نہیں پی تو
میں واقعی تمہیں ماروں گی۔"
وہ ایک زوردار دھماکے سے دروازہ کھول کر اندر
داخل ہوا۔ حریم اور تحمید دونوں نے سر گھما کر اسے
دیکھا۔ تحمید ایک ہاتھ میں چمچ جس میں کوئی سیرپ لیے
کھڑی تھی۔ حریم بیڈ پر منہ بسورے بیٹھی تھی۔ وہ
کھانے کے وقت سے ضبط کر رہا تھا۔ پتا نہیں کہاں
کہاں کا اور کس کس کا غصہ وہ اس معصوم بچی پر
اتارنے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ ایک دم بہت تیزی
سے حریم کے پاس گیا اور اسے گود میں اٹھا لیا۔ اس کی
آنکھوں میں آنسو بھرے دیکھ کر اس کا خون کھولنے
لگا۔
"دوا کیوں تنگ کر رہی ہے میری پرنسس کو؟" مسکراتے
ہوئے اس نے اس کے ماتھے پر پیار کیا اور اس کا چہرہ
ہاتھ سے پکڑ کر اپنے بالکل سامنے کیا۔
"پاپا!" بس کر اپنے ہونٹ بھینچ کر اس کی آنکھوں سے
آنسو گرنے لگے اور وہ آنسو دیکھ کر شعر حسین کو یوں
لگا جیسے کوئی اس کے دل میں سوئیاں چبھو رہا ہو۔ جیسے
کسی نے اس کے کلیجے پر ہاتھ ڈالا ہو۔
"پاپا! ماما دوا دے رہی ہیں۔ پاپا! دوا کڑوی ہوتی
ہے۔" وہ اس کے آنسو صاف کر کے اسے پیار کر رہا تھا
جب وہ کڑوی کو کڑوی بولی۔ "کڑوی گندی۔" بولنے کا
اس کا انداز اتنا پیارا سا تھا کہ باوجود شدید ترین غصے کے
وہ بے اختیار ہنسنے پر مجبور ہو گیا۔
"ہاں دوا کڑوی تو ہوتی ہے مگر کھانی تو پڑتی ہے
پرنسس۔ دوا کھائے بغیر جلدی سے ٹھیک کیسے ہوگی۔ ہوں؟" وہ
اس کی ناک سے اپنی ناک ملاتے ہنستے ہوئے بولا۔
"اچھا ایسا کرتے ہیں کہ پہلے ہم دوا لے لیتے ہیں
اور پھر فوراً اسٹرابیری یوگرٹ کھائیں گے۔ وہ اتنی
میٹھی اور اتنی ٹیسٹی ہوگی کہ اسے کھا کر پتا ہی نہیں
چلے گا کہ دوا کتنی کڑوی تھی۔"
وہ اسی کے سے انداز میں بولا۔ پھر اسے گود میں
لیے کمرے سے باہر کچن میں آ گیا۔ فریزر سے ایک
کپ اور کٹلری کے اسٹینڈ سے ایک چمچ لے کر وہ اسے
گود میں اٹھائے واپس کمرے میں آ گیا۔ جہاں ہاتھ میں
دوا سے بھرا چمچ لیے تحمید ابھی تک کھڑی تھی۔
"لاؤ۔ تحمید مجھے دو۔" اس نے سرد لہجے میں اس سے
کہا۔ اس نے چمچ اس کے ہاتھ میں دے دیا۔
"جلدی سے شاباش۔ آگے مجھے پتا ہے کہ میری
پرنسس کتنی بہادر ہے۔" اسے پیار کرتے ہوئے اس
نے چمچ اس کے منہ کی طرف بڑھایا۔ پھر خود کو بہادر
ثابت کرنے کے لیے یا شاید اس ٹھنڈی میٹھی
اسٹرابیری یوگرٹ کے لالچ میں اس نے منہ کھول دیا۔

"دوا کڑوی ہے پاپا! سوئیٹ ڈش دیں۔" ابھی چمچ
منہ میں گیا ہی تھا کہ اس نے کڑوے ہوتے منہ کو
بچانا چاہا تھا۔ اس نے فوراً یوگرٹ کا ایک چمچ بھر کر پکڑا
ہوا تھا۔ وہ احتیاط سے اتنے بھی نہیں بولی ہوگی کہ حریم
نے وہ چمچ جھٹ منہ میں لے لیا۔ تھوڑا پیچھے کھڑے
اس نے تحمید کی طرف دوسری دوا اٹھانے کے لیے ہاتھ
بڑھایا۔
"بس اور نہیں پیتی۔" پیلی دوا شاید وہ پہلے ہی دے
چکی تھی۔ حریم اب کپ اپنے ہاتھ میں لیے جلدی
جلدی یوگرٹ کھا رہی تھی۔ تحمید حریم کو اس کی گود سے
اٹھانے لگی تو خفگی سے منہ پھیر کر اس نے اس کے
کندھے میں منہ چھپا لیا۔
"حریم! دانت برش کر کے سونا ہے۔ پہلے ہی کافی دیر
ہو گئی ہے۔"
"حریم آپ سے کٹی ہے۔ پاپا اچھے ہیں۔ پاپا حریم

کے قریب ہیں۔"

"پاپا کے ساتھ سوؤگی حریم؟" اس نے آہستہ سے اس کے کان میں پوچھا۔ اس کے کندھے میں منہ چھپائے چھپائے اس نے سر کو زور زور سے اقرار میں ہلایا۔

وہ اسے گود میں اٹھائے وہاں سے اپنے کمرے میں لے گیا۔ اسے بیڈ پر لٹا کر اسے بھی چادر اوڑھائی اور پھر خود اس کے برابر میں تکیوں سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا اور ہولے ہولے اس کے بالوں میں انگلیاں چلانے لگا۔ سائیڈ ٹیبل پر رکھے سگریٹ کے پیکٹ میں سے ایک سگریٹ نکال کر اس نے منہ میں دبا کر سگریٹ کو شعلہ دکھانے ہی لگا تھا کہ اس کی حریم کے چہرے پر نظر پڑی۔ وہ آنکھیں حیرت سے وا کیے بڑی معصومیت اور دلچسپی سے اس کی اس تمام کارروائی کو دیکھ رہی تھی۔ جس کثرت سے وہ راتوں کو جاگ جاگ کر سگریٹ پیا کرتا تھا۔ وہ اس کی صحت کو کس طرح متاثر کرے گا یہ پروا اسے کبھی نہیں رہی تھی۔ مگر سگریٹ کا یہ دھواں اس کی ننھی بیٹی کی صحت پر کیا اثرات ڈالے گا یہ فکر اسے ایک پل میں لاحق ہوئی تھی۔ ایک سیکنڈ بھی نہیں لگا تھا اسے اس شعلے کو بجھانے میں۔ بڑی بے اختیاری کی کیفیت میں اس نے ایک لمحے میں سگریٹ واپس منہ سے نکالی تھی۔ سگریٹ اور لائٹر دونوں دوبارہ میز پر رکھ دیے تھے۔ حریم کے معصوم سے چہرے کو محبت سے تکتا وہ اس کے برابر میں لیٹ گیا۔ وہ آنکھیں کھولے لیٹی تھی۔ شاید اسے ابھی نیند نہیں آرہی تھی۔

"حریم نیند نہیں آرہی؟"

اس نے سر اقرار میں ہلایا پھر فوراً ہی اس سے کہا "پاپا کہانی سنائیں۔" اس نے اپنا ننھا سا ہاتھ اس کے سینے پر رکھا ہوا تھا۔

"کہانی؟" وہ ایک پل کے لیے جیسے ہولے سا گیا پھر اس کی آنکھوں میں کہانی سننے کی خواہش کو دیکھتے سر اثبات میں ہلا گیا۔ پھر کہانی زندگی میں بھی کیا نہیں تھا مگر کوشش کر کے وہ یاد کر کر کے جانوروں کی ایک کہانی اسے سنانے لگا لیکن کچھ ہی دیر میں حریم کے چہرے پر جوش و خروش کم ہوتا نظر آنے لگا تھا۔

"کیا ہوا پرنسس۔ کیا کہانی اچھی نہیں ہے؟"

اس نے بے ساختہ پوچھا۔

"ماما کے پاس جانا ہے۔" بغیر جھجکے اس نے اسے اپنی بے چینی کی وجہ بتادی۔ ابھی وہاں سے ناراض ہو کر اس سے منہ پھلا کر اس کے ساتھ یہاں آگئی تھی اور اب تھوڑی ہی دیر بعد دوبارہ وہیں جانا تھا۔ وہاں اس کی بچی کے لیے اتنی زیادہ ناگزیر ہے یہ احساس دل کو خوشی نہیں دے رہا تھا مگر اس کی مجبوری تھی بچی کی خواہش پوری کرنا۔ وہ حریم کو گود میں اٹھا کر واپس اسی کمرے کے پاس آگیا۔ اس بار اس نے دروازے پر ناک کیا تھا۔ شرٹ اور ٹراؤزر نکالتے ہی عورت ابھی بھی اس کی بیوی تھی جس نے اس کے ناک کرنے پر دروازہ کھولا تھا۔ اسے اگنور کرتا وہ سائیڈ سے نکل کر کمرے کے اندر آگیا اور حریم کو بیڈ پر لٹادیا۔ خود واپس بیڈ پر بیٹھ گئی تھی۔ حریم کو لٹا کر اسے پیار کر کے وہ وہاں سے جانے لگا تو اس نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"پاپا اسٹوری تو finish کریں۔"

"پرنسس! اب باقی کی اسٹوری کل سنیں گے ٹھیک ہے؟"

"نہیں آج۔" وہ ضدی انداز میں بولی۔

اس نے خود کی طرف تھوڑا سا سرکتے بیڈ پر اطمینان کے لیے جگہ بنائی اور بولی۔ "پاپا اسٹوری۔"

"سوئیٹ ہارٹ سیلی اسٹوری کل سن لیں گے۔ ابھی تمہیں سونا چاہیے۔"

"اسٹوری سنائیں نہیں تو حریم روئے گی۔"

اس دھمکی پر وہ مان کر مسکرایا اور اس کے برابر میں بیٹھ گیا۔ "ہاں تو ہم کہاں پر تھے؟" اس نے حریم سے پوچھا۔

"آپ لیٹ کر سنائیں۔" اس بار پھر بیٹی کی ضد سے پہلے ہی ہار مان کر وہ اس کے پاس لیٹ گیا۔

"پاپا۔ animals کی بات اچھی اسٹوری نہیں ہے۔" اس نے بیڈ کے دوسرے کونے پر لاتعلق

بھی خرد کو مخاطب کیا۔ "تو..." کچھ نہ بولا۔

"ادھر آؤ... ٹیبل پر۔" حریم نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اس کی لاتعلقی سے باہر نکال کر اپنی طرف دیکھنے پر مجبور کیا۔

کچھ دیر تک اس معصوم بچی پر بلاوجہ غصہ آتا رہا۔ خرد نے اس بار مسکرا کر اسے دیکھا اور اس کی ضد پر اسے اٹھا لیا اس بار ناراض ہونے کے بجائے اس کے بہت قریب ہوگئی۔ وہ نہیں جانتی تھی ہاں مگر وہ حریم کے قریب ضرور ہوگئی تھی۔ وہ بیڈ پر بہت قابل طریقے سے بیٹھی ہوئی تھی۔ ٹانگیں سمیٹ کر بالکل سیدھی۔ حریم ان دونوں کے بیچ میں آرام سے لیٹی ہوئی تھی۔ ایک ہاتھ اس نے اشعر کے اوپر رکھا ہوا تھا اور دوسرے سے مضبوطی سے خرد کو پکڑ کر کہا والے کہانی سنتے ہوئے اور کہانی صرف دو تین منٹ سن کر ہی اس کی آنکھیں بند ہونے لگی تھیں۔ خرد آہستہ آہستہ اس کے بالوں میں انگلیاں چلاتی رہی اور صرف چند منٹوں ہی میں وہ گہری نیند سو چکی تھی۔

اس کے سونے کے بعد وہ ایک سیکنڈ میں اس کمرے سے باہر آگیا تھا۔ اس عورت کے ساتھ ایک کمرے میں اپنی موجودگی اس کی برداشت کا کڑا امتحان تھی۔ آج جو رویہ اس نے صرف اس پر اپنا غصہ اور اپنی نفرت ظاہر کرنے کے لیے حریم کے ساتھ اپنایا وہ اس پر اسے بہت کچھ کہنا چاہتا تھا۔ مگر حریم کی نیند خراب نہ ہو اس خیال سے اس وقت کچھ کہا نہیں تھا۔

صبح وہ معمول کے مطابق اپنے وقت پر بیدار ہوا۔ اپنے کچھ کپڑے اور ضروری سامان وہ کل کمرے سے یہاں لے آیا تھا اس لیے آرام سے آفس جانے کے لیے تیار ہوگیا۔ کچن میں آکر ناشتے کے طور پر اس نے فریج میں سے جوس کا پیک نکالا اور اس میں سے ایک گلاس جوس وہیں کھڑے کھڑے پی لیا۔

کچن سے نکل کر اس نے کوٹ پہنا بریف کیس اور گاڑی کی چابی اٹھائی۔ اپارٹمنٹ سے نکلنے سے قبل وہ حریم کے کمرے میں گیا۔ اس نے آہستگی سے دروازہ کھولا۔ خرد جاگ رہی تھی تب ہی اس نے دستک پر اس نے فوراً" دروازہ کھول دیا۔ حریم کروٹ لیے قریب کھڑی نیند سو رہی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا اس کے قریب گیا بہت آہستگی سے جھک کر اس کے ماتھے پر پیار کیا اور پھر خرد کو اپنے ساتھ باہر آنے کا اشارہ کر کے کمرے سے باہر نکل گیا۔ وہ اس کے پیچھے کمرے سے باہر آگئی تھی۔

"آج دوپہر دو بجے کا ڈاکٹر عابد انصاری کے پاس اپائنٹمنٹ لے رکھا ہے میں نے۔ اسے چیک کرا آنا تیار رکھنا میں ایک سوا ایک بجے تک آؤں گا۔ اس کا اب تک جو ٹریٹمنٹ ہوا ہے اور جو کچھ میڈیسنز اسے دی جاتی رہی ہیں ان سب کی details (تفصیل) ڈاکٹر کے اب تک ہوئے تمام ٹیسٹوں کی رپورٹس سب کچھ تیار رکھنا۔" اس نے سرد لہجے میں اس سے کہا۔ خرد کے چہرے پر اس وقت لاتعلقی نہیں تھی۔ وہ پوری توجہ سے اس کی بات سن رہی تھی۔ اس کی طرف دیکھنے والا اس کی نگاہیں ضرور سپاٹ اور بے تاثر تھیں۔

"میں نے حریم کے لیے ایک میڈ کا بندوبست کر دیا ہے۔ نہایت خاتون ہیں شام سے اس کا شاید آگئی ہے۔ گھنٹے میں وہ یہاں آجائے گی۔ اس کے آجانے کے بعد حریم کے سارے کام وہ کیا کرے گی۔ میری بچی اسے نخرے دکھانے یا اس کا وقت برباد کرنے میں اسے اس سب کی کوئی ضرورت نہیں۔ تمہیں اب میری بچی کے کاموں اور اس کے ناز نخرے اٹھانے اور خدمت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ کل رات میں نے برداشت کر لیا۔ آئندہ کبھی تم اس پر چلائیں اور میں نے اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھے تو ہرگز برداشت نہیں کروں گا۔"

اس کے لہجے میں برف کی سی ٹھنڈک تھی اور اس کے تاثرات دو ٹوک اور نفرت سے بھرے۔ اپنی بات ختم کر کے وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا اپارٹمنٹ سے باہر نکل گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

اس شام وہ آفس سے قدرے جلدی آگیا تھا۔

صبیحت حسین تو اپنے معمول کے مطابق پہلے ہی گھر آچکے تھے۔ شام کی چائے کا وقت تھا جب تک حریم ان دونوں کے لیے چائے اور اس کے ساتھ چند ایک ہلکے پھلکے سے اسنیکس لے آئی تھی۔ ابھی ان لوگوں نے چائے پینی شروع ہی کی تھی کہ فریدہ بھی گھر آگئیں۔

"بالکل ٹھیک وقت پر آگئیں۔ آجائیے چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔" صبیحت حسین نے انہیں دیکھتے ہی کہا۔

"اگر چائے خرد نے بنائی ہے تو پیوں گی۔ ورنہ نہیں۔" پرس اور گاڑی کی چابی سینٹر ٹیبل پر رکھ کر صوفے پر بیٹھتے ہوئے انہوں نے کہا۔ فریدہ پر خرد بے ساختہ مسکرا دی تھی۔

"چائے بھی میں نے بنائی ہے ممی اور یہ چیزیں بھی۔ آپ چکھ کر تو دیکھیں۔ کیسا ہے۔" وہ صبیحت حسین کو ابھی بھی پاپا ہی کہتی تھی جبکہ فریدہ نے شادی کے ابتدائی کچھ عرصے بعد ہی خود کو ممی کہنے سے روک دیا تھا یہ کہہ کر کہ انہیں اپنی بہو کے منہ سے خود کو ممی کہلوانے سے اجنبیت اور فاصلے کا احساس ہوتا ہے۔ سو ان کی خواہش پر خرد انہیں اشعر ہی کی طرح ممی کہنے لگی تھی۔ صبیحت حسین ہوں یا فریدہ دونوں ہی کو چائے اور کافی صرف اور صرف خرد ہی کے ہاتھ کی پسند آتی تھی۔

شام کی چائے پر تو سب کا اکٹھا ہونا بہت ہی کبھی کبھار ہوا کرتا تھا۔ ہاں رات کے کھانے کے بعد یا چھٹی والے دن ضرور خرد سے فرمائش کر کے چائے یا کافی بنوا کر دونوں پیا کرتے تھے۔ فریدہ نے خرد کا لایا ہوا کیک چکھنا شروع کیا۔ وہ ان کا پسندیدہ تھا۔ پھر وہ اسی طرح اس کی تعریف کرتی رہیں۔ ان کی نگاہیں حیران دکھتی تھیں کہ یہ کیک خرد نے خود بنایا تھا۔ اتنی دیر میں خرد ان کے لیے چائے نکال چکی تھی۔

اس نے ان کے ہاتھ میں کپ پکڑایا اور خود بھی چائے پینے لگی۔ ہلکی پھلکی گپ شپ کے ساتھ وہ سب ساتھ مل کر شام کی اس چائے کو انجوائے کر رہے تھے۔ ابھی فریدہ نے چائے کا کپ خالی کر کے واپس ٹرے میں رکھا ہی تھا کہ ملازم نے ان کی کچھ ملنے والی خواتین کی آمد کی اطلاع دی۔

"میری بہت اچھی جاننے والی ہیں۔ اسلام آباد سے آئی ہوئی ہیں۔ آؤ خرد تمہیں بھی ملواؤں۔" انہوں نے صوفے پر سے اٹھتے ہوئے خرد کو بھی اپنے ساتھ ڈرائنگ روم میں آنے کے لیے کہا۔

وہ دونوں ساس بہو ڈرائنگ روم میں چلی گئی تھیں تو حسب عادت ان کے درمیان دفتری معاملات زیر گفتگو آگئے تھے۔

"تم خرد کے ساتھ خوش ہو نا اشعر؟" بزنس کی باتیں کرتے کرتے انہوں نے اچانک ہی اس سے پوچھا۔

"آپ کو کیا لگتا ہے؟" ان کے یک دم ہی موضوع تبدیل کرنے پر لمحہ بھر حیران ہونے کے بعد زیر لب مسکرا کر بولا۔

"لگتا تو خوش ہے۔" وہ بھی جواباً مسکرائے۔

"پھر تو آپ کو بالکل غلط لگتا ہے۔" ان کی بات کی سنجیدگی سے نفی کر کے اس نے ایک پل کا توقف کیا اور پھر اسی سنجیدگی سے بولا۔

"میں صرف خوش نہیں۔ بلکہ بہت بہت بہت زیادہ خوش ہوں۔ آپ کا انتخاب بہترین ہے ڈیڈی! میں خود اپنے لیے ڈھونڈنے نکلتا تو ایسی لڑکی کبھی نہیں ڈھونڈ سکتا تھا۔ وہ تو بہت انمول بہت نایاب ہی ہے دوسری لڑکیوں سے بہت مختلف ہے۔"

صبیحت حسین طمانیت بھرے انداز میں سرشاری سے مسکرائے۔ "تمہیں خرد کے ساتھ خوش دیکھ کر میں بہت خوش ہوں اشعر۔ ورنہ شادی کے بعد شروع میں تم مجھے جتنے الجھے ہوئے اور ناخوش نظر آتے تھے اس سے ہر پل میرے اندر ایک مجرمانہ احساس کروٹیں لیتا رہتا تھا مجھے لگتا تھا کہ شاید اچھا بھلا ہونے کا ثبوت دیتے دیتے میں ایک بہت برا باپ ثابت ہوگیا ہوں۔" انہوں نے توقف کیا۔

"ممی مجھ سے تمہاری بہت تعریفیں کرتی ہیں، پتا ہے تمہیں۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے اسے بتایا۔ "اور اب تم نے اس کا یونیورسٹی میں ایڈمیشن کروا دیا ہے اس سے تو وہ بہت زیادہ خوش ہے۔"

ثمر کی خوشی وہ بھی بہت اچھی طرح جانتا تھا۔ وہ شاید یہ سمجھ رہی تھی کہ پرانی روایتوں میں وہ اسے یونیورسٹی میں ایڈمیشن دلوانے کی بات کر گیا تھا اور اب اسے بھول بھی چکا ہو گا۔ اس رات کی اسے یاد تھی، ایڈمیشن دلوانے کی بات اسے بھول بھی چکی ہوتی مگر ایڈمیشن شروع ہونے پر جب اس نے ثمر سے ایڈمیشن لینے کی بات کی تب اس کی حیرت اور پھر خوشی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔

"تم اور ثمر ایک دوسرے کے ساتھ خوش ہو، میرا دل یہ دیکھ کر بہت خوش ہے۔ اللہ تم دونوں کو ہمیشہ خوش رکھے۔ ایک دوسرے کے ساتھ تم دونوں بہت اچھی خوشی زندگی گزارو۔ اپنی اولاد کو خوش دیکھنے سے بڑی خوشی والدین کے لیے اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ بس اب اللہ سے دعا ہے تو مجھے میرے پوتا پوتی کی خوشی اور دکھا دے پھر ایسا لگے گا جیسے دنیا کی ساری نعمتیں مجھے مل گئیں۔"

وہ ابو کی محبت بھری دعاؤں کو بڑی سنجیدگی سے سن رہا تھا مگر اپنے دعائیہ جملوں کے اختتام پر جو بات انہوں نے کی اسے سنتے اس کے ذہن میں بے ساختہ ثمر آ گئی۔ اگر ابھی وہ یہاں موجود ہوتی تو ڈیڈی کی دعا کے اس آخری حصے پر اس کا کیا ردعمل ہوتا۔ اس کا بے تحاشا سرخ پڑتا چہرہ اس کے تصور میں آ کر اسے ہنسنے پر مجبور کر رہا تھا اور وہ اپنی ہنسی بمشکل باپ سے چھپا رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ اپنے دفتری کام سے لندن گیا تھا۔ ثمر کے لیے کچھ شاپنگ کیے بغیر کیسے واپس آ سکتا تھا۔ جانے سے پہلے اس نے ثمر سے پوچھا کہ وہ اس کے لیے کیا لائے تو وہ - [illegible]

"کچھ بھی نہیں۔ بس آپ خیریت سے واپس آ جائیں مجھے اور کچھ نہیں چاہیے۔ میرے پاس سب کچھ ہے۔" "کچھ بھی نہیں" کہہ کر بات ختم کر دی تھی۔ اس نے لندن میں مختلف جگہوں پر جو جو کچھ پسند آیا وہ سب اس کے لیے لے لیا۔ [illegible] برانڈ کے بیگز، بہت سارے پرفیوم، میک اپ کا سامان اور بھی کئی چیزیں۔ مگر جو سب سے خاص اور سب سے قیمتی چیز اس نے اس کے لیے لی وہ ایک نیکلس تھا۔ ثمر کی سالگرہ آنے والی تھی اور وہ یہ نیکلس اسے اسی دن دینا چاہتا تھا۔ وائٹ گولڈ کی بہت نازک سی چین تھی جس میں ہیرے کی شکل کا لاکٹ [illegible] سے مرصع لاکٹ لٹک رہا تھا۔ بے حد خوب صورت اور نفیس تھا۔ لاکٹ درمیان سے کھلتا تھا اور ایک شرارت بھری مسکراہٹ آنکھوں میں لیے اس نے اس کے دونوں طرف اپنی ہی تصویریں لگا دی تھیں۔

اس کے واپس آنے کے اگلے روز ثمر کی سالگرہ تھی اور اس روز اس نے وہ نیکلس خود اپنے ہاتھوں سے اسے پہنایا تھا اور خود جیولری باکس ہاتھ میں لیے اس کے پیچھے کھڑا ہو گیا تھا۔

"ثمر! ابھی آنکھیں نہیں کھولنا۔" نیلے رنگ کے باکس میں سے نیکلس باہر نکالتے اس نے اسے تنبیہ کی۔ وہ اس کے پیچھے کھڑا تھا۔

"ہاں۔ اب آنکھیں کھولو۔" بڑی محبت سے وہ نیکلس اس نے اسے اپنے ہاتھوں سے پہنا دیا تھا۔ وہ چین کا لاک لگا رہا تھا اور ثمر بھی اپنی گردن میں سجے اس خوب صورت سے نیکلس کو آئینے میں دیکھ رہی تھی۔ آئینے میں نظر آتے اس کے عکس کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر خوشی بکھری ہوئی تھی۔

نیکلس پر آہستگی سے ہاتھ پھیرتے اسے یہ احساس ہوا کہ لاکٹ کھل سکتا ہے تو اس نے فوراً اس لاکٹ کو کھول لیا۔ وہ متبسم نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ "اس میں میری تصویر کیوں نہیں؟ دونوں طرف اپنی تصویریں لگائی ہیں؟"

"تاکہ تمہارے آس پاس ہر طرف بس میں ہی رہوں۔ تم خود اگر اپنے پاس نہ ہو تو بھی تمہارے پاس میں ہوں۔ اور ہاں! میری سالگرہ پر اپنی تصویر والا ایسا ہی لاکٹ تم بھی مجھے دے دینا۔"

پھر اس سالگرہ کو اور اچھی طرح منانے کے لیے وہ اسے ایک اچھے سے ہوٹل میں ڈنر کرانے لے گیا تھا۔ بہت [illegible] سالگرہ کا ڈنر۔ ثمر نے سرخ رنگ کا بہت خوبصورت لباس پہنا تھا اور بالوں کو اس کی فرمائش پر کھلا چھوڑ دیا تھا۔ اس کی گردن میں اس کا گفٹ دیا نیکلس سج رہا تھا اور ہاتھوں میں [illegible] بریسلیٹ۔ ثمر کو آج اپنی سالگرہ کے موقع پر ساس اور سسر سے بھی سرپرائز گفٹس ملے تھے۔ تحفے ملنے کی تو وہ کبھی عادی نہیں تھی۔ وہ اسے بہو کی حیثیت سے زیادہ بیٹی سمجھتے تھے۔ اپنی بیٹیوں کی طرح پیار کرتے تھے اور فریحہ جن کے ساتھ شادی کے ابتدائی دنوں میں ثمر اسی طرح دور دور اور کھنچی کھنچی رہتی تھی جیسے اس کے ساتھ، اب وہ ان کے بھی کافی نزدیک ہوتی جا رہی تھی۔ شروع میں فریحہ اس رشتے سے زیادہ خوش نہیں تھیں۔ ان کا اعتراض یہ تھا کہ جب ان میاں بیوی نے اپنی دونوں بیٹیوں کو ان کے زندگی کے ساتھی چننے کی پوری پوری آزادی دی تھی تو پھر بیٹے کے ساتھ یہ جبر کیوں؟ مگر اشعر اور ثمر کی شادی کے ابتدائی ایک دو ماہ بعد ہی ثمر کی عادات اور اس کے مزاج کی خوبیاں جب ان پر ظاہر ہوئیں تو خود بخود ان ساس بہو کے بیچ حائل دوری اور تکلفات بھی دور ہوتے چلے گئے۔ سونے کا وہ خوبصورت بریسلیٹ جو فریحہ ہر وقت پہنے رہتی تھیں، ثمر نے کسی وقت اس کی ان سے تعریف کر دی تھی۔ اس وقت تو انہوں نے اس کی تعریف پر کوئی خاص ردعمل ظاہر نہیں کیا تھا مگر آج اس کی سالگرہ پر انہوں نے اپنے زیور سے بالکل اپنے بریسلیٹ جیسا ہی ایک بریسلیٹ ثمر کے لیے بنوا کر اسے تحفے میں دیا تھا۔ ان کے دیے بریسلیٹ کا یہ تحفہ بہت قیمتی تھا مگر ثمر کے لیے اس کی اصل قیمت وہ محبت تھی جس کے ساتھ انہوں نے وہ اسے دیا تھا۔

ثمر کی سالگرہ خود اس کے ساتھ [illegible] اپنی سالگرہ کے دن گویا اس نے کینڈل لائٹ ڈنر سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔

"کسی ریسٹورنٹ میں کھانا کھانے کہ Oliver (زیتون) کھانے اور انہیں پسند کرنے کے لیے آپ کو پہلے وہ ٹیسٹ ڈیولپ کرنا پڑتا ہے کہ آپ ان کے ذائقے کو انجوائے کر سکیں۔" ثمر نے اپنی پلیٹ میں کانٹے سے ہٹا ہٹا کر جو تمام زیتون ایک جگہ جمع کیے تھے وہ انہیں دیکھ کر مسکرایا اور پھر اس کی پلیٹ میں جمع شدہ تمام زیتون اپنی پلیٹ میں منتقل کر لیے۔ Oliver وہ بھی Garlic stuffed green تو اس کی جان تھے۔ زیتون اسے بچپن سے مرغوب تھے۔ ثمر کو اسے ان میں پسند نہیں تھے۔ وہ خوب مزے لے لے کر سیاہ، سبز اور ہر قسم کے زیتون خوب شوق سے کھایا کرتا تھا۔ اسے ان کی کوالٹی کی بھی خوب پہچان تھی۔ اٹلی میں زیادہ اچھا زیتون پیدا ہوتا ہے یا اسپین میں یا یونان میں۔ اسے اپنے پسندیدہ پھل کے بارے میں بہت معلومات تھیں۔

جتنی دیر میں اس نے کانٹے کی مدد سے اس کے جمع شدہ زیتون اپنی پلیٹ میں منتقل کیے، ثمر اتنی دیر میں اس کا اورنج جوس کا گلاس اٹھا کر سارا جوس پی چکی تھی۔ اپنا جوس کا گلاس تو وہ پہلے ہی خالی کر چکی تھی۔ اپنے گلاس کو خالی پایا تو اس نے اسے گھور کر دیکھا جو لاپرواہی سے شانے اچکا کر ہنس رہی تھی۔

"آپ چیکی جانے اور کافی کیسے پی لیتے ہیں۔ میں تو کبھی نہیں پی سکتی۔" ڈنر کے اختتام پر کافی پیتے ہوئے ثمر نے اس سے کہا۔

"یہ اپنی اپنی پسند اور عادت کی بات ہے۔ مجھے چائے، کافی وغیرہ کا ٹیسٹ یونہی زیادہ اچھا لگتا ہے۔" کافی کا گھونٹ لیتے اس نے اسے جواب دیا پھر کچھ یاد آنے پر ہلکے سے مسکرا کر بولا۔

"ممی بتاتی ہیں جب میں چار، پانچ سال کا تھا اور ممی میرے فیورٹ [illegible] لے کر آتی تھیں تو اگر انہوں نے اس میں ذرا سی بھی [illegible] ایک

گورنمنٹ کے بعد میں وہ بچے سے صاف انکار کر دیتے۔"

"بہت افسوس کی بات تھی آپ کی۔ بعد میں تو میں نے بہت سوں کو بغیر کسی بیماری یا پرہیز کے شوقیہ اور عادتاً" سپیکنگ جاتے وغیرہ دیکھا ہے مگر کسی بچے کو کبھی نہیں دیکھا۔"

☼ ☼ ☼

"پاپا کہاں ہیں؟" سو کر اٹھنے کے ساتھ ہی حریم کو باپ کی فکر لاحق ہوئی تھی۔ رات مما پاپا دونوں اس کے پاس سوئے تھے مگر اب صبح کے وقت اپنے کمرے میں تو کیا اسے اپارٹمنٹ کے کسی حصے میں پاپا نظر نہیں آ رہے تھے۔

"وہ دوسرے شہر چلے گئے۔ حریم کو لگا بھی نہیں بتایا والی۔" جو بات اس نے رات اشعر سے سننے کے بعد کل کی واپسی کی تھی وہ اسے یاد تھی۔ وگرنہ وہ حریم کی "پاپا کہاں ہیں؟" کی گردان کو نظر انداز کر کے اس کا ناشتا تیار کرنے میں مصروف رہتی۔ فریج میں اور کچن کے کیبنٹس میں ہر طرح کی اشیائے خورد و نوش موجود تھیں۔ اس نے بہت اچھا سا ناشتا حریم کے لیے تیار کیا مگر اس نے ناشتا کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

اسے اپنی بہت چھوٹی اور معصوم سی بچی کے چہرے پر یہ خوف پھیلا نظر آ رہا تھا کہ اس کے پاپا اس سے کہیں دور چلے گئے ہیں۔ سو کر اٹھنے پر اسے وہ کہیں نظر نہیں آ رہے تھے تب ہی وہ ایسے منہ بسور کر بیٹھ گئی تھی۔

اپنے آپ کو درمیان سے نکال کر دیکھتی اور صرف حریم کا سوچتی تو وہ واقعی اپنی بچی کے لیے بہت خوش تھی۔ صبح وہ اس سے جو کچھ بھی کہی اور جیسے سے کہ کر گیا تھا اگر چاہتی تو وہ جواب میں اسی وقت اسے بہت کچھ کہہ سکتی تھی مگر وہ چپ رہی تھی۔ اس لیے نہیں کہ وہ اس شخص کی نفرت اور غصے سے خائف ہو گئی تھی بلکہ اس لیے کہ اسے بس اپنی بچی کی محبت والی سے غرض تھی۔ وہ اس دوران چاہے اسے جتنا بھی تنقید کرے کے ' اسے جتنا بھی بے عزت کرنے کے 'بدلے' کرے طلب نہیں

دے گی۔

"حریم! جاؤ ناشتا کر لو۔ تمہارے پاپا آفس گئے ہیں۔ تھوڑی دیر میں آ جائیں گے۔" وہ سلجھتے کی نے کہا۔ اس کے پاس بیٹھی تھی اور وہ لگے میں مصروف کر رہی تھی۔

"پاپا چلے گئے پاپا دوسرے شہر کیوں گئے؟" اس کی ضد سے ہار مان کر اس نے اپنا موبائل اٹھایا اشعر کا موبائل نمبر ملایا اور پھر بیل ٹھیک جاتی ہوئے کر کال ریسیو کیے جانے سے پہلے موبائل حریم کے ہاتھوں میں پکڑا دیا۔

"تم خود بات کر لو دیکھو تمہارے پاپا کہیں نہیں گئے ہیں۔"

☼ ☼ ☼

وہ ایک فائل پر دستخط کرتے اور سیکرٹری کو اپنی سیکرٹری کو کچھ ہدایات دینے میں مصروف تھا جب اس کے موبائل پر بیپ بجی۔ شدید مصروفیت کے دوران اس وقت وہ کسی اور کی کال کو نظر انداز کر دیتا مگر حریم کا نمبر دیکھ کر اس نے فوراً" وہ کال ریسیو کی۔

"ہیلو پاپا!" پیاری معصوم سی آواز حریم کی تھی۔

"میں ابھی کچھ دیر میں بات کرتا ہوں۔" اس نے سیکرٹری کو عجلت میں فارغ کیا۔

"ہاں بیٹا! بولو کیسی ہو؟"

"آپ دوسرے شہر چلے گئے ہیں؟" حریم کو بیچاری ڈرائیونگ کا بھی مکمل یقین دلانے حریم "آپ سے کٹی۔ حریم آپ سے بات نہیں کرے گی۔"

"ارے ارے۔ آپ ناراض ہو گئیں۔ بس پاپا آفس میں ہیں۔ تھوڑی دیر میں آپ کے پاس آ جائیں گے اور بہت پیاری کی ڈول حریم کے لیے کی گڑیا بھی لائیں گے بلکہ ایک نہیں بہت ساری لائیں گے اور بھی ڈھیر سارے کھلونے حریم کو دلائیں گے۔" بالکل اسی کے انداز میں "کٹی" کو "دوستی" میں بدلتے اس نے لاڈ اور پیار سے یقین دلایا۔

"پرامس؟"

"بالکل پکا پرامس۔" تو اس کی بے اختیاری پر دکھ بھرے انداز میں مسکرا کر بولا۔ "تو اب ماما نہیں ہے ناشتہ کیا ہے؟"

"نہیں، ماما کہتی ہیں۔ حریم نے نہیں کھایا۔"

"بری بات، اچھے بچے ماما پاپا کی بات مانتے ہیں۔ شاباش جلدی سے ناشتہ کرو پھر ٹی وی دیکھو میں تھوڑی دیر میں میں بھی آ جاؤں گا۔" کال بند ہو جانے کے بعد وہ کئی منٹ موبائل ہاتھ میں لیے یونہی بیٹھا رہا۔

"آپ دوسرے شہر چلے گئے ہیں پاپا؟" اس کی چار سال کی ننھی معصوم سی بیٹی اس پیچھے کیا ہی کیسے کیسے خوف اور اندیشے اپنے دل میں پیدا کر بیٹھی تھی۔ اس کا دل دکھ سے بھر گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

ٹھیک ساڑھے ایک بجے اشعر گھر آ گیا تھا۔ جلدی واپس ہونے کے باوجود اس نے نقلی پیار سے اس کی آمد پر اس کی ننھی سی جان کو لگتے خوشی کی طرح ہی لگتی ہے یہ منظور کل دیکھتا تھا اور آج بھی دیکھنا چاہتا تھا۔

"پاپا آ گئے" ماما آ گئے؟ دروازہ اسی نے کھولا تھا۔ ریڈ فراک اور وائٹ جیلی لیس ٹاپ میں وہ اسے بہت پیاری لگ رہی تھی۔

looking very pretty darling"

"You are

جھک کر اسے پیار کرتے اس نے بڑی محبت سے کہا۔

"تھینک یو پاپا" بڑی ادا سے بے نیازی سے اس نے شکریہ یوں ادا کیا جیسے اپنی تعریف سننا تو اس کے لیے معمول کی بات ہے۔

"ماما پاپا آ گئے پاپا دوسرے شہر نہیں گئے۔" اس نے خوشی سے کچن میں ماں کو آواز دی۔

"پاپا اب تمہیں چھوڑ کر کسی دوسرے شہر نہیں جائیں گے سویٹ ہارٹ، ہمیشہ اپنی پرنسس کے ساتھ رہیں گے۔" اس کی آواز بھرا سی گئی۔ وہ اپنی اولاد سے زیادہ اپنی بیٹی کے لیے آزردہ تھا۔ خود کو کرتے

سے نکل کر اس طرف تکتی تو اسے دیکھ کر وہ فوراً سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اپنی کوئی بھی بے بسی، کمزوری وہ اس عورت پر ہرگز ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"آپ ہم ایک بہت اچھے ڈاکٹر انکل کے پاس جا رہے ہیں۔ وہ ہماری پرنسس کا چیک اپ کریں گے۔ اس کے لیے بہت اچھی میڈیسن دیں گے اور ہماری پرنسس جلدی سے بالکل ٹھیک ہو جائے گی۔" اس نے گاڑی کی پچھلی نشست پر بیٹھی حریم سے کہا۔

"پھر ماما حریم کو اسکول جانے دیں گی؟"

"بالکل جانے دیں گی۔ جب پاپا کی پرنسس بالکل ٹھیک ہو جائے گی تو پاپا اسے بہت اچھے والے اسکول بھیجیں گے۔"

"ابھی حریم کو اچھے اسکول نہیں جانا۔ حریم کو اپنے اسکول جانا ہے۔ وہاں کی ساری بچے ہیں۔ ٹیچر بہت مزا آتا ہے پاپا۔" وہ اپنے اسکول، دوستوں اور ایک نارمل لائف کو کس قدر مس کر رہی تھی۔ اس عمر بچوں کی طرح وہ بھی اسکول جا سکتی تھی نہ کھیل کود تفریحات اور دوستوں کی سنگت کو انجوائے کر سکتی تھی۔ جا کتا دوڑنا اور کھیلنا کودنا اس کے لیے ادا چل لیتا ہی کسی مشقت میں ڈال کر رکھتا۔

ان کی گاڑی جس جگہ سے گزر رہی تھی وہاں اس سڑک پر آگے پیچھے کئی اسکول تھے اور ان اسکولوں کی چھٹی کا ٹائم تھا۔ حریم ان اسکولوں سے نکلتے یونیفارم پہنے صحت مند، تندرست بھاگتے دوڑتے ہنستے مسکراتے بچوں کو آنکھوں میں حسرت لیے تکتی جا رہی تھی۔ ایک ایک منظر میں وہ اس کا ہر جزو ہر رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں یہ حسرت اس سے دیکھی نہیں جا رہی تھی۔

"میری پرنسس کس کلاس میں پڑھتی تھی۔ اپنے اس کی سوا اسکول میں؟"

"کے جی ون میں۔"

"کے جی ون میں۔ زبردست بھئی۔"

"پاپا حریم کو اسکول جانا ہے۔ ماما اسکول نہیں جانے دیتیں پاپا ماما رسیدہ اور علی کے ساتھ کھیلنے نہیں

دیتیں پاپا" شکوہ بھرے اس نے اس سے ماں کی شکایت کی۔

"ابھی آپ کی طبیعت تھوڑی سی خراب ہے بیٹا، اس لیے ماما منع کرتی ہیں۔ آپ ڈاکٹر انکل کا جو میڈیسن دیں گے وہ سب ٹھیک ٹائم پر کھاؤ گی تو جلد ٹھیک ہو جاؤ گی۔ رسیدہ اور علی کے ساتھ کھیلو گی بھی اور پھر پاپا اور حریم ہی سارا دن کھیلیں گے اور دوسرے بھی بہت سارے جھولوں پر بیٹھیں گے اور جب تک ہماری پرنسس کی طبیعت پوری طرح ٹھیک نہیں ہو جاتی تب تک ایسا کر لیتے ہیں کہ حریم گھر پہ ماما پاپا کے ساتھ چھپا کرے گی اور ماما اور پاپا کے ساتھ ہی کھیلے گی بھی۔ ماما اور پاپا کو بھی بہت سارے اچھے اچھے گیمز آتے ہیں تو حریم کو بور نہیں ہونے دیں گے۔ کیسی بھی ٹیل ٹھیک کہہ رہا ہوں نا؟"

حریم سے بات کرتے چلتے کے اختتام پر اس نے اپنے برابر والی نشست پر بیٹھی خود کو مخاطب کیا جو کل کی طرح مداخلت سے ... بیٹھی تھی۔ وہ اس کی اور حریم کی باتیں دھیان سے سن رہی تھی۔ اس نے گردن گھما کر حریم کی طرف مسکرا کر دیکھا اور سر اثبات میں ہلایا۔ بیٹی کی خوشی کے لیے دل پر جبر کر کے اسے مخاطب بھی کرنا پڑ رہا تھا۔ اس کی بیماری جس کی زندگی میں اور کچھ بھی نظر نہیں آتا تھا، اپنی تھوڑی سی خوشی ماں باپ کے سنگ گزارنے چند خوشگوار روز و شب بھی کیا بیماری کے ان دنوں میں دے سکتا تھا۔ بیماری کے ان دنوں میں اس پھول سی بچی کے لیے خوشیوں بھرے دن، راتیں کے یہ ارادے بہت اہم تھے بہت ضروری تھے۔

☆ ☆ ☆

وہ ہسپتال پہنچے اور کچھ دیر کے انتظار کے بعد ان کی باری آئی تو آخر کار وہ ملک کے اس نامور ترین pediatric heart surgeon کے روبرو بیٹھے جن کی بھاری فیسوں کے سبب کوئی عام آدمی ان سے علاج کرانے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ ڈاکٹر عابد انصاری بچوں میں دل کے امراض کے علاج کے حوالے سے ایک نیک نامی میں بین الاقوامی طور پر ایک تسلیم شدہ کامیاب اور قابل احترام نام۔

"واہ رے مولا تیری شان۔ پیسے میں اتنی طاقت ہے۔ اتنی زیادہ طاقت۔" اس شعور آگہی کے منبع پہنچنے پر اس کے دل نے کہا۔ وہ حریم کو علاج کے لیے ڈاکٹر عابد انصاری کے پاس بھی لا سکتی ہے یہ تو شاید اس نے تصور میں بھی نہیں سوچا تھا۔ دوسری جانب ڈاکٹر عابد انصاری نے مسکرا کر بڑی خوش دلی کے ساتھ ان لوگوں کو خوش آمدید کہا تھا۔

ڈاکٹر عابد انصاری نے دو منٹ اشعر کے ساتھ ہلکی پھلکی سی تعارفی گفتگو کی پھر وہ حریم کی طرف متوجہ ہوئے۔ "کیا نام ہے اس سویٹ گرل کا؟" انہوں نے حریم سے پوچھا تھا۔

"حریم حسین۔ پر پاپا حریم کو پرنسس کہتے ہیں۔" ڈاکٹر انصاری اس جواب سے کھلکھلا ہوتے قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔ اس ہنسی میں اشعر کی ہنسی بھی شامل تھی جبکہ وہ کسی ہلکی سی چمک سی سنجیدگی سے مسکرا دی تھی۔

"بالکل ٹھیک کہتے ہیں۔ یہ سویٹ گرل تو واقعی بالکل کسی پرنسس جیسی ہی لگ رہی ہے۔" ڈاکٹر انصاری نے مسکراتے ہوئے کہا۔ حریم کے لبوں کی مسکراہٹ بتا رہی تھی کہ اسے ڈاکٹر انکل پسند آ گئے ہیں۔ انہوں نے اشعر کے ہاتھ سے حریم کی رپورٹس والی فائل لی۔ چند منٹ ان رپورٹس کو دیکھتے رہے کے بعد انہوں نے پہلے حریم سے گفتگو شروع کی۔

ڈاکٹر انصاری اس سے دوستانہ انداز میں باتیں کر کے اس کی بعض کیفیات کے متعلق اندازے قائم کرنا چاہ رہے تھے۔ حریم کے بعد وہ خود کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔

زبانی طور پر حریم کی پوری تمام میڈیکل ہسٹری لے لینے کے بعد اس کے فزیکل ایگزام کے لیے انہوں نے اسے مریضوں کے لیے مخصوص بیڈ پر لٹایا اور بڑی باریکی سے لٹا کر اس کا تفصیلی معائنہ کیا۔

خود سے ذاتی ڈاکٹروں کی فائل چھپائی تھی اور اپنے

حارث ڈاکٹروں سے مشورہ کیا تھا کہ کیا سرجری کی جانی تھی
کہ سرجری کے علاوہ دوسرا کوئی علاج حرم کو صحت یاب
نہیں کر سکتا پھر بھی وہ نئے سرے سے دعا کرنے لگی تھی
کہ یہ کامیاب اور قابل ڈاکٹر کچھ ایسا طریقہ علاج
انہیں بتائے کہ حرم کی major یا minor کسی
سرجری کے بغیر ہی صرف میڈیسنز ہی سے ٹھیک
ہو جائے۔

کل دونوں کے اختتام پر ڈاکٹر انصاری نے انہیں
بتایا کہ حرم کے تمام ٹیسٹ واضح طور پر بتا رہے ہیں کہ
اس کی اوپن ہارٹ سرجری ہونی ہے اور جلد از جلد
ہونی ہے۔ یہ ایک بالکل سیدھی حقیقت ہے۔ کچھ
ٹیسٹ جو حرم کے پہلے بھی ہو چکے تھے انہوں نے
دوبارہ کروائے تھے اور باقی وہ tests
———— جو حرم کے ہو چکے تھے مگر
انہیں اپنے ہاں کی لیبارٹری میں دوبارہ کروانا چاہتے تھے
۔ کیونکہ وہ ان کے نتائج سے سو فیصد مطمئن نہیں
تھے۔

انہوں نے اشعر اور خود کو بتایا تھا کہ بعض اوقات
بچوں میں پیدائشی طور پر دل کے ایک نہیں بلکہ ایک
سے زیادہ نقائص موجود ہوتے ہیں اور کبھی کبھار ایسا
بھی ہوتا ہے کہ پیدائشی طور پر تو بچے کے دل میں
صرف کوئی ایک ہی نقص ہوتا ہے مگر وہ نقص اپنی
شدت کے سبب دل کی ساخت اور اس کے کام کرنے
کے طریقہ کار میں بری طرح بگاڑ لا چکا ہوتا ہے۔ ایسے
کسی نقص کا پتا ان جدید اور advanced tests
ہی کے ذریعے چل پاتا ہے وہ ان کے نتائج دیکھنے کے
بعد سرجری کے وقت اور طریقہ کار کے بارے میں
بتا سکیں گے۔

"آپ سرجری کے نام سے اتنا کیوں ڈر رہی ہیں
مسز اشعر؟" ان کے لبوں پر مقابل کو حوصلہ اور
اطمینان دلانے والی ایک نرم سی مسکراہٹ تھی۔
"بچوں میں congenital heart defects
بہت عام بات ہے اور ان کو بذریعہ
سرجری درست کرنا اس سے بھی زیادہ عام بات۔ آپ
کی بیٹی تو پھر چار سال کی ہے۔ میں نے اپنے ہاتھوں
سے چند ماہ کے بچوں کے تو کیا چند دنوں کے بچوں تک
کی اوپن ہارٹ سرجریز کی ہیں۔ ابھی 10 دن پہلے ہی
میں نے ایک 20 دن کی بچی کی کامیاب اوپن ہارٹ
سرجری کی ہے۔ ماشاء اللہ وہ بالکل ٹھیک ہے۔"
"کیا اوپن ہارٹ سرجری ہی اس کا واحد علاج ہے؟"

"بچوں میں چند ایک پیدائشی نقائص بہت معمولی
نوعیت کے ہوتے ہیں۔ وہ بچے کے ذرا بڑا ہونے پر، عمر
بڑھنے کے ساتھ ساتھ یا تو آپ ہی درست ہو جاتے ہیں
یا پھر دواؤں کے ذریعے انہیں درست کر دیا جاتا ہے۔
مگر دل کے بڑے نقائص ہوتے ہیں جیسے کہ حرم کا
نقص۔ اس طرح کے بڑے نقائص کو تو سرجری ہی
کے ذریعے ٹھیک کیا جا سکتا ہے۔"

ڈاکٹر انصاری کے پاس سے اٹھنے کے بعد اب وہ
لوگ دوبارہ حرم کے ٹیسٹ کروا رہے تھے۔ کچھ ٹیسٹ آج
ہی ہو رہے تھے اور کچھ کے لیے انہیں کل اور پھر آنے
والے مزید چند دنوں میں یہیں آنا تھا۔

وہ شہر کے سب سے بڑے اور مہنگے ہسپتال میں
تھے۔ وہاں حرم کو لے کر ادھر سے ادھر انہیں کہیں
نہیں دوڑنا پڑ رہا تھا۔ وہ وہاں موجود نرسوں اور دیگر
اسٹاف کی خوش اخلاقی اور مستعدی دیکھ رہی تھی۔
پیسے کی طاقت دیکھ رہی تھی۔ انسان کی کوئی قیمت نہیں
۔ قیمت صرف پیسے کی ہے۔ یہ دیکھ رہی تھی اور ساتھ
ہی اسے اپنی وہ خواری [illegible] یاد آیا
تھا۔ پیسے کی طاقت کے آگے ہار ماننے والی وہ لڑکی
ایک بار پھر اس سچائی کو تسلیم کر رہی تھی کہ پیسے
کے بغیر کچھ نہیں۔ کسی کی کوئی اوقات نہیں۔ اس
ملک کے حکمران چاہے ترقی اور کامیابی حاصل کرنے
کی کتنی ہی بڑی بڑی باتیں کیوں نہ کرتے ہوں، سچائی تو
یہی ہے کہ یہاں عام آدمی کو دیگر بنیادی سہولتوں کے
ساتھ ساتھ علاج معالجے کی بھی کوئی سہولیات حاصل
نہیں۔ اچھا علاج اور دوائیں عام آدمی کی دسترس سے
پہلے سے بھی زیادہ دور ہوتے چلے جا رہے ہیں۔

اس کی بیٹی کو آج اچھا علاج میسر تھا، مگر جانے
کیوں اسے وہ بہت سے ننھے ننھے بچے یک دم یاد
آنے لگے تھے۔ جنہیں وہی مرض لاحق تھا جو حرم کو
تھا۔ جن کے والدین کو حرم کے علاج کے دوران اس
نے مختلف ہسپتالوں میں اپنی ہی طرح خوار ہوتے اور
یہاں سے وہاں پریشان حال پھرتے دیکھا تھا۔
باقی سب حرم نے آسانی سے کروا لیا تھا مگر بلڈ
ٹیسٹ کے وقت وہ رو پڑی تھی۔ سوئی دیکھتے ہی وہ
خوف زدہ ہو کر چلا کر رو پڑی تھی۔
تھوڑے ٹائم بعد حرم کے کمرے کا تھا کہ حرم اس
سے بچی خوف زدہ سی بیٹھی تھی۔ اس کی آنکھوں میں
سرخ ڈورے تھے خوف تھا اور شدید مسلسل انکار۔ اشعر
اسے پیار سے بہلانے کی کوشش کر رہا تھا۔
"پاپا کیسا درد ہوتا ہے؟"
"پاپا کی پرنسس تو بہت brave ہے۔ بہادر ہے۔
ہے کہ نہیں؟" وہ اس کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ
گیا۔ "ہمیں جلد ہی یہاں سے جا کر ڈول بھی خریدنی
ہے۔ کیا کریں گے۔ ایک ڈول ہاؤس بھی لے لیں
گے۔"

"بڑی سی ڈول والا ڈول ہاؤس لیں گے اور اس کے فرنیچر
بھی اور وہ والی ڈول بھی جو پریم میں بیٹھتی ہے۔ وہ ڈول
ہے تو اس کی eyes سے tears آتے ہیں۔ آواز
بھی آتی ہے اور اس کی فیڈر بھی ہوتی ہے۔"
اپنے مطلب کی بات سمجھانے کا اس کا طریقہ اتنا
دلچسپ اور مزے دار تھا کہ سنجیدہ تاثرات والی نرس
بھی بے اختیار مسکرائی تھی۔ اشعر نے [illegible] جانے
کتنی ... کے قصوں میں لگایا تب تک
نرس اپنے کام سے فارغ ہو چکی تھی۔
"حرم بہادر ہے نا پاپا؟" وہاں سے نکلتے حرم نے
اشعر سے پوچھا۔
"بالکل پرنسس۔ اتنا بہادر تو کوئی بچہ میں نے آج
تک دیکھا ہی نہیں ہے۔" پہلے دو بجے سے یہاں
آئے اب حرم ٹیسٹس وغیرہ سے فارغ ہو کر آئے ہوئے
ان لوگوں کو خاصی دیر ہو چکی تھی۔ اس وقت شام کے
سات بج رہے تھے۔ وہ حرم کی بیماری کی تشخیص اور
ڈاکٹرز کے کمروں سے پہلے سے بھی آگاہ تھی۔ مگر
اشعر ان سے یوں آگاہ نہیں تھا۔ تب ہی دونوں منتظر
سا نظر آ رہا تھا۔ وہ دیکھ رہی تھی کہ وہ حرم کی خاطر
زندگی میں پہلی بار اپنی انا کو روند رہا ہے اس کے
ماتھے پر تفکر سے پڑی گہری لکیریں صاف نظر آ رہی
تھیں۔

شہر کے مہنگے ترین کمرشل علاقے میں سے اس
ڈیپارٹمنٹل اسٹور کی دوسری منزل پر موجود اس بہت
بڑی سی کھلونوں کی دکان میں داخل ہونے سے پہلے
تک حرم، اشعر کی گود میں تھی۔ مگر دکان میں گھستے ہی
وہ اشعر کی گود سے اچھل پڑی۔ وہ بہت بڑی دکان تھی
وہاں تمام کھلونے اسٹینڈز پر تھے اور کھلونے بچوں کی
دلچسپی کے لیے ریکس میں سجا کر اس طرح رکھے تھے
کہ بچے انہیں خود ہاتھوں میں اٹھا کر چلا پھرا کر دیکھ
لیں، پسند کر لیں۔
آج ایک ہی دن میں دوسری بار اسے اپنی کم مائیگی
اور کم حیثیتی کا شدت سے احساس ہو رہا تھا۔
اس نے بیٹی کے خوشی سے سرشار، ہنستے
کھلکھلاتے چہرے کی طرف دیکھا۔ اپنی کم مائیگی
کے احساس کو بھلا کر اس کی خوشی پر خوش ہونے لگی۔
حرم جس کھلونے پر ہاتھ رکھ رہی تھی، اشعر اسے
دلا رہا تھا۔ تب ہی ایک گھنٹے بعد جب وہ اس دکان سے
باہر نکلے تو اشعر کے ساتھ ساتھ خود اس کے ہاتھوں میں
بھی کئی بڑے بڑے شاپنگ بیگز موجود تھے۔
"اب ہم کسی اچھی سی جگہ پر ڈنر کریں گے اور پھر
گھر جا کر ہم کھلونوں سے کھیلیں گے۔"
"حرم بیٹا پارک آج نہیں۔ کل چلیں گے۔ زیادہ
چلو پھرو گی تو تھک جاؤ گی۔ طبیعت خراب ہو جائے
گی۔" اسے اشعر سے ضد کرتا دیکھ کر اس نے پیار
سے سمجھایا۔
"آپ پارک بھی نہیں لے جاتیں۔ آپ حرم کو
کھیلنے بھی نہیں دیتیں۔" وہ اس سے خفا ہو کر ضدی
لہجے میں بولی۔

"نہیں تم اور آپ کی ماما ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ پارک کل چلیں گے اور ویسے بھی آج تو آپ کو اپنی اتنی ساری چیزوں سے کھیلنا ہے۔ ہم دیر سے گھر پہنچیں گے تو پھر آپ کس وقت کھیلیں گی ان سے؟"

یہ لالچ ایسا تھا کہ وہ فوراً مان گئی تھی۔ ورنہ اسے ماں سے یہ شکایت ہو رہی تھی کہ وہ اسے دوڑنے بھاگنے، کھیلنے اور جھولے جھولنے نہیں دیتیں۔

اشعر نے گاڑی ایک ریسٹورنٹ کے آگے لا کر روکی۔ وہ تینوں اندر گئے۔ تیج اب تو لازمی تھا۔ اس کے ساتھ چکن اور مشروم والا اسپگیٹی۔ لوبیچ جوس اور فروٹ ٹرائفل حریم نے اپنے لیے پسند کیا تھا۔

"تمہیں کیا کھانا ہے جاوید؟" حریم کی لسٹ پوری ہو گئی تو مینو دیکھتے اشعر نے اپنے لیے ایک سلاد اور ایک پراٹھا اور چاول اور سنگل سلواتی ڈش کا آرڈر کرتے اس سے کہا اس کی طرف دیکھ کر بغیر کسی تاثر کے۔ بہت عام سے لہجے میں۔ جس میں کسی بھی طرح کے کوئی جذبات شامل نہیں تھے۔ بھوک [illegible] مجھے نہیں لگتا کہ میں [illegible] آج صبح ہی غائب ہو گئی۔ تیج اس نے حریم کے ساتھ بیٹھ کر ناشتہ کیا تھا۔ اشعر حسین کے گھر میں۔ اس کے کھلائے ہوئے چیزوں کا ناشتہ۔ حریم کی بیماری کی وجہ سے اس کی بیماری سے لگتا تھا خود بھی تو بالکل صحت مند اور تندرست رہتا تھا۔ اس نے ویٹر کو اپنے لیے ایک بہت سادہ سی ڈش آرڈر کر دی۔ جب تک کھانا سرو نہیں ہو گیا حریم ان دونوں سے مختلف [illegible] قسم کی باتیں کرتی رہی۔ وہ اس سے بات کرتی ہوئی تو اس گفتگو میں اشعر کو بھی گھسیٹتی اور اشعر سے بات کرتی ہوئی تو اسے بھی ان باتوں میں زبردستی شامل کر لیتی۔ "جیسے پاپا!" "بے مثل پاپا!" اقرار کرکے۔

"آپ کہہ رہی تھی کہ حریم کی شکل پاپا جیسی ہے۔" وہ حریم کی پلیٹ میں تیج اپ ڈالتے ہوئے اس بات پر کچھ بھی نہیں بولا۔

"بالکل پاپا جیسی ہوں، حریم پاپا جیسی ہے؟"

"بالکل پاپا جیسی ہو تم۔ تب ہی تو اتنی خوب صورت ہو۔" اشعر کے جواب پر خوشی سے کِھل جانے والی کھلکھلا کر ہنسی۔

"حریم پاپا جیسی ہے۔" جب وہ یوں کھلکھلا کر ہنستی اور ہنستے ہوئے اس کی آنکھیں بھی چمکنے لگتیں۔ تب وہ اسے نظر بھر کر دیکھتے اور نے کہتی تھی اس کی بیماری کے علم میں آنے کے بعد سے اسے ایسا ڈر لگا تھا کہیں اس کی اس موہنی باتوں کی خوشی کو خود اس کی نظر نہ لگ جائے۔ پہلے ہی نہ جانے کس کی نظر لگی تھی جو آج تک کھلکھلائی۔ اس کی خوب صورت بچی جس نے زندگی کا ابھی صحیح معنوں میں آغاز بھی نہ کیا تھا، اس بیماری کی شکار ہو گئی تھی۔

"حریم تمہاری ماما کو بھی بہت زیادہ بیماری ہے۔"

حریم اب ٹرائفل کھا رہی تھی اور اس کی چہرے پر اچھا لگا۔ یہ [illegible] کرتی رہی۔ پلیٹ میں خود لگ جاتے اس نے اشعر کی یہ بات سنی۔ بے اختیار سر اٹھا کر اس نے اسے دیکھا اور حریم کے مسکراتے چہرے کو محبت بھری نظروں سے دیکھا۔ نظر آیا ان دونوں ہی نے بہت تھوڑا اور دیر لگائے ہم کہا کہا تھا۔ یہاں حریم نے اس بار کو ہے تماشا نیو کے ہاتھ لیں۔ واپس آ کر حریم لیونگ روم میں قریب بیٹھ کر کھلونوں سے بھرے سارے شاپنگ بیگز لے کر بیٹھ گئی۔ وہ بھی حریم کے ساتھ وہیں بیٹھی تھی۔

"آپ ابھی لوگ کھیلیں۔ میں ابھی تھوڑی دیر میں واپس آتا ہوں۔"

وہ گھر واپس آ کے دوبارہ کہیں جا رہا تھا۔

وہ خاموشی سے سر جھکائے حریم کے کھلونوں کو ان کی دلکش پیکنگ سے باہر نکالتی رہی مگر حریم نے "کہاں جا رہے ہیں اور کہاں جا رہے ہیں۔" جیسے سوالات کی اشعر پر بوچھاڑ کر دی۔ وہ نہیں جانا چاہ رہی تھی کہ وہ جاتے وہ جا رہی تھی کہ آج ساری خوبصورت اور ڈھیر سارے کھلونے اس کے گرد بکھرے ہیں۔ ان سے کھیلتے وقت بڑے کے ساتھ ساتھ پاپا بھی اس کے پاس موجود رہیں۔

"ابھی ابھی نیو ٹی پارٹی کرتی تھی۔" بس بعد کرو اس نے اپنے کھلونے کے بچنگ کر کے ٹی سیٹ کی طرف اشارہ کیا۔ ٹی پارٹی کرتا ہے اس اور اسکول اسکول کھیلنا۔ اسکول سے آ کر ٹیچر کر وہ وہ ABC الف ب پ لکھتا۔ مختلف گڑیاں اور ٹیڈی بیئرز کو سامنے کرسی پر اسٹوڈنٹس بٹھا کر وہ ٹیچر بن کر پڑھاتا ہے سارے کھیل تنہا کے لیے نہیں تھے۔ وہ حریم کے ساتھ اس کی پسند کے تمام کھیل کھیلنے کی عادی تھی بس آخری کی بعد کو حریم کے ساتھ کرتی تھی۔ گھر گھر اور ٹی پارٹی جیسے کھیل اس کی فرمائش اور خوشی کی خوشی کے لیے اس کے ساتھ کھیلتی تھی مگر اشعر کے لیے یہ ایک عجیب سی بات تھی۔ ایک پل کے لیے ٹی پارٹی کے الفاظ پر حیران ہوا۔ پھر کچھ سوچ کر آنکھوں میں دلچسپی اور محبت لیے حریم کے پاس کارپٹ پر بیٹھ گیا۔

"کیسے ہوتی ہے ٹی پارٹی۔" اشعر نے حریم سے پوچھا جو چھوٹی چھوٹی ساسرز پر پھول دار کپوں کو سیٹ کر کے رکھ رہی تھی۔ اس نے تین کپ، ساسرز میں جمائے۔ ساسرز میں شکر ملانے کے لیے چھوٹے چھوٹے چمچ رکھے۔ کیتلی کو ڈھکن لگایا۔ شوگر پاٹ ٹھیک سے رکھا۔ جب سب چیزیں اشعر اور تیرو کے سامنے ٹھیک سے رکھ دیں تب اس نے پہلے اشعر کے کپ میں کیتلی سے فرضی چائے انڈیلی، پھر تیرو کے اور آخر میں اپنے کپ میں۔ پھر اشعر اور تیرو کے کپوں میں شوگر پاٹ اٹھا کر فرضی چینی ڈالی۔ اسے چمچ سے ملایا اور پھر بہت سنجیدگی سے بولی۔ "چائے پئیں پاپا۔" مسکراہٹ ضبط کرتے اشعر نے بڑی سنجیدگی سے کپ اٹھایا اور اس چھوٹے سے کھلونے کے کپ سے ایک فرضی گھونٹ بھرا۔

"واہ! اتنی مزے کی چائے۔ اتنی مزے کی چائے تو میں نے آج تک کبھی نہیں پی۔"

اس کا چہرہ سنجیدہ تھا۔ مگر اس کی آنکھیں مسکرا رہی تھیں۔ بیٹی کے اس معصوم اور بچکانہ کھیل کو انجوائے کر رہی تھیں۔ تیرو خود بھی مسکراتے ہوئے اس فرضی چائے کے گھونٹ لے رہی تھی۔ فرق صرف اتنا تھا کہ وہ اس کھیل کو صرف انجوائے کر رہی تھی۔ اس پر حیران نہیں ہو رہی تھی۔ حریم نے بھی چائے کا کپ اٹھا کر گھونٹ بھرا پھر اس سے بولی۔

"ماما چائے کیسی ہے؟" یعنی صرف باپ کی تعریف کافی نہیں تھی۔

"بہت مزے کی ہے۔ اب سے ہم لوگوں کے لیے چائے بس حریم ہی بنایا کرے گی۔"

"آپ چائے اور لیں گے پاپا؟" ایسے جیسے کسی گھر آئے مہمان سے کوئی میزبان مزید کھانے پینے پر اصرار کرتا ہے۔ بالکل ویسا ہی انداز تھا۔ اس طرح اس نے اشعر سے پوچھا۔ آہستہ آہستہ گھونٹ لینے کی اداکاری کرنے کے بعد اشعر نے اپنا کپ واپس ساسر پر رکھ دیا تھا۔

"نہیں بس بہت پی لی۔ آپ کی چائے بہت ہی زیادہ اچھی بنی تھی۔"

ابھی بھی ظاہر کرتے اس نے کسی مہمان ہی کے جیسا لہجہ اختیار کرنا چاہا ہے۔ کھیل اس کے لیے بہت ہی انوکھا، دلچسپ اور بالکل ہی نیا ہے۔ اس کی آنکھوں کی دلچسپی، حیرت بھری مسکراہٹ واضح طور پر بتا رہی تھی۔

"ختم ہو گئی ٹی پارٹی؟ اب پاپا جائیں؟" کچھ دیر بعد اس نے حریم سے پوچھا۔ اس بار اس نے جوابات میں پاپا کو جانے کی اجازت دے دی تھی۔ اشعر چلا گیا تو وہ سارے کھلونے لے کر حریم کو اس کے کمرے میں لے آئی۔ آج حریم کافی تھک گئی تھی۔ کافی چل پھر بھی تھی۔ اس لیے اب وہ چاہ رہی تھی کہ حریم سو جائے۔ کھلونوں سے کھیلتے کھیلتے اس کی نیند آ جائے یہ بہتر تھا۔

اشعر کا اور کسی سے ملنا تھا۔ جو ابھی ابھی ان کے ہاں آئے تھے اس نے کھانے وغیرہ کا اس سے آ کر پوچھا اور اس کے انکار کر دینے پر بالکونی کے ساتھ بنے سرونٹ روم میں چلی گئی۔

⚘ ⚘ ⚘

کی پارٹی کرنی ہے۔" زیرِ لب دہراتا وہ بے ساختہ
ہنسا۔ اس کی بیٹی کتنی عجیب عجیب سی اور معصومانہ
باتیں کرتی تھی۔

ڈاکٹر افضال کی امید بھری خوشی آمیز باتوں کو ذہن
میں دہراتے ہوئے تمام تفکرات کو کہیں پیچھے دھکیل کر اس
وقت وہ حریم کی کچھ دیر پہلے کی گئی پارٹی کو یاد کر کے
مسکرا رہا تھا۔ "آپ جانتے ہیں کیسے لگیں؟"

اس کا معصومانہ انداز اس کے لبوں پر بھرپور
مسکراہٹ لے آیا تھا۔ "کیا بات ہے، اکیلے بیٹھے کس
بات پر مسکرا رہے ہو؟" لاؤنج میں داخل ہوتی فریدہ
نے اسے تنہا آنکھیں بند کر کے بیٹھے کسی بات پر
مسکراتے دیکھا تو فوراً ہی پوچھا۔ اس نے آنکھیں کھول
کر انہیں دیکھا۔ اس کے لبوں پر ہنوز مدھم سی
مسکراہٹ تھی۔ فریدہ اس کے سامنے والے صوفے پر
بیٹھ گئیں اور ان کے پیچھے داخل ہوتے وہاں ان کی
ملازمہ شاہین نے کافی کی ٹرے سینٹر ٹیبل پر رکھ دی۔

"ٹھیک ہے تم جاؤ۔" اسے کافی سرو کرنے سے منع
کرتے ہوئے پھر اشعر کی طرف متوجہ ہوئیں۔ وہ مسلسل
اپنے گھر سے غائب رہنے لگا تھا۔ صبح آفس جاتے
سے گھر والوں سے مل کر گیا تھا اور اب بھی حریم کے
ساتھ پارٹی کو انجوائے کرنے کے بعد ان کے پاس گھر
آیا تھا۔ حریم اگر اسے خود سے دور نہیں جانے دیتی
تھی تو وہ بھی اب بیٹی سے دور ایک پل بھی نہیں رہنا
چاہتا تھا۔ جب تک حریم کا علاج مکمل نہیں ہو جاتا۔ وہ
پوری طرح صحت یاب نہیں ہو جاتی۔ وہ اس وقت
تک ماں کو اپنی بیٹی اور ان کی پوتی سے ملوانا نہیں چاہتا
تھا۔ مگر اس دوران وہ ان سے کیا کہہ کر مسلسل گھر سے
غائب رہے گا، یہ ابھی تک اس کی سمجھ میں نہیں آیا
تھا۔

"کچھ نہیں بس یونہی۔ ایک دوست سے مل کر آ رہا
ہوں۔ اس کی کچھ عجیب باتیں یاد کر کے ابھی تک
ہنسی آ رہی ہے۔"

فریدہ نے بغیر شکر ملائے بلیک کافی کا کپ اس کے آگے
رکھا اور پھر اپنا کپ بھی شکر ملاتے ہوئے بولیں۔

"میلوں جس کی بھی وجہ سے کم از کم مجھے میرے بیٹے
کی مسکراتی شکل تو دیکھنے کو ملی۔ میں تو ترس گئی تھی
تمہیں مسکراتا اور خوش دیکھنے کے لیے۔"

"آپ ایسا کیوں فکر کرتی ہیں ممی۔ میں اللہ کا شکر ہے
بہت خوش اور بہت مطمئن ہوں۔"

اس نے مسکرا کر انہیں اطمینان دلایا اور یہ
مسکراہٹ مصنوعی نہیں تھی بہت سچی مسکراہٹ
تھی۔

"زلزلے سے متاثر ہونے والی عورتوں اور بچوں
کے لیے ہم لوگ کچھ ویلفیئر شو کر رہے ہیں اور ان کی مدد کے
لیے فنڈ ریزنگ کے لیے مختلف طرح کے پروگرام
ملک کے تمام بڑے شہروں میں کروا رہے ہیں۔ پھر اس
کے بعد اسلام آباد کی ایک بڑی آرٹ گیلری میں خصوصیت
کے ساتھ عورتوں اور بچوں ہی کے حوالے سے ہی...
ایک دن بھی کافی دنوں تک ہم لوگوں کا قیام رہے گا۔
ایک آدھ ہفتہ تو لگ ہی جائے گا۔ گھر میں سوچ رہی
ہوں کہ اتنے دنوں تک گھر سے دور رہوں گی تو تم..."

"آپ جائیں ممی، یہاں کوئی میں بچہ ہوں جس کی
آپ کو فکر رہے گی۔"

کافی کا سپ لیتے اس نے انہیں اطمینان دلایا۔
ماں کے اس پروگرام اور مصروفیت کو جان کر وہ بے حد
خوش ہوا تھا۔ ایسا لگا تھا جیسے اس کا مسئلہ از خود ہی
آسانی سے حل ہو گیا ہے۔ فریدہ این جی او کے علاوہ
ملکی و سماجی علاقوں میں رہنے والی عورتوں اور بچوں
کی فلاح و بہبود کے لیے قائم دیگر کئی اداروں سے بھی
وابستہ تھیں اور اس طرح کے چیریٹی سے متعلق
کاموں کے لیے ان کا ملک اور بیرون ملک اکثر دوروں پر
جانا ہوتا تھا۔ ان دنوں خصوصیت کے ساتھ 8 اکتوبر
2005ء کے زلزلے سے متاثرین کی بحالی کے
حوالے سے وہ اور ان کا ادارہ خاصی سرگرمی سے کام
کر رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

بصیرت حسین کی طبیعت خراب تھی۔ وہ ہسپتال

میں داخل تھے۔ دن میں فریدہ اور ثمرہ ان کے پاس
ہوتیں اور رات میں وہ ان کے پاس رہتا۔ اس رات
بھی وہ ان کے پاس تھا۔ وہ بیڈ پر بہت بیمار اور بہت
کمزور سے لیٹے تھے اور وہ ان کے سرہانے بیٹھا ان کا
سر دبا رہا تھا کہ انہیں نیند آ جائے۔ سانس کی تکلیف
تو انہیں رہتی ہی تھی۔ اس بار طبیعت زیادہ ہی بگڑ
رہی تھی۔

"اشعر۔" انہوں نے نحیف آواز میں اسے پکارا۔

"جی ڈیڈی۔"

"اشعر! مجھے نہیں پتا میری کتنی زندگی بچی ہے۔ میں کچھ
باتیں کرنی ہیں۔"

"کیا ہو گیا ہے آپ کو ڈیڈی۔ ایک معمولی سی بیماری
سے ہمت ہار رہے ہیں۔ آپ کو کچھ نہیں ہوگا۔ ابھی
آپ کو بہت سالوں تک ہمارے ساتھ رہنا ہے۔"

"اشعر! میری بات سنو بیٹا۔ میں تم سے کچھ باتیں
کرنا چاہتا ہوں۔ کچھ میں کہنا چاہتا ہوں۔ وہ مجھے کہنے
دو۔"

وہ اس کی بات نظر انداز کر گئے۔ وہ اسے دیکھ رہے تھے پھر
ایک پل کا توقف کر کے انہوں نے دھیمی آواز میں
آہستہ آہستہ بولنا شروع کیا۔

"اشعر، میرے بعد میری جگہ تم سنبھالو گے گھر میں
بھی اور آفس میں بھی۔ تمہیں بزنس میں میرے
مشوروں کے بغیر تنہا تمام فیصلے کرنے ہوں گے۔
تمہیں بہت سے رشتے نبھانے ہوں گے۔ بیٹا تمہیں
ایک بہت اچھا بیٹا بننا ہوگا۔ اچھے شوہر کے سب
فرائض نبھانے ہوں گے اور تمہاری بہنیں۔ بیٹا۔
میری طرح بہنوں سے غافل نہ ہو جانا۔ بھائیوں پر
بہنوں کا بہت حق ہوتا ہے۔"

وہ بغیر الفاظ کے خاموشی سے ان کی بات سن رہا
تھا۔ وہ کمزور آواز میں آہستہ آہستہ اسے نصیحتیں
کر رہے تھے۔

"اشعر! ثمرہ کا بہت خیال رکھنا بیٹا۔ ثمرہ بہت سادہ
اور معصوم ہے۔ ابھی اسے دنیا کی کوئی سمجھ نہیں۔ تم
سمجھ دار ہو۔ مجبور ہو کر اس سے کبھی کوئی غلطی ہو جائے
تو اسے اس کی سادگی اور معصومیت جان کر اس کی
غلطی کو نظر انداز کر دینا۔ اس کے پاس بیٹے کا سہارا
نہیں ہے۔ اسے یہ احساس بھی مت ہونے دینا۔ اشعر
میں نے اپنی مرضی سے اس کو صرف اس لیے کہ اس کی بیٹی کو
ہمیشہ تحفظ ملے اور خوشیاں ہوں گی۔ اب میرا کیا ہو رہا
تم کو سمجھانا ہے۔"

انہوں نے اپنے سر پر رکھا اس کا ہاتھ اپنے کانپتے
ہاتھوں میں لے کر کہا۔

"آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں ڈیڈی! آپ جانتے
ہیں۔ میں خود سے بہت محبت کرتا ہوں۔ وہ میری چھوٹی
بہن ہیں۔ کیوں اس کا خیال نہیں رکھوں گا؟"

"اشعر! تم پر مجھے بہت یقین اور بھروسا ہے۔ بس
ثمرہ کی خصوصیت سے فکر رہتی ہے۔ وہ اصل ان نے
یاس کے ساتھ ایک بہت ہی بے بس زندگی
گزاری ہے۔ ڈرتا ہوں کبھی کوئی اس کی سادگی کا
ناجائز فائدہ نہ اٹھائے۔ اشعر! وہ بالکل بچی کی
طرح ہے ابھی۔ تم جس سانچے میں چاہو اسے ڈھال
لو۔ اسے دنیا کی کچھ سمجھ نہیں۔ اسے اچھے برے کا
فرق سکھانا بیٹا۔"

اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں دبائے وہ کچھ پل
کے لیے خاموش ہوئے پھر ایک گہری اداسی بھری
سانس لے کر بولے۔

"بہت خواہش تھی میری۔ بیٹا مجھے تمہاری اولاد
کی خوشی بھی دیکھنا ہے۔ لیکن خیر جو میرے اللہ کی
مرضی۔" مسلسل بولنے سے وہ تھکنے لگے تھے۔ اس
لیے پھر ایک پل کے لیے رکے۔ اس کے بعد کمزور
آواز میں دھیرے سے بولے۔

"اللہ جب بھی تمہیں اولاد کی نعمت سے نوازے تو
وہ میرا پوتا یا پوتی جو بھی ہو۔ اسے میری اور اس کے دادا کی
طرف سے بھی خوب پیار کرنا اور اسے یہ بھی بتانا کہ
اس کے دادا اس سے بہت پیار کرتے تھے۔"

اشعر ان کی باتوں سے پریشان ہو گیا تھا کہ اس کا
خیال تھا کہ وہ اپنی بیماری سے مایوس ہو گئے ہیں۔
حالت میں ہسپتال میں رہ کر انہوں نے بیٹی ...

سے نوازنے رخصت ہو گئی تھی۔ خرد اور اشعر کی شادی کو ابھی صرف سات مہینے ہوئے تھے۔ شاید انہیں اپنی اکلوتی بہن سے اتنی والہانہ محبت تھی کہ اس کی موت کے کچھ مہینوں بعد ہی خود بھی اس کے پیچھے پیچھے اس دنیا سے ناتا توڑ گئے تھے۔

☆ ☆ ☆

جانے والے چلے جاتے ہیں لیکن زندگی — زندگی تو چلتی رہتی ہے۔ ماں کو 'بہنوں کو' خرد کو سہارا دینے حیدر اپنا تبادلہ کرا کر واپس حیدرآباد آگیا تھا۔
اپنے باپ کا استعفیٰ کیا ہرگز 'ان کی وضع داری' عزت 'بہ سالہ' زندگی اب سب کچھ اسے سنبھالنا تھا۔ اس نے اپنے کندھوں پر آئی ہر ذمہ داری کو پوری ذمہ داری کے ساتھ قبول کر لیا تھا۔

☆ ☆ ☆

آخر اس کی کوششیں کامیاب ہو گئی تھیں۔ وہ ماں اور خرد دونوں کو ان کے پہلے والے معمولات زندگی کی طرف لے آیا تھا۔ فریدہ نے شوہر کی دائمی جدائی کے دکھ کو قبول کر کے زندگی کی طرف لوٹ کر انہیں اپنے گھر اور اپنے بچوں کی فکر لاحق ہوئی۔ اشعر نے تو خود کو سنبھال لیا تھا مگر خرد ماں کے انتقال کے بعد اب بے تحاشا چاہتیں لٹانے والے ماموں کی جدائی کے غم سے بھی نکلنے لگی تھی۔ اس کی یونیورسٹی میں کلاسز کب کی شروع ہو چکی تھیں۔ فریدہ کے کہنے اور سمجھانے پر اس نے یونیورسٹی جانا شروع کر دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

خرد اپنی پڑھائی کو بہت سنجیدگی سے لے رہی تھی۔ وہ بہت پڑھاکو قسم کی لڑکی تھی اور پڑھائی اس کے نزدیک وقت گزاری یا محض شوق کی بات نہیں تھی۔ اشعر کے ساتھ باتوں میں بھی وہ نہیں الجھتی اور اپنی پڑھائی کو زیادہ موضوع گفتگو بنائے رکھا کرتی تھی اور وہ اس کی دلچسپی اور لگن اس کی ہر بات پوری دلچسپی سے سنتا تھا۔ بصیرت حسین کے بعد خرد فریدہ کے پہلے سے بھی زیادہ نزدیک ہو گئی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے ماموں کے رشتے کی کمی بھی فریدہ ان کے ساتھ اپنے رشتے کو مزید مضبوط بنا کر پوری کرنا چاہتی تھیں۔
اس شام اشعر آفس سے گھر واپس آیا تو خضر آیا بیٹھا تھا۔ فریدہ اور خرد بھی وہاں بیٹھی تھیں۔ سب کو لان میں دیکھ کر وہ بھی وہیں چلا گیا۔
"آپ کی بیگم سے یہ لیکچرز لینے آیا تھا میں یونیورسٹی میں۔ انہوں نے دوستی کی ہوئی تھی کہ انہیں اپنے لیکچرز کرنے ہی کی طرح میں دلاؤں گی تو جائیں گی سوری ہو گئے حاصل ہوا ہوں ہے۔"
اس سے ہاتھ ملانے کے لیے کھڑے ہوتے ہوئے خضر نے کہا۔ وہ خضر کی بات پر مسکراتا خرد کے برابر والی کرسی پر بیٹھ گیا۔
"ہماری بیگم ہیں ہی اتنی ذہین ان کے لیکچرز اور اسائنمنٹس کی ڈیمانڈ تو ہونی ہی تھی اور کس کی ہوگی۔"
اس نے محبت بھری نگاہوں سے خرد کو دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ چہرے پر دلکش سی مسکان لیے بیٹھی تھی۔
"بات تو خیر آپ کی ٹھیک ہے۔ ڈپارٹمنٹ میں خاتون اپنی ذہانت کے حوالے سے خاصی پاپولر ہو چکی ہیں۔ بلکہ فرسٹ ٹرم کے نتیجے کے بعد تو سب مسلم کا حلقہ بھی ہماری ٹیم سر ہلا کر دیتے ہیں ان کے ساتھ بالخصوص بھی جوڑی گفتگو کرتے پائے جاتے ہیں۔"
اپنی تعریف پر مسکراتی خرد ان کے لیے چائے بنانے چلی گئی۔ اس کی آمد سے پہلے ہی وہ لوگ چائے پی رہے تھے۔ مزید چائے اور کچھ لوازمات سے اسنیکس منگوائے تھے۔ خرد نے چائے کا کپ اس کی طرف بڑھایا۔
خضر عالم کے ساتھ ان لوگوں کی براہ راست تو کوئی رشتہ داری نہیں تھی۔ وہ اشعر کی خالہ زینت فضل کی نند کا بیٹا تھا اور زینت ہی کے حوالے سے اس کی ان لوگوں کے ساتھ بھی اچھی واقفیت اور دوستی تھی۔ خضر پاکستان میں اپنی تعلیم کے سبب رہ رہا تھا ورنہ اس کی پوری فیملی امریکہ میں سیٹل تھی۔ اس کے والد کی وہاں ملازمت تھی۔ لائف ایف سی کے بعد وہ

مزید تعلیم حاصل کرنے پاکستان آگیا تھا اور اب گزشتہ دو سالوں سے یہیں رہ رہا تھا۔ یہاں اس کی رہائش ایک کرائے کے اپارٹمنٹ میں تھی۔ تنہا رہتا تھا تو اپنے ماموں 'ممانی' یعنی زینت اور فضل کے گھر اس کا بہت زیادہ آنا جانا تھا اور زینت ہی کے حوالے سے وہ ان لوگوں کے گھر بھی آیا جایا کرتا تھا۔ بائیس تئیس سال کا وہ ایک سمارٹ 'ہینڈسم اور زندہ دل قسم کا لڑکا تھا۔

وہ یونیورسٹی میں خرد کا کلاس فیلو تھا۔ خرد کو یونیورسٹی جاتے ایک مہینہ ہو رہا تھا اور اس ایک مہینے کے دوران خضر پہلے بھی دو ایک مرتبہ خرد سے کوئی کتاب مانگنے یا اس کے لیکچرز 'اسائنمنٹس وغیرہ اس سے لینے یا اسے واپس لوٹانے اس کے گھر آ چکا تھا۔ خرد کلاس میں بھی دوستوں کا گروپ بن گیا تھا۔ خرد 'ساجدہ اور زینت۔ اشعر چونکہ آفس جاتے ہوئے خرد کو یونیورسٹی تک ڈراپ کر دیا کرتا تھا اور جب ایک بار اس کی سہیلیوں کی فون کالز بھی ریسیو کی تھیں اس لیے اس کی ان سہیلیوں سے اس کی واقفیت اور دعا سلام تھی۔ خرد کے گروپ کا ان آفیشل ممبر سعید تھا جو ساجدہ کا فرسٹ کزن بھی تھا اور ان دونوں کا آپس میں نکاح ہو چکا تھا۔ ساجدہ کی وجہ سے وہ ان تینوں کے گروپ میں بھی اکثر بیٹھا کرتا تھا اور خضر جو طلوعی کے دوستوں کے گروپ میں تھا بقول خرد کی دوست ساجدہ کے صرف خرد کے لیکچرز اور اسائنمنٹس کے لالچ میں ان کے گروپ میں شامل ہو گیا تھا۔ خرد کے اسائنمنٹس اور اس کے نام کی اگر اپنی کلاس میں بھی دھوم تھی تو کچھ غلط نہ تھا۔ وقت بہت کم کرتی کی بنا پر اشعر کی آفس سے آمد سے قبل تو اسے بہت پڑھنا ہوتا وہ پڑھتی رہتی اور رات میں بھی ہوتے کل اس کا ایک ٹیسٹ اپنا اسٹڈی کا لازمی ہو گیا تھا۔ اس نے بڑی سنجیدگی سے اس سے اس وقت پڑھنے کی اجازت لی تھی اور اس نے ایک بار پھر بات اسے پوچھی تھی۔ پیا کا ایسا عالم شوہر تھا جس سے روز روز کر نیند میں طلب کیا گیا۔ پر ایک بڑے گھنٹے کی قابلت ہوتی تھی۔ اس دوران خرد کو مطلوب کرنے کے بجائے اپنے لیے کوئی نہ کوئی مصروفیت تلاش کر لیتا۔ کبھی ٹی وی بھی انٹریسٹ یا کوئی کتاب 'ڈان' کے ساتھ مشغول ہو جاتا۔ خرد ایک سوا ایک گھنٹہ بنا پلیماٹ سے بے خبر ہو کر کیمسٹری کے مشکل فارمولوں اور پیچیدہ سوالوں کے ساتھ سر کھپاتی۔ اس دوران اگر اسے جمائیاں لیتے یا نیند بھگانے کی کوشش کرتا دیکھ لیتی تو فوراً ہی اپنی پڑھائی ختم کر کے بیڈ پر آ جاتی۔

☆ ☆ ☆

وہ ایک میٹنگ کے سلسلے میں اسلام آباد گیا تھا۔ صبح سویرے وہ چلا گیا تھا اور واپس آج اسی رات میں ہونی تھی۔ رات ایئرپورٹ سے گھر پہنچتے پہنچتے ایک بج چکا تھا لیکن اس کم وقت اپنی کیفیت اور ہمسفر زادہ ریمی دیکھ کر بھی یہ تھکن کے مظاہرے کا قطعاً کوئی موڈ نہیں تھا۔ اس نے دوا چپکے بیڈروم میں قدم رکھا۔ تیز نیند میں داخل ہوا سب سے پہلے کمرے کی روشنی ہی اس نے خوب اور حرارت کے ساتھ کیا اور پھر اسے اپنے پیچھے بند بھی آہستہ وہاں کے ساتھ کیا۔ خرد بائیں جانب کروٹ لیے چہرے کے نیچے ہاتھ دبائے بے خبر سو رہی تھی۔ کمرے میں نیلے نائٹ بلب کی مدھم روشنی میں وہ مزید حسین لگ رہی تھی۔ اس کا دل چاہا وہ اسے ایک پل میں جگا کر جاننے اس نے بیگ کسی صورت بھی اتار کر سارا سامان تا سے نوماہ ہر جا کے اور خوب شوہر کے ساتھ صبح پر رکھا اس ہوا کر خیر خواتین نے اسے ایک پل میں جگا دیا تھا۔ نیند سے بوجھل متی متی آنکھوں سے وہ اپنے کمرے ہوئے شوہر کو پہچاننے کی کوشش کر رہی تھی۔
"ارے آپ! انہیں بہت بہت آپ کے ۔۔۔ آنکھوں کو آئے اندر کر۔"
اس سے اٹھا پوچھا وہ دعا کر کے اپنی جگہ سے کرتے اور تیزی سے خود کو نیند کے بستر کو ہٹا کر دوسرے پر بیٹھا رہ وہ اس تبدیلی کرنے کی ذہنیت کے انتقیے پر اس کے برابر کرنے والے انداز میں لیٹ گیا۔ وہ پوری طرح جاگ چکی تھی۔ اس نے ایک نظر گھڑی پر ڈالا۔

دیکھا۔

"رات کے ایک بجے ہر شریف آدمی کو نیند آتی ہے۔ میں ابھی اچھی نیند سو رہی تھی کہ مجھے اٹھا دیا۔" وہ اپنی نیند خراب کیے جانے پر کچھ ناراضی سے منہ پھلا کر بولی۔

"شوہر گھر واپس آئے تو نیک بیویوں کا یہ فرض ہوتا ہے کہ اس کے استقبال کے لیے بالکل چاق و چوبند جاگی رہیں۔" اس کی خفگی سے متاثر ہوئے بغیر وہ شان بے نیازی سے بولا۔

"شوہر صاحب کی واپسی کا نام بھی تو ہو معقول ہو۔ آپ کو صبح یونیورسٹی جانا ہے اس کے لیے ہمیں جلدی اٹھنا ہوگا اس لیے فی الحال آپ کی ہر طرح کی خدمت سے معذرت چاہتے ہیں۔"

وہ اس کے لہجے سے مکمل ہم آہنگ' بے نیازی بھرے ہی انداز میں بولی۔ لبوں پر مسکراہٹ چھپائے بظاہر بے حد سنجیدگی سے۔

یونیورسٹی کے ماحول' اساتذہ اور کلاس فیلوز کے اس کی ذہانت کے حوالے سے تبصروں نے اس کی شخصیت کو مزید نکھار دیا تھا۔ اب اگر اس کے سامنے کسی بھی بات سے جلتے ہوئے کتب یا اخبار سے لے کی مشورے سے مشہور اور ملازمین سے ملازمین ہوں یا بھی کو بھی لا کر کھڑا کر دیا جاتا تو وہ پورے اعتماد کے ساتھ اپنی شخصیت' اپنے ظاہر' اپنے قابل یقین کردار کسی بھی چیز کے بارے میں ذرا بھی کوئی تشویش ہوئے بغیر بھرپور اطمینان کے ساتھ ان سے باتیں کر لیا کرتی تھی۔ شعر کے ساتھ بھی اپنے شرمیلے انداز کو ترک کر کے تھوڑی سی بولڈ ہو گئی تھی۔ اگر وہ شرارت میں اسے چھیڑنے کو کچھ کہہ رہا ہوتا تو اس کے اس سے بھی اکثر زبردست قسم کا جوابی جملہ سننے کو ملا کرتا تھا۔ اس کی بے تکلفی اور بے ساختہ حاضر جوابی کو بہت انجوائے کیا کرتا تھا۔

"آپ جب کل یونیورسٹی سے وہ پہر میں گھر واپس آئیں گی اس وقت سو جائیے گا۔ فی الحال تو آپ کو کوئی سونے کا نہیں۔"

وہ اپنی انداز سے بولا' اتنی گفتگو سننے کے بعد نیند اس کی مکمل طور پر بھاگ چکی تھی مگر وہ بطور احتجاج ابھی بھی اسے گھور ضرور رہی تھی۔ مگر وہ محبت اور جنگ میں سب جائز ہے کے مصداق گھورے جانے کے اس سلسلے سے قطعاً بے نیاز تھا۔

☆ ☆ ☆

"تحرو! جلدی تو ڈھنگ سے کر لو۔" جلدی جلدی ایک توسٹ اور چائے حلق سے اتارتی تحرو کو فرید نے ٹوکا۔

"ممی! میری پہلی کلاس ساڑھے آٹھ بجے ہے۔ لیٹ ہو جاؤں گی۔ آپ فکر مت کریں بھوک لگے گی تو میں وہاں کچھ لے لوں گی۔" فریدہ کو تحرو کی صحت کی جب سے وہ یونیورسٹی جانے لگی تھی' بہت فکر رہنے لگی تھی۔

"مجھے پتا ہے لیتا وہ کچھ نہیں ہے۔ بس یونہی میری تسلی کے لیے یہ کہا جاتا ہے۔"

"میں پرامس کر رہی ہوں ممی۔" اس نے انہیں مطمئن کیا۔

"اشعر! ذرا دیکھو اسے۔ اپنا بالکل خیال نہیں رکھتی۔ دیکھو کتنی دبلی ہو رہی ہے۔"

وہ اخبار پر نظریں جمائے خاصی دیر سے ماں کے لاڈ اور بہو کے نخرے دیکھ رہا تھا' اب براہ راست مخاطب کیا گیا تو اس نے اخبار سامنے سے ہٹا کر ان دونوں پر اپنی توجہ مرکوز کی۔

"مجھے تو ٹھیک ٹھاک بلکہ تھوڑی موٹی ہی لگ رہی ہے مجھے۔" اس جواب پر انہوں نے ناراضی سے بیٹے کو گھورا۔

"بس یہ الٹی سیدھی باتیں اور بولا دو' لگا رہی سی کمزور ہی کر کے ہے مکمل طور پر ڈائٹنگ شروع کر دے۔"

"جی! آپ سے پرامس کر رہی ہوں نا یونیورسٹی میں کچھ ضرور کھاؤں گی۔" چائے کا کپ خالی کر کے میز پر رکھتے اس نے انہیں پھر اطمینان دلایا۔

"دو چلیں؟" تحرو نے اس سے پوچھا۔ سر اثبات میں ہلاتی کرسی پیچھے کھسکا کر کھڑا ہو گیا۔

صبح اس کی پہلی کلاس جلدی ہوتا ہوتی تو وہ اشعر کے ساتھ ہی چلی جایا کرتی تھی۔ وہ اسے کیمپس ڈراپ کرتا آفس چلا جاتا اور اگر اس کی پہلی کلاس دیر سے ہوتی تب وہ ڈرائیور کے ساتھ چلی جاتی اور واپسی میں تو وہ روز ہی ڈرائیور کے ساتھ آتی تھی۔ آف وائٹ ٹراؤزر' آف وائٹ گھٹنوں سے کچھ اونچی قمیص اور آف وائٹ اور سبز دوپٹے میں وہ بہت نفیس' ترو تازہ اور نکھری نکھری سی لگ رہی تھی۔ ایک ٹک سی کالج گرل کے تصور پر پوری اترتی ہوئی وہ کسی بھی طرح شادی شدہ نہیں لگتی تھی۔ ایک بھرپور اور گہری نگاہ اپنی حسین بیوی پر ڈالتا وہ مسکرا دیا۔

"یوں کیا دیکھ رہے ہیں؟"

"اپنی اور صرف تحرو کو خوش دیکھ کر خوش ہو رہا ہوں۔ تم خوش ہو ناں اور اپنی اسٹڈیز دوبارہ شروع ہونے پر؟"

"ہاں بہت زیادہ۔" وہ بڑا بھرپور انداز میں مسکرائی۔ "کیا مجھے لگتا ہے میری زندگی کا بھی کوئی مقصد ہے۔ گھر پڑی بیٹھے بیٹھے تو انسان خود کو بالکل worthless سمجھنے لگتا ہے۔ اب مجھے لگنے لگا ہے کہ پاس میں بھی کچھ ہوں' میں بھی کچھ کر سکتی ہوں۔" وہ اسے اپنے دل کی بات بتا رہی تھی۔

"جب میں ایم ایس سی کر لوں گی تو آپ مجھے جاب کرنے دیں گے؟" اس نے اشعر کی طرف دیکھا۔

"ہاں بالکل۔ مجھے ویسے بھی ایک حسین سیکرٹری جس کا آئی کیو بھی بہت اچھا ہو' کی اشد ضرورت ہے۔" وہ شرارتی انداز میں بولا۔

"مذاق نہیں کریں۔ آپ سیریسلی بتائیں؟"

"کرلینا یار جہاں دل چاہے وہاں جاب کر لینا۔ تحسین کیا میں اتنا دقیانوسی لگتا ہوں کہ تم اگر کوئی کام کرنا چاہو اور تمہیں اس سے روکوں گا؟"

"نہیں' بالکل بھی نہیں۔ کہنے کی حد تک تو سب ہوتے ہیں مگر آپ حقیقت میں بہت کھلے ذہن کے انسان ہیں۔ میری شدید خواہش تھی میں اپنی ایجوکیشن پوری کر سکوں۔ میری یہ خواہش صرف آپ کی وجہ سے پوری ہو رہی ہے۔" اس نے بہت سنجیدگی سے اس کی تعریف کی۔

"آج صبح صبح ایک حسین لڑکی نے میری اتنی اچھی تعریف کر دی ہے۔ لگتا ہے آج کا سارا دن بہت اچھا گزرے گا۔" اپنی تعریف پر مسکراتے ہوئے نگاہوں سے اسے دیکھتے اس نے گاڑی یونیورسٹی کے گیٹ کے سامنے لا کر روک دی تھی۔

(باقی آئندہ شمارے میں)



فرحت اشتیاق

ہم سفر

بصیرت حسین کو کاروباری دنیا میں اہم حیثیت حاصل ہے۔ ساری زندگی سخت محنت کے بعد انہوں نے یہ مقام حاصل کیا ہے۔ بیوی فریدہ، دو بیٹیوں سونیا اور کرن اور بیٹے اشعر سے ان کا خاندان مکمل ہے۔ بصیرت صاحب کے ذہن میں انہیں یہ بھی یاد نہ رہا کہ ان کی اکلوتی بہن میمونہ، احسان اور بھانجی خرد کیسی زندگی گزار رہی ہیں۔ کینسر کے آخری اسٹیج میں احسان کے بیس ہو کر میمونہ اپنی اکلوتی بیٹی کی خاطر اپنے بھائی بصیرت حسین کے پاس آتی ہیں تو انہیں شدت سے اپنی کوتاہی کا احساس ہوتا ہے۔ وہ بہن کے علاج کے لیے ہر ممکن کوشش کرتے ہیں لیکن وہ جانبر نہیں ہو پاتیں۔ مرنے سے پہلے بہن کی آخری خواہش پوری کرنے کے لیے وہ اپنے اکلوتے بیٹے اشعر کی شادی خرد سے کرنے کا اعلان کر دیتے ہیں۔

اشعر اعلیٰ سوسائٹی کا پروردہ ایک تعلیم یافتہ نوجوان ہے جسے والدین خصوصاً والد کی محبت نے بگڑنے نہیں دیا۔ سارہ اشعر کی دوست ہے۔ وہ اپنی طرح کی ایک ماڈرن لڑکی ہے۔ شریکِ حیات کے انتخاب میں بھی اشعر معیار کو ترجیح دیتا ہے۔ اس کی دونوں بہنیں شادی کے بعد اپنی دنیا میں مگن ہیں۔ اشعر امریکہ سے بزنس کی ڈگری حاصل کر کے بصیرت حسین کے کاروبار میں ہاتھ بٹاتا ہے۔ اس کی ہمیشہ یہی خواہش رہی ہے کہ وہ ایک اچھا جیون ساتھی تلاش کرے۔ خرد سے شادی کرتے ہوئے بھی یہی جذبہ کار فرما ہے۔

مکمل ناول



خرد احسان بچپن سے ہی نامساعد حالات کے زیر اثر رہتی ہے۔ والد کے انتقال کے بعد محمودہ احسان نوکری کر کے اس کی پرورش کرتی ہیں۔ اس کے گریجویشن کے بعد ان ہی محمودہ کی طبیعت خراب رہنے لگتی ہے۔ اس کی بابت خرد کو محض گریجویشن کرنے پر ہی اکتفا کرنا پڑتا ہے۔ گھریلو حالات اور ماں کی بیماری نے خرد کو حساس اور خوددار بنا دیا ہے۔ ایسے میں ماموں اور ان کے بچے [illegible] کے سہارے کے حوالے [illegible] ہے۔ وہ پوری جان سے ان کی تیمارداری کرتی ہے۔ محض مریض ہوئی ماں کی تسلی کے لیے وہ ماموں زاد اشعر سے شادی کرتی ہے مگر اسے ہر وقت یہ احساس ہے کہ [illegible] کہ اسے اشعر پر مسلط کیا گیا ہے۔

ابتدا میں اشعر اور خرد کے مابین اجنبیت حائل رہتی ہے لیکن خرد کی معصومیت، سادگی اور خوبصورتی اشعر کو اپنی جانب کھینچتی ہے۔ [illegible] اور خرد بھی [illegible] اس کی محبت میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ اشعر حسین اپنے آپ کو خوش نصیب ترین انسان سمجھتا ہے [illegible] کی خوشیوں کی [illegible] آ جاتی ہے۔ [illegible] ہو جاتی ہے۔

کئی سال گزرنے کے باوجود [illegible] اشعر کو سنبھلنے نہیں دیتی۔ [illegible] اپنے آپ کو [illegible] خرد کا [illegible] میں [illegible] ہے کہ [illegible] احسان [illegible] سے ملنے چلی آتی ہے۔ [illegible] اس کا خون کھولا دیتی ہے۔ [illegible] ایک بیٹی حرم ہے جو دل کی مریضہ ہے [illegible] علاج کے لیے [illegible] کی صداقت کے لیے تمام ثبوت اور [illegible] اس کے پاس چھوڑ جاتی ہے۔ اشعر [illegible] کسی بات کا یقین نہیں [illegible] اسپتال میں اپنے ایک دوست کی عیادت کرنے آتا ہے [illegible] حرم سے اس کا سامنا ہو جاتا ہے۔ [illegible] اس صورت حال پر [illegible] میں آ جاتا ہے۔

خرد کا ایکسیڈنٹ [illegible] حرم نے اس کی وجہ سے باپ کو [illegible] اشعر کے لیے [illegible] وجود کی [illegible] ہے کہ [illegible] حقیقت سے [illegible] اشعر حرم کے علاج کے لیے [illegible] سے رابطہ کرتا ہے۔ ساتھ ہی [illegible] کے لیے [illegible] کرتا ہے۔ خرد اور حرم کی [illegible] اشعر کرتا ہے۔

[illegible] اشعر کے دل میں باپ کے [illegible] تمام [illegible] اشعر سے [illegible] حرم کی [illegible] کے لیے [illegible] اشعر کے [illegible] خرد کو اپنے [illegible] ہوتا ہے [illegible] بصیرت حسین کے گھر میں [illegible] حرم [illegible] رہی تھی۔

اس وقت اشعر [illegible] خرد کو [illegible] احترام میں [illegible] اشعر ایک [illegible] اپنی تصویر [illegible] یونیورسٹی میں [illegible] اشعر [illegible] یونیورسٹی میں [illegible] ڈاکٹر [illegible] سے [illegible] ہوتی ہے۔

بصیرت حسین [illegible] حالات کے بعد [illegible] خاندان [illegible] رکھتا ہے۔ [illegible] بصیرت حسین [illegible] سے دور گزار لے گا۔

تیسری قسط

"اللہ یہ Binomial Theorem سے آخر expand کیوں نہیں ہو رہا؟" خرد نے جھنجلا کر [illegible] میں خود کلامی کی۔

"لگتا ہے میاں سزا دے رہے ہیں۔ شوہر بے چارہ اکیلا ہو رہا ہے اور اسے اگنور کر کے پڑھائیاں کی جا رہی ہیں تو سزا تو ملنی ہے۔" اس نے کتاب میں کسی سوال کو کھولتی خرد کو چھیڑا۔ وہ بیڈ پر تکیے سے ٹیک لگائے [illegible] کے پیچیدہ سوالات حل کر رہی تھی۔ [illegible] اور [illegible] کے بعد اپنے [illegible] وہیں بیڈ پر لیٹا مسلسل باتیں کر کر کے اسے تنگ کر رہا تھا۔

"یہ ڈاکٹر لوگ بھی نا۔ آسان آسان کوئسچن کلاس میں خود کروا دیے اور [illegible] کے لیے [illegible] سوال [illegible] کے لیے چھوڑ دیے۔"

اس کے تنگ کرنے سے پریشان ہو کر وہ اس سے [illegible] موڑ کر بیٹھ گئی تھی۔ اس کی پشت اشعر کی طرف تھی۔ وہ اس کے بالکل پیچھے لیٹا ہوا تھا اور لیٹے لیٹے ہی ہاتھ بڑھا کر اس نے اس کے بالوں سے کلپ نکال دیا۔ اچھے خاصے بندھے ہوئے اس کے جوڑے کی طرح [illegible] بال کھل گئے۔ اس کی پشت پر بکھرے بالوں کو اپنے چہرے پر بکھرا کر اس کی خوشبو کو خوب گہری سانس لے کر اپنے اندر اتارتے ہوئے بولا۔

"خرد تمہارے شیمپو کی خوشبو لاجواب ہے [illegible] اور مدہوش کر دینے والی خوشبو [illegible] طاری ہو جاتا ہے اس خوشبو سے۔"

"یہ Minimum Values آگے بڑھ ہی نہیں پا رہی ہیں۔ شاید اس کوئسچن ہی میں گڑبڑ ہے [illegible] یہ کوئسچن ہی غلط ہو۔" وہ اس کی بات پر توجہ دیے بغیر اپنی الجھن میں [illegible] اشعر نے لیٹے لیٹے ہی ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھایا اور [illegible] طرف [illegible]

"اشعر بھائی! خرد سے بات ہو سکتی ہے؟"

"بھابھی میری [illegible] اس وقت مجھ سے بات نہیں کر [illegible] ہاتھ سے کیا کرے گی۔" وہ مسکرا کر دل میں سوچتے ہوئے اس سے [illegible] "اچھا" کہا اور ریسیور خرد کو پکڑا دیا جو اس سے اس وقت [illegible] ہو گئی تھی۔

"ہاں بولو" وہ خرد کے بے نیازی لیے [illegible] پر مسکرایا۔ اس میں ابھی تک وہی بچوں جیسی ہی معصومیت تھی۔ [illegible] لوگوں سے اپنے جذبات چھپانے نہیں آتے تھے۔

"یہ سوالات ابھی مجھ سے حل نہیں ہو رہے [illegible] کوشش کر لوں گی [illegible] کل سب [illegible] کر سکوں۔" [illegible] بے نیازی سے اشعر کے کسی سوال کا اس نے جواب دیا تھا۔

"ہاں سب کوئسچن حل کر لوں گی تو آپ [illegible] دوں گی۔ اچھا اس وقت میں بہت بزی ہوں۔ اللہ حافظ۔"

وہ اس کی بد لحاظی اور بد اخلاقی پر پیچھے لیٹا ہنس رہا تھا۔ اس نے خرد کے ہاتھ سے ریسیور لے کر اسے واپس کریڈل پر رکھ دیا اور اسے ڈسٹرب کرنے والے اپنے مشغلے سے [illegible] ہو کر بیڈ سے اٹھ گیا۔ ہنسی مذاق کی بات الگ [illegible] مگر اسے پڑھائی کے دوران ڈسٹرب کرنا اسے بالکل اچھا نہیں لگتا تھا۔

☆ ☆ ☆

رات وہ کافی دیر سے گھر واپس آیا تھا۔ حرم کو سلاتے سلاتے اس کی خود بھی آنکھ لگ گئی تھی مگر اپارٹمنٹ کے مین دروازے کا لاک کھلنے کی آواز سے اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔ اشعر اپنے پاس موجود چابی سے دروازہ کھول کر اندر آ گیا تھا۔ حرم کو چادر [illegible] سوئی تھی۔

اگلے روز دونوں صبح ہی اسپتال چلے گئے تھے۔ حرم کے ٹیسٹوں کا دوسرا دن تھا۔ وہاں ڈھیر ساری [illegible] حرم خائف سی ہو گئی تھی۔ اسپتال سے باہر نکلنے کے بعد دونوں [illegible] کے خوف کو دور کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اسپتال سے واپس گھر

تب سے قبل اشعر نے راستے میں گاڑی روک کر حریم کو اس کی پسند کی کئی طرح کی کھانے پینے کی چیزیں اور اس کا فیورٹ ڈرنک اور چیونگم وغیرہ کا ڈھیر سارا سامان اسے دلایا تھا۔ یہ تمام خریداری حریم کو گھر لانے کے بعد ان دونوں کو اپارٹمنٹ چھوڑ کر وہ خود آفس چلا گیا تھا۔ لنچ اس نے آفس میں ہی کیا تھا اور اس نے حریم سے فون پر بات کی تھی۔ شام ساڑھے سات بجے وہ واپس آیا تو خوب لدا پھندا۔ حریم کے لیے بہت ساری شاپنگ کر کے لایا تھا۔ شاپنگ بیگز میں جھانک کر حریم ان میں اپنے مطلب کی کوئی چیز نہ پا کر بولی۔ "ٹوتھ پیسٹ نہیں لائے پپا؟" کہہ کر وہ اپنا ہاتھ اس کے بالوں میں پھیر کر اسے گلے لگا گئی۔

یہ گویا حریم کا ان کے لیے محبت کا اظہار تھا۔

"پرنسس! ذرا دیکھو تو! تمہارے پپا تمہارے لیے کیا لائے ہیں۔" وہ ایک ڈول کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ اشعر نے اسے گود میں اٹھا کر کہا۔

"پپا! پی کو بھوک لگی ہے۔"

مسکراتے ہوئے اس نے اشعر کو فیڈر دکھا کر سمجھایا کہ وہ ابھی بہت چھوٹی ہے۔

"پاپا بھی ابھی ابھی آفس سے آئے ہیں پپا کو لیٹ کرائیں گی؟" اسے گود سے اتارتے ہوئے وہ مسکرا دیا۔

کھانے کے وقت ایک ٹیبل پر ساتھ بیٹھے وہ تینوں ایک مکمل فیملی جیسا تاثر دے رہے تھے۔

حریم اس سب سے بے تحاشا اور بے حساب خوش تھی۔ اب تک صرف ایک ماں اس بچی کی کل کائنات تھی اور اب ایک باپ اس کی اس کائنات میں شامل ہو گیا تھا اور وہ اسے خوشیوں کے رنگ دکھا رہا تھا جن سے وہ اب تک ناآشنا تھی۔

"مما! پپا سے کہیں مووی دکھائیں۔" کھانے کے بعد حریم اشعر کی گود میں چڑھ کر بیٹھی ٹی وی پر کوئی کارٹون مووی دیکھ رہی تھی۔ کھانے کے بعد کافی دیر وہ یونہی بیٹھی رہی۔ پھر جب وہ ٹیبل سے اٹھ کر اپنے کمرے میں جانے لگی تب حریم نے اسے پکارا۔

"حریم! تم کچھ میرا دل نہیں چاہ رہا۔"

"مما! آئیں نا، پلیز!" وہ پھر بھی آگے بڑھ گئی اب حریم اسے روکنے کو جلدی سے مزید بولی۔

"مما! آپ منزہ خالہ کی اسٹوری سنائیں جیسی وہ سناتی ہیں۔" بے اختیار اس کے لبوں پر مسکراہٹ ابھری تھی۔ وہ اشعر کے ساتھ بیٹھ کر منزہ خالہ کو دیکھ رہی تھی۔ حریم منزہ خالہ کی مظلومیت پر ایک مکمل طور پر کہانیاں اور افسانے کی شکل بنا کر بیٹھی تھی۔ اس کا فکر اور اداس چہرہ چھوڑ کر جیسی بھی آ رہی تھی کہ توجہ دھیان اس حریم کی مما کی طرف تھا۔ اس کی ہوا کا رخ دیکھ کر فلاں نے اشعر کے چہرے کی طرف دیکھا۔

"حریم کی میڈیسن کا؟"

"مجھے یاد ہے۔" اس کی بات مکمل ہونے سے قبل اس نے اسے دیکھے بغیر جواب دیا۔ بظاہر سادہ سا جواب ہونے کے باوجود اس جواب میں ایک چنگاری سی تھی۔

"کہاں ہے؟" اشعر کے آواز دینے پر ملازمہ فوراً بھاگ آئی۔

"حریم کے روم میں سائیڈ ٹیبل پر جو میڈیسن رکھی ہیں وہ لے آؤ۔" وہ سر ہلا کر وہاں سے چلی گئی اور کچھ ہی لمحوں بعد ایک چھوٹی ٹرے میں پانی کا گلاس اور چمچ وغیرہ رکھ کر لے آئی۔ ٹرے ملازمہ کے ہاتھ سے لے کر اشعر نے اپنے برابر کی خالی جگہ پر رکھی تب ٹی وی اسکرین سے نظریں ہٹا کر حریم فوراً بولی۔ "پپا! حریم میڈیسن نہیں کھائے گی۔" اشعر کے چہرے پر یکدم بے تحاشا حیرت ابھری تھی۔

"پرنسس! یہ تو اچھی والی میڈیسن ہے۔ یہ تو اتنی کڑوی بھی نہیں۔ وہ انگریزی والی ہیں اور یہ تو بہت زیادہ کڑوی ہوتی ہیں۔ ہوں نا؟ اور دیکھو، یہ اور پاپا کھلائیں گے۔ حریم اچھی بچی ہے نا، میڈیسن کھائے گی تو فوراً ٹھیک ہو جائے گی۔" اس نے بڑے ترغیب اور لالچ سے پوچھا۔

"نہیں پپا! میڈیسن نہیں۔" وہ اسے کسی طرح بھی بہلا نہیں سکی تھی اسے وہ آفت اُٹھی کر دو تنہیں، اٹھ کر کے وہ وہاں سے پاؤں پٹخاتی گئی۔

"وہ اب مزید اس تعلق میں نہیں بندھ سکتی تھی۔" حریم اب ٹائیوں سے اسے گھورتے ہوئے درمیان کا فاصلہ طے کر کے اشعر اور حریم کے قریب ہوئی۔ "اگر دوا نہیں لو گی تو میں پپا سے کہوں گی کہ وہ تمہارے کھلونے دکان پر واپس کر آئیں۔" دوا کی بوتل اشعر کے ہاتھ سے لے کر اس نے دوا چمچے میں ڈالنا شروع کی تھی۔

حریم نے جھٹکا محسوس کیا اور ہاتھ پاؤں چلا کر اٹھا کر بے بسی سے باپ کو دیکھا۔

"سوری پرنسس پپا کو سارے کھلونے سارے نئے دکان پر واپس کرنے آ جائیں گے۔ وہ زور اور کل پپا کو واپس کرنے ہوں گے۔ انہوں نے بہت سختی سے کہا ہے کہ اگر حریم میڈیسن نے نہ کھائی تو سارے کھلونے واپس کر دیے جائیں گے۔"

وہ ضدی پن سے ہاتھ پاؤں چلانا اور بہلنا کر رونے بڑی کیفیت میں بھی اسے اور بھی اشعر کو دیکھ رہی تھی۔ "Toys واپس نہیں کریں۔ میڈیسن لے دیں۔" وہ جلدی سے بولی، مبادا اشعر ابھی اٹھ کر کہیں کھلونے واپس کرنے نہ چلا جائے۔ ان دونوں کے چہروں پر بے ساختہ مسکراہٹ ابھری تھی اور ان دونوں ہی نے اسے چھپا کر چہروں کو سنجیدہ بنائے رکھا تھا۔

بہت برے برے منہ بناتے آنکھوں میں آنسو بھر کر کڑوی سے کڑوی ہے "اور لوئی دیں، ٹوفی دیں" کو دلیلا کرتے تکرار سے ہل اس نے دوا سارا پی لیا تھی۔

"او کے پرنسس! گڈ نائٹ سوئیٹ ڈریمز۔" وہ بیڈ پر بٹھانے کے اسے پیار کر کے مڑنے لگا تب حریم نے اس کا ہاتھ پکڑ کر روک لیا۔ "پپا! یہاں سو جائیں، کہانی سنائیں۔" کچھ سوچ کر سر اثبات میں ہلا کر کرسی پر جا بیٹھا۔ تبھی چار منٹ بعد واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں بچوں کی کئی طرح کی اسٹوری بکس تھیں۔ خوبصورت اور رنگین تصاویر سے مزین۔ وہ اس دوران حریم کا لباس تبدیل کروا چکی تھی۔ چینج کر کا نائٹ ڈریس پہنے وہ اب یا تو روم میں کھڑی اپنے دانت برش کر رہی تھی۔

"وہ بیڈ پر ٹانگیں لٹکا کر بیٹھا ہوا تھا۔ حریم ہاتھ روم سے نکل کر تیزی سے چلتی بیڈ پر آئی اور بڑی بے تکلفی سے اس کے پہلو میں چڑھ کر بیٹھ گئی۔ "حریم کے Teeth دیکھیں پپا۔ کتنے شائن کر رہے ہیں۔" "اور مما اور پپا کے دانتوں کو آپس میں ملا کر اس نے اسے اپنے دانت دکھائے۔

"واہ بھئی! حریم کے Teeth تو واقعی بہت زیادہ shine کر رہے ہیں۔ اب تو برش کرنے کا صحیح طریقہ مجھے حریم ہی سے پوچھنا پڑے گا۔"

قہقہہ لگا کر ہنستے ہوئے اس نے اسے لپٹا کر اٹھا کر اپنے برابر میں لٹا لیا۔ وہ خود بھی تکیے سے ٹیک لگائے نیم دراز ہو گیا تھا اس نے اپنا ہاتھ بڑی محبت سے حریم کے گرد پھیلا رکھا تھا۔

"کہانی شروع کریں پرنسس؟"

اسے سر اقرار میں ہلا کر ہنسنے کے ساتھ حریم خود سے بولی۔ "مما! آپ بھی سنیں۔"

"میں یہیں بیٹھی ہوں جان!" مسکرا کر اس نے اسے مطمئن کیا۔ وہ حریم کے قریب بیٹھ گئی اور اس کی تسلی کے لیے اس کا ایک ہاتھ بھی تھام لیا۔

"مما! آپ بھی تو۔" وہ در اصل میں دوا سے لپٹ کر سویا کرتی تھی۔ اس کے بغیر اسے جیسے نیند آ ہی نہیں سکتی تھی۔ مگر اس وقت لیٹنا اس کے لیے ہرگز ممکن نہیں تھا۔ اس سے پہلے کہ حریم اس سے لیٹنے کے لیے مزید ضد کرتی وہ جلدی سے بولی۔

"اب باتیں بند کرو، خاموشی سے کہانی سنو۔ پپا تمہیں بہت اچھی کہانی سنانے والے ہیں۔ بھئی آپ کہانی سنانا شروع کریں ناں اور حریم ویٹ کر رہے ہیں۔"

بیڈ پر حریم کے دائیں طرف اشعر نیم دراز تھا اور بائیں طرف وہ بیٹھی تھی۔ ایک کمرے میں ایک ہی بیڈ پر اس شخص کے ساتھ اپنی موجودگی سے اسے وحشت ہو رہی تھی، گھٹن ہو رہی تھی۔ اس شخص کی پہلی موجودگی یہ قربت اسے ذہنی اذیتوں سے دوچار کر رہی تھی۔

اشعر کا چہرہ بالکل بے تاثر تھا۔ حرم کے گرد ہاتھ پھیلائے وہ کہانی سنانا شروع کر چکا تھا۔

"جنگل میں سب جانور مل جل کر رہتے تھے۔ شیر، ہاتھی، چیتے، بندر، لومڑی، خرگوش۔" حرم کی آنکھوں میں دلچسپی لیے بہت مزے میں کہانی سن رہی تھی۔

"ہاتھی کی برتھ ڈے آنے والی تھی۔ سارے جانور سوچ رہے تھے کہ ہاتھی کو برتھ ڈے پر کیا گفٹ دیں۔ ایک لومڑی بولی کہ چلو چل کر شیر سے پوچھتے ہیں کہ ہاتھی کو برتھ ڈے پر دینے کے لیے کیا گفٹ۔"

"پاپا!" حرم نے بے ساختہ اسے پکارا تو اشعر نے کتاب پر سے نظریں ہٹا کر اسے دیکھا۔

"ہاں بولو؟"

"آپ حرم کی برتھ ڈے پر کیوں نہیں آئے؟ گفٹ بھی نہیں دیا۔" ایک ہزار ملامتیں اس کی چھوٹی سی سالگرہ گزری تھی۔ اس کی بیماری سے لڑتے لڑتے سخت پریشانی میں تھا صرف اور صرف حرم کو خوش کرنے کے لیے اپنی بیماری کو ایک چھوٹی سی معصوم سی خوشی دینے کے لیے اس نے ایک کمرے والے اپنے اس چھوٹے سے گھر میں ایک برتھ ڈے پارٹی ارینج کی تھی۔

اشعر حرم کی بات پر بالکل چپ بیٹھا رہ گیا تھا۔ ایک پل بالکل چپ اور گم صم سا بیٹھا رہا پھر ایک گہری سانس لے کر نرمی سے بولا۔

"سوری پرنسس! پاپا تھوڑے بزی تھے اس لیے آپ کی برتھ ڈے پر نہیں آسکے تھے پر آپ کا برتھ ڈے گفٹ آپ کو اب دے دیں گے اور پاپا اگلی بار اس ہے پرنسس سے وعدہ کرتے ہیں اس کی ہر برتھ ڈے پر اس کے ساتھ ہوا کریں گے۔" اس نے جھک کر حرم کے گالوں پر پیار کیا اور پھر سے اسے کہانی سنانے لگا۔

کہانی تو ابھی ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ حرم نیند کی وادی میں کھو گئی۔ آخر کار اس نے باہر کی راہ لی۔ حرم کے سوتے ہی فوراً اس سے دور ہٹ گئی تھی وہ بیڈ کے انتہائی دوسرے کنارے پر بیٹھ گئی تھی۔ اشعر حرم کے گہری نیند سو جانے کا انتظار کر رہا تھا۔

چند منٹوں کے بعد پھر وہ بڑی آہستگی سے حرم کے اوپر سے اپنا ہاتھ ہٹا کر آہستہ آہستہ بغیر کوئی آواز پیدا کیے اس کے پاس سے اٹھا اور حرم پر نظر ڈالے بغیر کمرے سے نکل گیا تھا۔ اس نے اٹھ کر لائٹ آف کی اور پھر حرم کے برابر آکر لیٹ گئی۔ اس کی چپ چاپ بہتے اس کی آنکھوں سے بڑی خاموشی سے دو آنسو گرے۔

"حرم! پاپا نہیں تم بھی یہ جان جاؤ گی یا نہیں کہ تمہاری ماما نے تمہاری محبت میں اپنی کیسی تذلیل کروائی اپنی عزت نفس کتنا داؤ پر لگا کے مٹی میں ملا کر پھر اس شخص کو اپنے سامنے کے اپنے ساتھ بیٹھنے کی اجازت دے دی جس نے اس کی عزت کی دھجیاں اڑائی تھیں۔" وہ حرم کے پاس لیٹ گئی تھی مگر اسے نیند نہیں آرہی تھی۔



اشعر کو لیٹنے کے بعد فوراً نیند نہیں آپائی تھی۔ حرم کے ایک معصومانہ سوال نے اسے پورا کا پورا ہلا دیا تھا۔

"آپ حرم کی برتھ ڈے پر کیوں نہیں آئے؟ گفٹ بھی نہیں دیا۔" اس کا ایک معصومانہ سوال کیا اسے پورا کا پورا جھنجھوڑ کر رکھ گیا تھا۔ خود احساس جس عورت کو رو گیا کے۔ اس سفاک عورت کے ظلم کی بدولت آج وہ بیٹی سے دور رہنے کا قابل رحم مجرم قرار پا گیا تھا۔

وہ بے چینی سے کروٹیں بدل رہا تھا۔ اسے نیند بالکل بھی نہیں آرہی تھی۔ صبح اسے دفتر جلدی پہنچنا تھا۔ لندن کی ایک کمپنی کے ساتھ ان کی ایک اہم ڈیل کل فائنل ہونا تھی۔ ان دنوں حرم کے ساتھ مصروف ہونے کے سبب وہ دفتری کاموں کو مناسب طور پر وقت نہیں دے پا رہا تھا۔ کل اسے حرم کی تمام رپورٹس امریکہ کے مختلف ہسپتالوں سے اس نے رابطہ کیا تھا۔ وہاں کیس بھی کروائی تھیں۔ وہ اپنی بیٹی کو دنیا کا بہترین علاج فراہم کرنا چاہتا تھا اس لیے اس امکان پر بھی غور کر رہا تھا کہ کیا اسے سرجری کے لیے حرم کو امریکہ

لے جانا چاہیے یا پھر کہیں یہ ان مریضوں کی کوئی ضرورت
ہے۔
وہ پوری رات جاگتا رہا تھا۔ وہ پوری رات ایک
کسک ایک چبھن محسوس کرتا رہا۔



دفتری کاموں سے اندرون ملک اور بیرون ملک جیسے
ٹرپ اور کتنی ہی بار اس کا یہ آنا جانا رہتا تھا۔ سوائے اس
مدعین کی دفتری معمولیات کے تحت وہ ملائیشیا گیا ہوا
تھا۔ 12، 13 روز بعد اس کی واپسی ہوئی تھی اور کیا کیا
رہا ان دنوں میں؟ کوئی نئی تازی بات کوئی خاص واقعہ
ہوا؟ اس نے رات کے کھانے کے دوران فریدہ اور محمود
سے مشترکہ طور پر استفسار کیا۔ آج تو ڈنر میں فریدہ نے
بیٹے کی اتنے دنوں بعد موجودگی کے سبب کافی خاص
اہتمام کروایا تھا۔ کھانے میں دو ڈشز تو انہوں نے خود
اپنے ہاتھوں سے بنائی تھیں۔ ایک اشعر کی پسند کی اور
ایک محمود کی پسند کی۔
"عشر بے چارے کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا کار سے
فراٹی ڈالنے کے۔"
"ایکسیڈنٹ؟ کیسے؟ خیریت سے تو ہے؟" اس
ہاتھ میں روک کر اس نے فوراً" پوچھا۔
"ہاں اب تو خیریت ٹھیک ہے۔ ابھی پچھلے منگل سے
ڈسچارج نہیں ہوا۔ اپنی گاڑی میں کہیں جا رہا تھا کسی
بس والے نے ٹکر مار دی۔ کافی زیادہ چوٹیں آئی
تھیں اسے اور خون بھی بہت ضائع ہو گیا تھا۔ خاصی
بری حالت تھی اس کی فوری طور پر اچھا خاصا خون
چاہیے تھا۔ بلڈ بینکس اور ادھر ادھر سے زرینہ،
اجمل بھائی اور عشر کے دوستوں نے کوشش کر کے
کافی بلڈ حاصل کیا مگر جتنا بلڈ اسے چاہیے تھا وہ
ضرورت پوری نہیں ہو پا رہی تھی۔ وہ تو پھر محمود کا بلڈ
گروپ اس سے میچ کر گیا۔ محمود نے بلڈ دیا۔"
فریدہ نے اس کے سوال کا جواب دیا۔ وہ محمود کو دیکھ
کر مسکرایا۔ "اچھا! بہت اچھے یہ خدمت خلق کر
کے نیکیاں کمائی جا رہی ہیں۔"

"کیا کریں ہم او نیگیٹو والے ہوتے ہی اتنے اچھے
ہیں۔ دوسروں کو دوبارہ زندگی بخشنے میں شامل ہے۔
یہ بھی تو کہتے ہیں ہمیں Universal Donor کا
جاتا ہے۔ ہمارا تو خیر بنتا ہی ایک O-Negative والے
ہی کو تھا۔"
محمود نے ایک اداکارانہ بے نیازی سے قدرے شاہانہ سے
انداز میں اسے جواب دیا تھا اور اس کے اس انداز
اس کے ساتھ ساتھ فریدہ بھی قہقہہ لگا کر ہنس پڑی
تھیں۔



اسے ملائیشیا سے واپس آئے چھ سات روز ہو چکے
تھے جب اس صبح وہ محمود کو یونیورسٹی چھوڑنے آیا تھا
یونیورسٹی پہنچ کر محمود گاڑی سے اتر رہی تھی جب اس
نے اپنے پیچھے آتی گاڑی میں سر پر پٹی بندھے عشر کو
دیکھا۔ اس کی حالت میں یوں یونیورسٹی آنا اسے کچھ
عجیب لگا تھا۔ محمود نے بھی اسے دیکھ لیا تھا اور اب عشر
سے سلام دعا کر کے اپنی گاڑی سے اتر رہا تھا۔ عشر بھی
ان کا انتظار کر کے گاڑی سے باہر نکل آیا۔
"بھائی جیسے آپ لیے ہیں یاد رکھ کر کہ اس زخمی
حالت میں یونیورسٹی آنے کی کیا تک بنتی تھی۔ ادھر
چند دن اور ریسٹ کر لیتے۔" وہ ایک پیر کو جس طرح
گھسیٹ گھسیٹ کر لنگڑاتا ہوا چل رہا تھا اسے دیکھ کر
اس نے ہمدردانہ انداز میں کہا۔
"پہلے ہی بہت چھٹیاں ہو گئیں اشعر بھائی! آپ کو
معلوم تو ہے پڑھائی میں ہم پہلے ہی پیچھے ہی رہتے ہیں
اب اتنے سارے ناغوں کے بعد تو ہمیں یقین ہے
مزید پیچھے ہو گیا ہوں۔" وہ مسکرا کر بولا۔ محمود خاموشی
سے مسکراتے ہوئے دونوں کے ساتھ کھڑی تھی۔
"اب کیسی طبیعت ہے؟" اس نے پُر اخلاق انداز
میں اس کی خیریت پوچھی۔
"اللہ کا شکر ہے اب آرام ہے اور آپ کی بیگم کی
مہربانیاں ہیں۔ بالکل خیریت سے ہوں۔ پہلے صرف ان
کے اکسیڈنٹ کا ذریعہ اور محسن ہوا کرتا تھا۔ اب

کے خون کا بھی قرض دار اور احسان مند ہو گیا ہوں۔
بلکہ صرف میری کلاس فیلو نہیں اب میری محسن
بھی بن گئی ہیں۔" عشر مسکرا کر خوش دلی سے بولا۔
پھر ذرا رک کر ایک نظر ڈال کر اپنی بات جاری رکھتے مزید
بولا۔ "محمود بھی میری طرح O-Negative ہیں یہ
مجھے اب اس ایکسیڈنٹ کے بعد پتا چلا ہے۔
O-Negative والے جو بہت کم تعداد والے ہوتے ہیں
ان سب کو ہی ہم یہ لیتے صرف اپنوں سے ہیں۔"
عشر نے جو بات ساتھ والے کہی جس روز وہ واپس آیا تھا
اس روز ڈنر کے وقت محمود کی کہی ہوئی بات ذرا مختلف
لفظوں میں دہرائی۔
"ہاں بھئی آپ O-Negative والے ——
Universal Donor بھی ہیں۔ اتنا دانے بھی
ہیں۔ اب آپ لوگ کر سکتے ہو کر اس بات پر خوش
ہوتے رہیں۔ مجھے دیر ہو رہی ہے آفس کو دیر ہو رہی تو چلا
ہوں۔"
گفتگو کو فوراً ہی سمیٹ کر اس نے عشر کو خدا حافظ
کہا اور فوراً ہی اپنی گاڑی میں آ بیٹھا۔ گاڑی اسٹارٹ
کرتے ہی ساتھ ہی میوزک بھی بجنے لگا تھا۔ ابھی گھر
سے یونیورسٹی تک آتے ہوئے کہ راستے میں جو گنگناتا اور
ہنستے ہوئے آتے تھے وہی اس کا فیورٹ گانا گاڑی
میں گونج رہا تھا۔ مگر اپنا وطن سب سے پیارا اس وقت اچھا
نہیں لگ رہا تھا۔ اس نے فوراً ہی بڑی بے زاری سے
میوزک بند کر دیا تھا۔



اس کے کچھ غیر ملکی کاروباری دوست چند روز سے
کراچی آئے ہوئے تھے اور اس روز اس نے انہیں
گھر پر مدعو کر رکھا تھا۔ چونکہ بطور میزبان محمود کی
اہمیت میں بھر پور انداز میں موجودگی ضروری تھی اسی
لیے اس نے اس روز یونیورسٹی سے چھٹی کر لی تھی۔ ساری
دعوت کا انتظام بھی اس نے اپنی نگرانی میں کروایا تھا۔
ساڑھے تین، چار بجے جب اس کے مہمان رخصت
ہو گئے تب وہ واپس آفس چلا گیا تھا۔ آفس سے پھر اس

کی روانگی والے دن ہی شام کو گھر واپسی ہوئی تھی۔ فریدہ
بھی کچھ دیر قبل ہی گھر لوٹی آئی تھیں۔ محمود سب کے
لیے چائے تیار کر کے آئی تھی اور اب وہ تینوں لان میں
بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ چائے پینے کے دوران آج
کے دن کی بابت گفتگو ہو رہی تھی جب ان کے پورچ
میں عشر کی گاڑی آ کر رکی۔ اس کے ساتھ زرینہ بھی
تھیں۔
"خیریت اتنے مصروف لوگوں نے تمہارے لیے
ڈرائیوری کی ایسی کب سے سنبھال لی؟" وہ لوگ ان
لوگوں کے پاس آ کر لان چیئرز پر بیٹھ گئے تب فریدہ
زرینہ سے ہنستے ہوئے بولیں۔ ان کا اشارہ عشر کی طرف
تھا جس کے اپنے ساتھ آنے کے متعلق زرینہ بتا
رہی تھیں کہ وہ ان کے یہاں آنے کے لیے اپنے
ڈرائیور کا انتظار کر رہی تھیں۔ جسے اجمل صاحب
اپنے کسی کام سے ساتھ لے گئے تھے۔ ان کا ڈرائیور وہ
اب تک واپس آیا نہیں تھا۔ وہاں عشر غیر متوقع طور پر
خود ان کے گھر آ گیا تھا اور اس نے سہولت کو ان کے گھر
تک پک اینڈ ڈراپ کے لیے اپنی خدمات پیش کر دی
تھیں۔
"بس آنٹی اپنے ہونے کو کبھی کبھی چھوٹی موٹی نیکیاں
کرتے رہنا چاہیں۔" عشر فریدہ کی بات کے جواب
میں خوش مزاجی اور خوش دلی سے بولا۔ وہ اشعر کے برابر
والی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا جبکہ محمود ان دونوں کے سامنے
والی کرسی پر۔
"خدا سلامت رکھے تمہاری نیکی کے اس جذبے
کو۔" فریدہ اس کی بے تکلفی پر مسکرا کر بولی تھیں۔
ادھر ادھر کی گفتگو کرنے کے بعد زرینہ جس کام
سے فریدہ کے پاس اس وقت آئی تھیں اس سے
متعلق ان سے گفتگو کرنے لگیں۔ محمود اندر ملازمہ
سے ان لوگوں کے لیے چائے کا کہنے چلی گئی تھی۔
"آج تو محمود نے چھٹی نہیں کی آپ؟" عشر فریدہ اور
زرینہ کے ساتھ کچھ گفتگو تھا جب اس نے اپنے برابر
والی نشست پر بیٹھے عشر کی آواز سنی۔ محمود مہمانوں کو
چائے اور لوازمات سرو کر رہی تھی۔

"آج لنچ پر کچھ مہمانوں کو آنا تھا اس وجہ سے۔" ثمرہ نے اسے جواب دیا۔

"ہاں میں بھی سوچ رہا تھا کہ اتنی رنگ رلیوں اور ہنگاموں کی خاتون آج غائب کیسے ہو گئیں۔ خیال آیا کہ کہیں طبیعت تو خراب نہیں۔" مظفر چائے پیتے ہوئے ثمرہ سے بولا۔ زرینہ اشعر سے مخاطب تھیں۔ وہ ان کی طرف دیکھ بھی رہا تھا۔ مگر جو کیا کہہ رہی تھیں' اس نے بالکل بھی نہیں سنا تھا اس کی آنکھیں کسی اور طرف تھیں۔

"چلو مظفر اور زرینہ پھر کھوکے کر کے تنگ لگے رہتی ہیں' میں نے تو صرف ایک ایجنڈا ہی اپنے کی بات کی تھی۔ سامی لیا ہی بیٹھ گئیں۔"

زرینہ کو ثمرہ سے جو بھی کام تھا' وہ اسے جلدی جلدی ڈسکس کر کے جانے کے لیے جلد ہی اٹھ گئی تھیں۔

"آج ڈنر کر کے جائیے گا۔" ثمرہ نے ان سے کہا۔ ثمرہ اور لیزہ دونوں ان سے کھانے کے لیے رکنے پر اصرار کر رہی تھیں۔

"ضرور رک جاتی ثمرہ لیکن آج بہت دنوں بعد سارہ صاحبہ ڈنر گھر پر کرنے والی ہیں۔ مدت ہوئی تو آج محترمہ کو ماں باپ کو وقت دینے کا خیال آیا ہے۔ سو آج تو لازمی طور پر مجھے گھر پر ہی رکنا ہے۔" ثمرہ کے اصرار کے جواب میں زرینہ نے اپنے نہ رکنے کی وجہ بتائی۔

"سارہ کیسی ہے؟ بہت دنوں سے کہیں نظر نہیں آئی۔ مسز چوہدری کے ہاں پارٹی میں بھی نہیں آئی تھی۔"

"ٹھیک ہے۔ بس وہی اس کے کام ہیں اور کیا ہونا ہے۔ بس صبح اس سے ملاقات ہو گی اور پھر رات میں اور اس وقت بھی اتنی تھکی ہوئی ہوتی ہے کہ آتے ہی سیدھی اپنے بیڈروم میں۔ کل ہی میں نے کہا کہ کسی اور کو نہ سہی کم از کم خود کو تو تھوڑا وقت' تھوڑا آرام دے لیا کرو تو کہنے لگی ممی آج کل اپنی Line کی ایگزیبیشن کی تیاریوں کی وجہ سے Summer اتنی مصروف ہوں اس کے بعد خوب آرام کروں گی۔ میں نے کہا رہنے دو۔ اس کے بعد کوئی دوسری ایگزیبیشن ہو گی کوئی اور اہم میٹنگ' شو کوئی نیا فیشن لانچ ہے۔"

زرینہ کے نہ رکنے کی وجہ جاننے کے بعد لیزہ اور ثمرہ نے انہیں مزید نہیں روکا تھا۔ وہ اور مظفر بہت جلدی ہی واپس چلے گئے تھے۔

☆ ☆ ☆

"تم جا کر ریسٹ کرو نور افزا کچن میں جو کام رہ گیا ہے میں دیکھ لوں گی۔"

ثمرہ ڈائننگ روم کے پاس کھڑی نور افزا سے کہہ رہی تھی۔ کچن کے کاموں کے لیے دیگر کل وقتی ملازمائیں اور بھی موجود تھیں مگر۔ وہ ان کے گھر کی سب سے پرانی ملازمہ تھی اور گھر کے ایک ایک فرد کا مزاج اور اس کی پسند ناپسند کو بہت اچھی طرح سمجھتی تھی اسی لیے کھانا پکانے کی تیاری کی ذمہ داری اس پر رہا کرتی تھی۔ مگر آج شاید وہ بیمار تھی۔ اشعر اور لیزہ لاؤنج میں بیٹھے تھے۔

"بہت نرم دل کی ہے ثمرہ ہر کسی کا اسے فکر رہتی ہے۔ سب کا خیال رکھتی ہے۔" لیزہ نے بے ساختہ ثمرہ کی تعریف کی۔ "ثمرہ اگر وہ ڈشز بنا کر کھانا پکانے میں مدد بھی دے دیا کرتی ہے۔" لیزہ نے بتایا تھا کہ ثمرہ کی یہ خوبیاں ان کے علم میں تھیں۔ مگر ان کے منہ سے انہیں سننا اور بھی زیادہ اچھا لگ رہا تھا۔ اس کی طبیعت بھی شوہر کی عادی تھی۔

گھر کے افراد ہوں نوکر ہوں یا دوست احباب ہر ایک کی اسی طرح فکر رہتی ہے۔ "ابھی مظفر کا ایکسیڈنٹ ہوا تو اس کو بڑے فکر تھی۔ ہر ایک کو دن بعد اس کی عیادت کے لیے ہسپتال جاتی رہی۔ کبھی سوپ بنا کر لے جاتی' کبھی دوسری کوئی چیز۔ جبکہ میں تو حیران ہوں کہ تنگ دلی وہ بھی ہسپتال جا پائی مظفر کو دیکھنے۔ پہلی دفعہ تو فون پر زرینہ نے اطلاع دی تب سے ہو کر آئی تو اس سے خیریت معلوم کر لیا کرتی تھی۔

تمہارے ڈیڈی جب ہسپتال میں ایڈمٹ تھے تمہیں یاد ہے ثمرہ کی حالت۔ سارا سارا دن ہسپتال میں ان کے پاس رہا کرتی تھی۔ میں کتنی بھی کہتی کہ بیٹا کچھ دیر گھر پر آرام کر لو تو مگر وہ ان کے پاس سے ہٹنے کو تیار ہی نہیں ہوتی تھی۔ اس کی تو فطرت ہی اس طرح کی ہے۔ بہت سوفٹ' بہت حساس اور نرم دل۔"

نرگس کو فٹے اور مچھلیوں کا پلاؤ بنانے کا آرڈر دیا "نور افزا سے کیا تھا مگر ان چیزوں کی تیاری کا تقریباً تمام کام ثمرہ نے کیا۔ یوں یہ دونوں ڈشز اسی ہی نے تیار کی تھیں۔ وہ تینوں ساتھ بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ ابھی ان لوگوں کا کھانا جاری ہی تھا کہ ملازمہ نے آکر مظفر کی آمد کی اطلاع دی۔ "انہیں بلا لاؤ۔" لیزہ نے ملازمہ سے کہا۔ مظفر چند منٹوں بعد ہی ملازمہ کے ساتھ وہاں آ گیا تھا۔ سلام دعا کے بعد لیزہ اس سے بولیں۔

"بیٹھو مظفر! اگر کھانا کھا کر آئے ہو تب بھی یہ نرگس کے فٹے ضرور چکھو۔ ثمرہ نے بنائے ہیں اور میری بہو کے ہاتھ میں اللہ نے بہت ذائقہ دیا ہے۔"

بیٹا تکلف' مسکراتا ہوا کرسی پر فوراً بیٹھ گیا۔ "چکھوں گا کیوں۔ میں تو پیٹ بھر کر کھاؤں گا۔ ثمرہ کے ہاتھوں کا جب سب اچھے مزے کا ہو تو پھر تو قرض ادا کرنا بہت بنتی ہی کی بات ہو گی۔"

ثمرہ مسکرا دی تھی۔ وہ اپنے لیے سالن نکالنے لگا تھا۔

"اشعر بھائی بہت چپ ہیں۔ لگتا ہے ان بن بلائے مہمان کی آمد سے آپ کو خوشی نہیں ہوئی؟" مظفر نے فوراً ہی اس کی خاموشی بلکہ رکھائی کو محسوس کیا تھا۔

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ میں خاموشی سے بیٹھ کر کھانا کھانے کو زیادہ انجوائے کرتا ہوں۔" وہ خود پر جبر کر کے زبردستی مسکرایا کھانے کو انجوائے تو کیا کر رہا تھا۔ وہ آج کھانے کی میز پر بغیر بھوک کے آ کر بیٹھا ہوا تھا۔ دن بھر میں چائے کے سوا اس نے اور کچھ بھی نہیں کھایا تھا پھر بھی اسے بالکل بھی بھوک نہیں لگ رہی تھی۔ اسے اس وقت کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا ایک شدید قسم کی بیزاری اس پر طاری ہو رہی تھی۔

کھانے کے بعد ابھی سب لوگ بیٹھے ہی تھے کہ معذرت کرتا ہوا وہ اٹھ گیا تھا۔ وہاں سے سیدھا اپنے کمرے میں آ گیا تھا۔ وہ کمپیوٹر کے سامنے بیٹھا تھا مگر صرف پانچ منٹ بعد ہی اس کے پیچھے کمرے میں آ گئی اور وہ اس کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔

"کیا ہوا آپ کی طبیعت کیسی ہے؟" اس نے فکر مندی سے اسے دیکھا۔ اسکرین سے نگاہیں ہٹا کر اس نے ثمرہ کو کچھ اکھڑ کر مسکرایا۔

"ٹھیک ہے۔ کیا ہوا تم کافی سے پہلے کیوں آ گئیں؟"

"مجھے آپ کی فکر ہو رہی تھی۔ مجھے لگا شاید آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ شام سے اتنے چپ چپ لگ رہے ہیں' آج بھی کھانا بھی اتنا تھوڑا سا کھایا ہے۔" اس کی فکر مندی پر اس بار وہ دل سے مسکرایا۔

"طبیعت میری بالکل ٹھیک ہے۔ بس شاید کچھ تھک گیا ہوں۔ تھوڑا سر میں درد ہے۔"

"سر میں درد ہے تو پھر کام کیوں کر رہے ہیں۔ بند کریں اسے۔ آپ لیٹ جائیں میں بس ابھی دو منٹ میں آپ کے لیے زبردست سی چائے بنا کر لاتی ہوں۔ چائے پی کر سو جائیے گا۔ نیند آئے گی تو سر درد بھی دور ہو گا اور تھکاوٹ بھی ختم ہو جائے گی۔"

وہ فوراً ہی مڑنے لگی تھی لیکن اس نے ہاتھ پکڑ کر اسے روک لیا۔ "کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ سونے کا تو ویسے آپ دور ہو جائے گا۔"

"نہیں تو پھر سو جائیے۔" اس کے قریب کھڑی وہ خود کو اس پر انگلیاں چلاتی کمپیوٹر شٹ ڈاؤن کرنے لگی تھی۔ وہ کمپیوٹر کے سامنے سے اٹھ گیا تھا۔ وہ بیڈ کی طرف بڑھا تمام لائٹس آف کر کے وہ خود بھی اس کے پاس آ گئی تھی۔ وہ آنکھیں بند کر کے لیٹا تھا اور وہ اس کے پاس بیٹھی دھیرے دھیرے آہستہ آہستہ اس کا سر دبانے لگی تھی۔ نازک انگلیوں کی نرماہٹ اور گداز اچھا لگ رہا تھا مگر پھر بھی پتا نہیں کیوں دل میں ایک پھانس سی

بھی محسوس ہو رہی تھی۔

"فروا آج پتا نہیں کون سی بات ہے جو مجھے پریشان کر رہی ہے مگر آج میرا دل خوش نہیں۔ فروا تمہاری قربت ہر روز کی طرح دل کو آج بھی بہت تسکین دے رہی ہے مگر پتا نہیں پھر بھی دل اداس کیوں ہے۔"

وہ بہت دیر تک اس کا سر دباتی رہی تھی اور اس کے نازک ہاتھوں اس کی کومل انگلیوں کی نرماہٹیں محسوس کرتے کرتے وہ نجانے کس وقت سو گیا تھا۔ صبح اس کی آنکھ کھلی تو وہ اس کے پاس لیٹی تھی اس کا ہاتھ ابھی بھی اس کی پیشانی پر ہی تھا۔ جانے کب رات وہ کب تک اس کا سر دباتی رہی تھی اور یقیناً سر دباتے دباتے ہی خود بھی سو گئی تھی۔

اپنی محبوب بیوی کے محبت بھرے اس انداز نے حقیقتاً اس کی ساری بیزاری ساری تھکن مٹا دی تھی۔ اپنی پیشانی پر رکھے اس کے ہاتھ کو اس نے اپنے ہاتھ میں لے کر ہولے سے چوما تھا۔

"فروا! آئی لو یو۔ تم ہمیشہ مجھ سے ایسی ہی محبت کرنا میری زندگی کی ہر تکان دور ہو گئی ہو میں آنکھیں کھولتے ہی سب سے پہلے تمہیں ہی دیکھوں۔"

اس نے فروا کے گرد اپنے بازو پھیلا دیے تھے اور فروا اس کے محبت کے اس پرجوش انداز پر حیران سی ہو رہی تھی۔



آنے والے چند دنوں میں حریم کے تمام ٹیسٹ ہو بھی گئے تھے اور ان کی رپورٹس بھی آ گئی تھیں۔ وہ اس روز حریم کی تمام رپورٹس لے کر ڈاکٹر انصاری کے پاس گیا ہوا تھا۔

"دل کس طرح کام کرتا ہے" وہ تفصیل سے بتا رہے تھے پھر انہوں نے اسے یہ بتایا کہ حریم کا ایک ہارٹ والو پیدائشی طور پر خراب ہے اس کی وجہ سے اس صاف خون کی کچھ مقدار بجائے دل سے نکل کر جسم کے دیگر حصوں تک پہنچنے کے دل میں back Pump ہو جاتی ہے۔ یوں صاف اور گندا خون آپس میں مل جاتا ہے اور یوں حریم کے دل پر کام کا بوجھ بہت زیادہ بڑھا ہوا ہے اور اس صورت حال کے مسلسل جاری رہنے کے سبب حریم کے دل کا سائز اس کی عمر کے لحاظ سے جو نارمل سائز ہونا چاہیے، اس سے بڑا ہو گیا ہے۔ حریم کی گزشتہ سات آٹھ مہینوں کے دوران کی پچھلی تمام رپورٹس اور اب والی موجودہ تمام رپورٹس کا جائزہ لینے کے بعد انہوں نے اسے یہ بھی بتایا تھا کہ حریم کو جو مرض ہے اس طرح کے کیس میں وقت سب سے زیادہ اہم ترین چیز ہے۔ سرجری ہونا ہے یہ طے شدہ بات ہے مگر کب؟ یہ ان لوگوں کو اس لحاظ سے خوش قسمت قرار دے رہے تھے کہ انہوں نے حریم کے علاج کی طرف بالکل درست وقت پر توجہ دی ہے اور ان کے حساب سے یہ حریم کی سرجری کے لیے مناسب ترین وقت ہے۔ انشاء اللہ ایک ہی سرجری سے مستقل دور کر دیا جائے گا اور آگے مزید کسی سرجری کی کوئی ضرورت نہیں پڑے گی۔

وہ ڈاکٹر انصاری سے یہ پوچھ رہا تھا کہ اگر وہ حریم کو سرجری کے لیے امریکہ لے جائے تو کیا یہ زیادہ مناسب رہے گا یا پاکستان ہی میں سرجری کروانا ٹھیک ہے۔ ڈاکٹر انصاری کا کہنا تھا۔ cardiac Paediatric سرجری ایک مشکل اور نازک کام ہے۔ اس کے لیے اعلا درجے کی پیشہ ورانہ قابلیت مہارت اور جدید ترین ٹیکنالوجی کی ضرورت ہوتی ہے۔ کچھ عرصہ پہلے پاکستان میں اس حوالے سے اب پاکستان میں دل کے امراض اور ان کے علاج کے حوالے سے highly trained کارڈیک سرجنز، کارڈیالوجسٹ اور جدید ترین ٹیکنالوجی کی کمی کی نہیں ہے۔ اگر حریم کی پاکستان میں ہونے والی اوپن ہارٹ سرجری کی کامیابی کے 90 فیصد چانسز اور اس میں ایک فیصد رسک ہے تو وہ اسے امریکہ سمیت دنیا کے کسی بھی ترقی یافتہ ملک میں لے جائے ایک فیصد رسک وہاں پر بھی ہو گا۔



فروا کے انتظار میں وہ بہت دیر سے ٹیک لگا کر بیٹھا

تبریز کے چہرے پر بدلتی کیفیت کو بغور دیکھ رہا تھا۔ فورا ہی انتشار کے عالم میں وہ صبحی بھی سنجیدگی سے پھر عالی کر رہی تھی۔ آج رات کا کھانا بھی اس نے جلدی جلدی اتنا سر سری سا کیا تھا اور پھر کمرے میں آنے کے ساتھ ہی وضاحتوں میں جت گئی تھی۔ رو رو کی طرح گھنٹہ آدھ گھنٹہ تو آج اسے بھی سر جھکائے احتیاط سے کام کرتے وضاحتیں کرتے ہو گئے تھے۔ اب اس سے مزید جاگا نہیں جا رہا تھا۔ چنانچہ وہ فائل بند کر کے اٹھا اور اس کے پاس آ گیا۔

"اور کتنی وضاحتیں کرنی ہیں محترمہ؟" اس کی گردن کے گرد بازو حمائل کر کے وہ اس کی طرف جھکا۔

"ابھی تو بہت کام رہتا ہے۔" وہ قلم چلاتے چلاتے رک کر اس نے نگاہیں اٹھا کر ایک پل کو اسے دیکھا۔

"بس کرو یار۔ باقی کام کل کر لینا۔ مجھے نیند آ رہی ہے۔" اس نے استحقاق بھرے انداز میں اس کے شانوں پر دباؤ ڈالتے اسے کرسی پر سے اٹھانا چاہا۔

"میرا کل بہت اہم ٹیسٹ ہے۔ مجھے اس کی تیاری کرنا ہے۔ میں دیر تک جاگوں گی۔ آپ پلیز سو جائیے۔"

"اتنے ذہین لوگوں کو اتنا پڑھنے رٹنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ چھوڑو ساری ٹینشن، آرام سے لیٹ کر سوؤ۔ چلو اب اٹھ بھی چکو۔" اس نے پھر اسے کھڑا کرنے کی کوشش کی۔

"آپ کو کچھ کہنا نہیں ہے۔ مجھے میرا کل آج رات میں جاگ کر پڑھنا ہے۔ میں سو نہیں سکتی۔ آپ سو جائیں۔"

وہ نے شانوں پر رکھے اس کے ہاتھوں کو اس نے ہٹایا تو نہیں تھا مگر اس کے لہجے میں جو جھنجلاہٹ تھی وہ تبریز کو گراں گزری۔ وہ ان ہاتھوں کو بھی اس وقت پسند نہیں کر رہی۔ اس کے حق جتاتے، پرجوش اور محبت بھرے انداز کو یکسر ہی جیسے اس نے اپنے قطعیت بھرے لہجے اور اکھڑے رویے سے ٹھکرایا تھا۔ وہ کچھ سوچ کر پلٹا رہا۔ ایک پل میں کمرے کی تمام لائٹس آف کر کے وہ بیڈ پر لیٹ گیا تھا۔ اس نے

یہ نہ سوچا تھا کہ اس کی موجودگی میں پڑھائی کرنے والے چند گھنٹوں کے لیے بھی اس کے ساتھ یوں بات کرتی ہے۔ وہ اس کی لاتعلقی پر ناخوش تھا۔ بہاں وہ اس کے مقیم نہیں سو رہا تھا تو اس کو بھی یہ بات جتانی تھی کہ اس کے لیے اسے نیند آتی ہے لہٰذا وہ بھی جلدی سونے کی تیاری کرے۔ بہانے سے بیڈ پر لیٹ گئی تھی۔ نیا آج پہلی بار ہوا تھا جب وہ اس کے ساتھ ہی اس کے پاس نہیں آئی تھی۔ وہ ہرٹ ہوا تھا۔ ثمرہ نے اس کے وقار کو چوٹ پہنچائی تھی۔

اس رات سونے سے پہلے جو آخری احساس اسے اپنی گرفت میں لیے ہوئے تھا، وہ یہ تھا کہ آج ثمرہ نے اسے، اس کے جذبات اور اس کی محبت کو بہت بری طرح مجروح کیا ہے۔ آج ثمرہ نے اس کی محبت کو، عزت اور بھرے جذبات سے ٹھکرایا ہے۔

☆ ☆ ☆

صبح وہ بالکل نارمل اور سنجیدگی سے اپنی آفس جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ ثمرہ بھی جلدی جلدی پڑھائی کا کام کر رہی تھی۔ وہ کوٹ کھولے تیار تھے تو اسے کچھ یاد آیا تو اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا جو وارڈ روب کے سامنے کھڑا ٹائی لگا رہا تھا۔

وہ کرسی سے اٹھی اور اس کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔ "یہاں اس سوٹ کے ساتھ یہ والی ٹائی اچھی لگے گی۔"

اس نے فورا دو سرے پر ایک ٹائی اٹھا کر اسے رنگ کی ٹائی کھینچی اور خاموشی سے وارڈ روب کے سامنے سے ہٹ کر ٹائی گلے میں لگا کر ڈریسنگ ٹیبل کے شیشے کے سامنے آ کھڑا ہو گیا تھا۔ وہ بھی اس کے پیچھے ہی آئی تھی۔ وہ ابھی تک گھر کے ہی لباس میں تھی۔ اس نے آفس جانے کے لیے اپنی کوئی تیاری شروع نہیں کی تھی۔ وہ اسے آئینے میں اپنے پیچھے کھڑی نظر آ رہی تھی۔ اس نے گردن موڑ کر بھی دانستہ اسے نہیں دیکھا تھا۔

"آپ مجھ سے ناراض ہیں؟"

"نہیں۔" ٹائی کی ناٹ تیز رفتاری سے بناتے اس کا یک لفظی جواب بالکل بے تاثر تھا۔

"آئم سوری۔ رات کی میری حرکت واقعی بہت زیادہ غلط تھی۔ مجھے صرف دو دن پہلے ڈاکٹر افتخار نے آج کے ٹیسٹ کی اطلاع دی تھی۔ میری کوئی تیاری نہیں ہو سکی تھی۔ ان دو دنوں میں پہلے تو آپ کی فرینڈز کو آنا تھا، پھر ممی کی طبیعت خراب اور شام اس میں نکل گئی۔ رات میں بھی پڑھائی میں جتنا جاگا وہاں چلے گئے اور کل وہ سیر وہ ہمیں ہر وقت آپ کے کہنے کے بعد جب میں پڑھنے بیٹھی تو نیند آنے لگی۔ مجھے تو پتہ نہیں۔ آپ کو پھر بھی آتی ہیں، مجھ سے نیند کبھی آتی بھی نہیں ہو سکی۔ میری ٹیسٹ کی کوئی تیاری نہیں ہو سکی تھی اور میرے ذہن پر ٹیسٹ سوار تھا، اسی لیے۔"

وہ بولتے بولتے رک گیا، تھی کو ایک پل کے لیے یوں چپ ہوئی جیسے خود اسے اس سے بہت کچھ کہنا ہو۔ اس دوران اس کی باتیں نظر انداز کر کے وہ کوٹ پہن چکا تھا۔ قمیص کے اوپر کوٹ پہن کر اس نے برش اٹھا کر انتہائی سرعت سے بالوں میں برش پھیرا تھا۔

"لیکن پھر بھی آپ سونے کے لیے جا رہے تھے، مجھے اسی وقت اپنی غلطی کا احساس ہوا تھا۔ شرمندگی ہوئی تھی، دکھ ہوا تھا کہ جب میں آپ کے پاس آئی آپ سو چکے تھے۔ میں اسی وقت آپ سے کہنا چاہتی تھی کہ میرے لیے کوئی ٹیسٹ اور دوسرا کوئی کام آپ سے زیادہ اہم نہیں۔ میرے لیے سب سے زیادہ آپ اہم ہیں۔ میں رات ہی آپ سے معافی مانگنا چاہتی تھی۔ پلیز مجھے معاف کر دیں۔ مجھ سے ناراض مت ہوں۔"

اس نے آہستگی سے اس کے بازو پر اپنا ہاتھ رکھا۔ وہ آنکھوں میں شرمندگی، ندامت لیے اور کسی لیے اسے دیکھ رہی تھی۔

"میں ناراض نہیں ہوں۔" وہ اپنا ہاتھ چھڑا کر

ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے سے ہٹ گیا۔ اس نے دراز میں سے کوٹ نکال کر پہنا۔ وہ گھڑی پہننے لگا تھا۔ اس نے کوٹ پہن رہا تھا۔ اپنی بات بالکل پاس کھڑی ثمرہ کو مکمل نظر انداز کیے۔

"آپ نے مجھ سے کہا تھا، آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں۔ ہم جس سے محبت کرتے ہیں اسے اس کی غلطیوں پر معاف بھی تو کر دیتے ہیں۔" وہ اس کے ہاتھ کو تھام کر بھرائی آواز میں بولی۔

"مجھ سے ناراض ہو کر مت سوئیں۔ مجھ سے ناراض ہو کر آفس مت جائیے گا ورنہ اپنی زندگی کے اس ہر دن کے لیے میں خود کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔" اس نے پلکوں کو زور سے جھپکا کر خود کو رونے سے روکا تھا۔ آنسوؤں کو پیچھے دھکیلا تھا۔ اس لڑکی کے آنسو تو ان راتوں میں بھی تکلیف دیتے تھے۔ اب وہ اس کی جدائی کے غم میں اس کے قریب تھی۔ خاموش آنسو بہاتی تھی اور ابھی وہ اس سے محبت کا وعدہ کر رہا تھا۔ کوئی نہیں تھا تو پھر اب تو کیوں ترسے؟ آج اس میں اس نے پہلی مرتبہ اس کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

"کہتا تھا نہیں؟ کہتا ہوں کہ تم سے محبت کرتا ہوں۔ تم میرے لیے سب سے خاص ہو، سب سے اہم ہو۔ اب یہی بات ایک بار تم بھی میرے لیے بولو تو ساری ناراضی ابھی کے ابھی ختم ہو جائے گی۔"

"میں آپ سے بہت محبت کرتی ہوں۔ جتنی آپ مجھ سے کرتے ہیں اس سے بھی کہیں زیادہ۔ اس لیے کہ آپ کے پاس تو دوسرے بھی بہت سے رشتے ہیں جن سے آپ کو محبت کا تعلق ہے۔ آپ کے پاس بہت سے رشتے ہیں آپ کی محبت کو تقسیم کرنے کے لیے بانٹنے کے لیے۔ آپ کے پاس دوسرے بھی رشتے ہیں۔ میرے پاس تو آپ کے علاوہ اور کوئی رشتہ ہی نہیں ہے محبت کرنے کے لیے۔ میرے پاس صرف آپ ہیں اور اس محبت کو تقسیم کرنے کے لیے، بانٹنے کے لیے دوسرا کوئی بھی نہیں۔" وہ اپنے آنسوؤں کو مزید روک نہیں پائی تھی اور اس کے شانے پر سر رکھ کر رو پڑی

تھی۔

"اگر مجھے پتا ہوتا میری ناراضی اتنی واضح ہے مجھے اتنا خوب صورت اظہار محبت سننا تھی ہے تو ناراض ہونے والا یہ مبارک کام بہت پہلے انجام دے چکا ہوتا۔" اسے ہنسانے پر اس نے اس کا سر اٹھا کر اس کے چہرے پر بکھرے آنسوؤں کو خشک کرتے وہ متبسم لہجے میں بولا۔

"دوبارہ کبھی مجھ سے اس طرح ناراض مت ہونا۔ مجھے ابھی جب تم مجھ سے ناراض تھے' میری طرف دیکھ نہیں رہے تھے' مجھ سے بات نہیں کر رہے تھے تو مجھے اتنی وحشت ہو رہی تھی جیسے الگ ہو گیا ہو میری زندگی میں ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا پھیل گیا ہے۔"

اشک بھرے لہجے میں یہ بات اس نے کہی تھی اس سے اس کے دل کو کچھ ہوا۔ بڑی بے ساختگی میں اس نے اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں تھاما۔

"پاگل ہو تم؟ اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں پر اتنا بڑا ہو کر نہیں سوچتے۔ شادی شدہ زندگی میں ناراضیاں' لڑائیاں' جھگڑے سب چلتے رہتے ہیں۔ ان کے بغیر ناراضیوں اور لڑائیوں ہی میں تو اس رشتے کا حسن ہے۔ اب اس وقت جو اتنا خوب صورت اظہار تم نے مجھ سے کیا ہے' کیا وہ لگتے اس سالوں میں بھی نارمل اور خوش گوار حالات میں مجھے سننے کو مل سکتا تھا؟"

سنجیدہ اور گمبھیر لہجے میں بات شروع کر کے جملے کے اختتام پر وہ شوخ ہوا۔ اس کی باتوں نے واقعی اسے روتے روتے ہنسا دیا تھا۔ اسے ہنستا دیکھ کر وہ بھی کھل کر ہنس رہا تھا۔ اپنے کوٹ کو آنسوؤں سے بھگونے اور خراب کرنے پر اسے مصنوعی خفگی سے گھورتے ہوئے باتیں سنا رہا تھا۔

وہ رات کی وہ بات کو بھلا چکا تھا۔ مگر خود نے شاید ابھی اس بات کو بھلایا نہیں تھا تب ہی تو کچھ دیر بعد جب وہ اسے یونیورسٹی چھوڑنے جا رہا تھا تب اس کے برابر گاڑی میں بیٹھی وہ اسٹیئرنگ پر رکھے اس کے ہاتھ کے اوپر اپنا ہاتھ رکھ کر آہستگی سے کہہ رہی تھی۔

"کل کی میری بدتمیزی کو بھول جائیں گے نا؟ آئندہ سے میں اپنی ساری پڑھائی آپ کے آفس سے آنے سے پہلے ختم کر لیا کروں گی۔"

وہ اس کی ناراضی سے خائف ہو کر اپنے معمولات بدل دینے کا اس سے وعدہ کر رہی تھی اس کی خواہش کے مطابق بدلے گی تو وہ کبھی نہیں چاہ سکتا تھا۔

جس لڑکی سے وہ والہانہ محبت کرتا تھا' وہ اس کی ذرا سی دیر کی ناراضی سے کتنی بجھ سی گئی تھی۔

"تم جس طرح پڑھتی ہو' اسی طرح پڑھو۔ اپنے کسی روٹین کو چینج کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر ایسا کرو گی تو مجھے اپنے آپ پر بالکل ظالم اور جابر شوہر جیسا لگے گا۔ پھر رومانٹک اور لیلیٰ مجنوں والا تصور ایسا امپریشن کس طرح اپنے پاس برقرار رکھ پاؤں گا؟"

اس نے مسکرا کر محبت بھری نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"آپ کچھ بھی کہیں۔ لیکن مجھے اپنے آپ پر بہت غصہ ہے۔ میں نے بڑی ندامت اور بڑی شرمندگی کل ساری رات محسوس کی ہے زندگی میں کبھی نہیں کی۔"

"اس شرمندگی' شرمندگی میں تمہارے ٹیسٹ کی تیاری کا کیا بنا؟"

"کچھ بھی نہیں۔ مجھے ذرا سی بھی فکر نہیں۔ میں فیل ہو جاؤں۔ مجھے پروا نہیں۔ ایک بیوی کی حیثیت سے فیل ہو کر مجھے کسی بھی امتحان میں پاس ہونے کی خواہش نہیں ہے۔"

"تم کوئی ایک بیوی نہیں ہو' تم میرے لیے بہت کچھ ہو۔ تمہیں پتا ہے میں یہ بات' کچھ پاس اور فیل کا سوال کہاں سے پیدا ہو گیا۔ اپنے ذہن کو سب فضولیات سے آزاد کر کے بالکل ریلیکس ہو کر ٹیسٹ دینا۔ تمہیں خود پر بھروسا ہو نہ ہو مجھے تم پر پورا بھروسا ہے۔ وہ بغیر تیاری کے بھی ساری کلاس میں سب سے اچھا ٹیسٹ دے کر آئے گی۔ تمہیں کالج پہنچنے سے پہلے بھی بڑا خلوص' محبت اور چاہت سے بھرپور بھی۔" وہ اس کے پر یقین انداز پر طمانیت سے مسکرا دی تھی۔

پھر اسے یونیورسٹی ڈراپ کر کے جب وہ اپنے آفس جا رہا تھا تب سارے راستے خود کو مصروف کر کے رکھا تھا۔ جہاں بھی میں ایم بی اے کرتا بچوں کا کھیل نہیں ہے' آج کل پڑھائی کے لیے وقت تو چاہیے تھا۔ کیا جس وقت وہ پڑھائی ضروری کام کر رہا ہوتا ہے تب خود بہت ہی ہے کہ میں اکیلی ہو رہی ہوں؟ کسی تنہا چھٹے جانے گئے انسان کو صرف اور صرف اپنے تساہل ہی رکھنے کی کوشش کرتا وہ بھی محبت کے نام پر محبت کی سرا سر توہین ہے۔

٭ ٭ ٭

تمام تر غور و فکر کے بعد وہ اس فیصلے پر پہنچ گیا تھا کہ اگر سرجری ہی حریم کا واحد علاج ہے تو وہ یہ سرجری ڈاکٹر انصاری ہی سے کروانا چاہے گا۔ ڈاکٹر انصاری کی پیشہ ورانہ مہارت' ان کا طریقہ کار سب کچھ بہت زیادہ پسند آیا تھا۔

آج چھٹی کا دن تھا۔ اپنی صبح خیزی کی عادت کے مطابق جلدی جاگ جانے کے باوجود وہ دیر تک سستی سے بستر پر پڑا رہا۔ پھر جب وہ اٹھ کر نہانے کے لیے باتھ روم میں گھسا تو نہانے سے پہلے آئینے میں خود کو دیکھتے اس نے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا جو آج کافی دنوں سے شیو نہیں کیا تھا۔

اس کے چہرے پر موجود خشخشی داڑھی اس کی ہر دم شیو کرنے کی عادت کے برعکس تھی۔ شیو کر لیے تھا لگتے اور بہت اچھا سا آفٹر شیو اور کولون استعمال کر لینے کے بعد وہ اپنے آپ پر خوش ہو رہا تھا۔

وہ باتھ روم سے باہر نکلا تھا کہ عین اسی وقت ایک زوردار دھماکے سے کمرے کا دروازہ کھول کر حریم اندر آئی۔ اپنے بکھرے گلابی رنگ کے نائٹ سوٹ میں ملبوس نیند سے آنکھیں ملتی ہوئی۔

اسے دیکھ کر بھرپور انداز میں مسکرایا تھا اس کے اندر ایک عجیب سا خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی۔

"گڈ مارننگ پرنسس۔" وہ اپنی بانہیں پھیلائے اس کے پاس آ گئی تھی۔ اس نے فوراً جھک کر اسے گود میں اٹھایا اور دونوں گالوں پر پیار کیا۔

"ماما سو رہی ہیں۔" حریم اٹھ گئی ہے۔ "اس سے پیار کروانے اس نے بتایا۔

"پاپا برش کرا دیں' منہ دھلوا دیں۔"

سر ہلاتے ہی وہ اسے باتھ روم میں لے آیا۔ حریم کو روزانہ کی طرح چھوڑ کر اپنے کمرے سے باہر نکلا' آہستگی سے برابر والے کمرے کا دروازہ کھول کر اس میں داخل ہوا' وہاں بے خبر سوتی ثمرہ پر ایک نگاہ بھی ڈالے بغیر وہاں سے وہ چھوٹی سی کرسی اور باتھ روم سے حریم کا برش اور پیسٹ اٹھا کر واپس اپنے کمرے میں آ گیا۔ اسے واش بیسن کے سامنے کرسی پر کھڑا کر کے حریم کو اس پر کھڑا کر کے کبھی وہ اس کے پاس کھڑا ہو گیا۔ حریم واش بیسن کے آگے کرسی پر کھڑی تھی اس نے اسے نل کھول کر دیا' صابن اٹھا کر پکڑایا تو اسے کافی کچھ سکھا رکھا تھا۔ اسے صرف اس کے برش پر ٹوتھ پیسٹ لگا کر دینا پڑتا تھا' باقی دانت برش بھی اس نے خود کیے تھے اور کلی بھی خود کی تھی۔ اس نے آنکھیں کس کر مضبوطی سے بند کر کے منہ پر صابن تو خوب اچھی طرح لگایا تھا۔

"پاپا منہ دھلائیں۔" آنکھیں مضبوطی سے بند کیے تھے اس نے کسی قدر خفگی سے کہا۔ مسکراتا ہوا اس کے منہ پر پانی کے چھپاکے مارتے دیکھ اپنے اسٹینڈ سے تولیہ اتار کر اس نے اس کا منہ ہاتھ خشک کیے پھر اسے گود میں اٹھا کر واپس کمرے میں لے آیا۔

"ناشتہ کرنا ہے؟" اسے گود میں اٹھاتے اس نے پوچھا۔ اس نے اپنے مخصوص انداز میں گردن زور زور سے اقرار میں ہلائی۔

"چلو حریم اور پاپا دونوں ساتھ مل کر ناشتہ کرتے ہیں۔ آج پاپا حریم کو خود ناشتہ بنا کر دیں گے۔" وہ کمرے سے نکل کر کچن کی طرف آ گیا تھا۔ ملازم کچن میں اپنے لیے چائے کا کپ بنا کر بیٹھی ناشتہ بناؤ کر کے گھر کے مکینوں کے جاگنے کا انتظار کر رہی تھی ان دونوں کو اندر آتا دیکھ کر ایک دم مستعد ہو کر کھڑی ہو گئی۔

"بی بی کے لیے کیا ناشتہ بناؤں اور آپ؟"

"تم رہنے دو ناشتہ آج میں اور حریم کا ناشتہ میں خود

رہا ہوں۔"

اینت اسے خوبصورت باسکٹ کے سوا ملی دیکھ کر سر ہلاتی کچن سے نکل گئی تھی۔ "ناشتے میں کیا کھاؤ گی پرنسس؟"

"پلیک اور ٹوسٹ اور ایپل جیم اور کریکر۔" اس نے بے تکلفانہ اپنی پسند بتائی۔ اس نے حریم کو گود سے اتار کر کاؤنٹر پر بٹھایا۔ سوتل ریلی جیسی نیچی ٹکل رہا تھا اور وہ دلچسپی سے اسے کام کرتا دیکھ رہی تھی۔

"پرنسس! آپ پلیک کیسا پسند کریں گی؟" وہ نل والے کھولتا اسے پوچھ رہا تھا، اس نے پوچھا۔

"تھوڑا شوگر کر کے۔" آنکھیں ہلاتے اس نے فوراً جواب دیا۔ اس نے (چینی) کی طرف ہاتھ بڑھا دیا تھا مگر حریم کے جواب نے اسے چونک کر رک جانے پر مجبور کیا۔

"ملک میں شوگر ابھی نہیں ڈالی بابا۔" وہ اس کے چونکنے کو شاید اس کی ناپسندیدگی محسوس کر کے مدبرانہ انداز میں بولی، مگر اس مدبرانہ انداز میں بھی ایک بچکانہ اور معصومانہ سی سنجیدگی کے ساتھ جملے سے مزید بولی۔ "پاپا! جیم میں ایک اور سٹرز میں شوگر ہوتی ہے۔ حریم کو کھانی ہے۔" وہ ایک گھڑی ہی سانس لے کر اپنی بے تحاشا حیرت کے حصار سے باہر نکل کر مسکرا دیا۔

اپنے بچپن کی ایک عادت جو آج تک قائم تھی، اپنی بیٹی میں دیکھنا ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کے سامنے خود اس کا بچپن آ کر کھڑا ہو گیا ہو۔



اس کی آنکھ کھلی تو وہ کمرے میں تنہا تھی۔ آنکھیں کھولتے ہی اس نے بیڈ پر اپنے برابر کی خالی جگہ اور پھر باتھ روم کو دیکھا۔ ایک دم ہی گھبرا کر اٹھ بیٹھی۔ پھر اسے حریم اور اشعر کے باتیں کرنے کی آواز آئی تو وہ سیدھی کچن میں چلی آئی۔ کچن کے اندر کا منظر جیسے ایک بہت ہی خوب صورت اور دلچسپ سا منظر تھا۔ حریم اور اشعر کچن ٹیبل پر ساتھ بیٹھے ناشتہ کر رہے تھے۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھے اتنے خوش لگ رہے تھے کہ وہ بے اختیار ٹھٹک کر دروازے ہی پر رک کر انہیں دلچسپی سے دیکھنے لگی۔

"اور ٹوسٹ لوگی پرنسس؟ جیم لگاؤں؟" اشعر کے سوال کا حریم نے نفی میں سر ہلا کر جواب دیا۔

تب ہی اس کی نظر خود پر پڑی۔ "ماما آ گئیں۔" بڑے جوش سے اس نے جیسے ماں کی آمد سے باپ کو مطلع کیا۔

اشعر نے گردن گھما کر اسے بے تاثر نگاہوں سے دیکھ کر فوراً ہی سر واپس سیدھا کر لیا اور اپنی توجہ ہاتھ میں موجود چائے کے کپ اور سامنے دھرے اخبار پر مرکوز کر دی۔

"ماما! حریم کو بریک فاسٹ پاپا نے دیا۔ پلیک بھی پاپا نے دیا۔" حریم بڑے جوش و خروش سے اطلاع دے رہی تھی۔ وہ مسکراتے ہوئے حریم کے برابر والی کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔

"ماما کو بریک فاسٹ نہیں کراؤ گی؟" حریم کی طرف جھک کر اس کے گال پر پیار کرتے اس نے پوچھا۔

اسے سر اثبات میں ہلا کر جواب دیتی وہ اشعر کی طرف متوجہ ہوئی۔ "پاپا! ماما کو بھی بریک فاسٹ دیں۔" اس کا انداز ایسا حکمیہ سا تھا کہ وہ بے ساختہ مسکرا دیا۔

"بہت بہتر پرنسس! ذرا اپنی ماما سے یہ تو پوچھ لو کیا لیں گی۔"

"ماما! آپ کیا لیں گی؟" اشعر کا جملہ اسی کے انداز میں دہراتے اس نے خود سے پوچھا۔

"جو حریم کھلائے گی سویٹ ہارٹ۔" اشعر اس دوران ٹوسٹ نکال کر مکھن لگا کر حریم کی طرف کرنے لگا تھا۔ اس نے کیتلی کی طرف ہاتھ بڑھایا تب ہی اشعر نے کیتلی اس کی طرف کر دی۔ اشعر نے اسے کیتلی کی طرف ہاتھ بڑھاتے نہیں دیکھا تھا۔ اس کا ہاتھ خود کے ہاتھ کے اوپر رکھا گیا تھا جیسے کوئی بہت زور کا جھٹکا کسی شدید کرنٹ کا لگا تھا۔ لمحے بھر کا اس شخص کا یہ لمس اسے انتہائی ناقابل برداشت اور ناقابل نفرت محسوس ہوا تھا۔ مرتے دم تک بھی وہ یہ تصور نہیں کر سکتی تھی کہ یہ شخص

اس کے ہاتھوں کو تھامے اس کے قریب لے گئے۔
ابھی تک اس نے اشعر کی گھبرائی ہوئی آواز سنی۔ "حریم! کیا ہوا بیٹا؟" بری طرح گھبرا کر اس نے برابر بیٹھی حریم کو دیکھا جو کھینچ کھینچ کر اکھڑے اکھڑے سانس لے رہی تھی۔
"ماما۔" شدید تکلیف کے عالم میں اس نے اسے پکارا۔ وہ بہت کھینچ کھینچ کر بڑی مشکلوں سے سانس لے رہی تھی۔ اس کے چہرے کی رنگت پر پیلاہٹ سی ظاہر ہو رہی تھی وہ پسینے میں نہائی ہوئی تھی۔
"حریم! بیٹا کیا ہوا؟ کیا سانس لینے میں مشکل ہو رہی ہے؟" کھینچ کھینچ کر سانس لینے کی کوشش کرتے ہوئے اس نے آنکھیں بند کیں تو اشعر شدید پریشانی کے عالم میں اسے گود میں اٹھا کر دوڑتا ہوا گیٹ کے دروازے کی طرف بھاگا۔
"میرا موبائل، گاڑی کی چابی اور والٹ اٹھا کر لے آؤ۔" دروازے سے نکلتے اس نے ثمرہ سے کہا۔ وہ اشعر کی تمام چیزیں اٹھا کر بھاگتی اس کے پیچھے ہی گاڑی میں داخل ہوئی۔
"ڈاکٹر انصاری سے ان کے موبائل پر کانٹیکٹ کر کے پوچھو آج وہ ہارٹ سینٹر میں بیٹھتے ہیں۔ ان سے پوچھو وہ اس وقت وہاں ہیں؟ ہم وہاں آ رہے ہیں۔" گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے اس نے عجلت بھرے انداز میں ثمرہ سے کہا۔ حریم ثمرہ کی گود میں بے سدھ سی پڑی تھی۔ بہت جلدی وہ لوگ ہسپتال پہنچے تھے۔ وہاں جاتے ہی اسے فوری طور پر ٹریٹمنٹ ملا اس سے اس کی طبیعت بہت جلدی ہی سنبھل گئی تھی۔ اسے جو کوئی سکون آور دوائی دی گئی تھی اس کے زیر اثر وہ مکمل طور پر پرسکون نیند میں تھی۔ وہ اب سانس بھی بالکل نارمل انداز میں لے رہی تھی۔ اشعر کے ماتھے پر تفکرات کے سبب گہری لکیریں موجود تھیں۔ اشعر کچھ دیر پہلے کے مقابلے میں خود کو قدرے نارمل کر چکا تھا جبکہ وہ ابھی تک بھی خود کو نارمل نہیں کر سکی تھی۔ اس کے ہاتھ ابھی تک بری طرح لرز رہے تھے۔

ڈاکٹر انصاری نے سرجری کے لیے چند دنوں بعد کی تاریخ دی تھی۔ انہوں نے بتایا تھا۔ سرجری کے بعد حریم ہر طرح سے نارمل زندگی گزار سکے گی۔ وہ بڑی ہونے کے بعد شادی کر سکنے کے قابل ہو سکے گی۔
چند دنوں بعد کی تاریخ اس لیے دی گئی ہے جو دوائیں دی گئی ہیں۔ انہیں استعمال کر کے ان دنوں میں اس کی قوت مدافعت بہتر ہو سکے گی۔
وہ لوگ حریم کو ساتھ لیے گھر واپس آ گئے تھے۔ بہت تھکے ہوئے اور نڈھال قدموں سے چلتی ہوئی حریم کے کمرے میں داخل ہوئی۔ حریم ابھی مکمل طور پر غنودگی میں تھی۔ اشعر نے بڑی احتیاط سے اسے بیڈ پر لٹایا تھا۔ اشعر کے چہرے پر تفکرات کا جال بچھا نظر آ رہا تھا۔
اس کے لیے یہ یقین کرنا مشکل ہو رہا تھا کہ یہ وہی شخص ہے جس نے بیوی کے پریگننٹ ہونے کی بات جان لینے کے بعد بیوی کے لیے تو کیا اپنی اولاد تک کے لیے بھی کبھی پلٹ کر اس تک آنے کی زحمت نہیں کی تھی اور جس کے پاس فقط چند دن قبل وہ حریم کے اس کی اولاد ہونے کے کئی طرح کے ثبوت لے کر اس کے آفس پہنچی تھی۔ شاید قسمت کی بات ٹھیک تھی۔ بیوی کے پریگننٹ ہونے کو جاننے اور اپنی ایک جیتی جاگتی پیاری سی بچی کو دیکھنے میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔

☼ ☼ ☼

"کچھ دیر آرام سے بیٹھی رہو پرنسس۔" پیار سے سمجھا کر اسے بستر سے اٹھنے سے روکنا چاہتا تھا۔ ڈاکٹر انصاری کے پاس سے آنے کے بعد سے وہ دونوں مسلسل اس کے پاس ہی بیٹھے ہوئے تھے۔ ثمرہ اس کے ایک طرف اور وہ دوسری طرف۔ اسے یہ فکر بھی نہیں تھی کہ اسے کیا ہوا تھا اور کیوں ہوا تھا۔ اسے اگر کوئی فکر تھی تو بس اپنی "لیپ ٹاپ" اور ڈولز کی، اپنے دوسرے کھلونوں کی۔ اس نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر ڈولز کے حوالے سے اپنے کھلونوں کے متعلق۔

طبیعت کی اتنی شدت کی خرابی کے بعد ابھی کم از کم چند گھنٹے تو اسے مکمل آرام کرنا چاہیے تھا۔ اس کی ڈولز اور دوسرے کھلونے اٹھا کر بیڈ پر لے آیا۔ اس نے فوراً "مس یونی" کو گود سے اپنی کے منہ میں فیڈر دی تھی "ہیری" کو اپنی گود میں بٹھایا تھا "ہانی" کا لباس تبدیل کیا تھا۔
"پاپا! Toys کی شاپ پر چلیں؟" رات والے کے وقت کا وعدہ اپنے مطلب کی بات اسے پوری طرح یاد تھی۔
"ہاں بیٹا! چلیں گے۔ پر آج تو سنڈے ہے۔ آج ساری شاپس بند ہوں گی۔"
"کیسے پتا ہے؟" اس نے پر امید سا کہا تھا۔ تو آنکھوں میں ڈھیر سارا تجسس بھر لیا۔
"سوئیٹ ہارٹ! پاپا کو پتا ہے، آج تو سنڈے ہے۔ کل ہم سب سے پہلا کام یہی کریں گے کہ اپنی پرنسس کو اس کے فیورٹ Toys دلا کر لائیں گے۔" وہ اس کے چہرے کو بغور دیکھتا پیار سے بولا۔ اس کے چہرے کی رنگت کو اب پیلاہٹ بالکل نہیں تھی مگر اس کے لبوں کے اطراف کی جلد ابھی بھی نیلگوں محسوس ہو رہی تھی۔ وہ اپنی پیاری سی معصوم انجان اپنے کھلونوں کی باتیں کر رہی تھی۔ وہ آنکھوں میں کرب و اذیت لیے اپنی انجان اور بے خبر سی معصوم بچی کو دیکھ رہا تھا۔
اس کے سامنے حریم کی طبیعت پہلی بار بگڑی تھی وہ بچوں کے چھوٹے موٹے معمولی کاموں سے بھی بہت جلدی تھکن محسوس کر لیتی ہے۔ یہ تو اس نے کل ڈاکٹر سے اب تک سن لیا تھا مگر یہ چھوٹے کام اس قدر معمولی نوعیت کے بھی ہو سکتے ہیں یہ اسے اندازہ نہیں تھا کہ کھانا کھانا اور بیٹھے بیٹھے باتیں کرنا بھی حریم کے لیے کاموں ہی میں شمار ہوتا ہے۔ ایسے کام جو حریم کو تھکا سکتے ہیں۔ صرف باتیں ہی تو کر رہی تھی وہ اور ساتھ اس سے ابھی تو سے باتیں بھی کر رہی تھی۔ ایک ہی جگہ بیٹھے بالکل آرام دہ اور پرسکون انداز میں اور اتنے معمولی سے کام سے وہ اس قدر نڈھال ہو گئی تھی کہ

اس کے لیے درست طریقے سے سانس لینا بھی ایک مشکل عمل بن گیا تھا۔ وہ اوپر سے بس رہا تھا حریم کے ساتھ خوب باتیں بھی کر رہا تھا مگر اندر سے وہ سخت پریشان تھا۔
صبح جو ناشتہ حریم نے کیا تھا اس کے بعد سے اس نے کچھ بھی نہیں کھایا تھا۔ اس وقت شام کے سات بج رہے تھے۔ اسے بستر پر بند کر کے کیوں سلایا جا رہا ہے؟ اس بات پر اس کا موڈ آف تھا۔ وہ کہیں باہر گھومنے پھرنے کے لیے چلنے کی اشعر سے ضد کر رہی تھی۔ اسے پارک جانا تھا جھولے جھولنے تھے اسے بہت سے کھیل کھیلنے تھے۔
"حریم کو ایک بہت زبردست سا سرپرائز ملے گا اگر وہ کھانا کھا لے گی تو۔" پہلے اسے سرپرائز کا مطلب اسے سمجھایا۔ مطلب سمجھ میں آیا تو کسی اچھی سی چیز کے بطور انعام ملنے کے لالچ میں وہ آخر کار کھانے کے لیے تیار ہو گئی۔ ثمرہ اب مختلف کھانوں کے نام لے لے کر اس سے پوچھ رہی تھی کہ اسے کیا کھانا ہے۔
"نوڈلز، میکرونی، میٹھی روٹی، ابلے چاول، کھچڑی۔" ثمرہ کئی طرح کے کھانوں کے نام لے رہی تھی یہ تمام چیزیں وہ شوق سے کھایا کرتی تھی بڑی مشکل سے آخر وہ کھچڑی کے لیے آمادہ ہوئی تھی۔ اس کے کھچڑی کہنے پر بے اختیار ایک بے ساختہ مسکراہٹ اس کے لبوں پر ابھر آئی۔ واقعی اس کی مسکراہٹ اس کے لیے جادوئی سا اثر رکھتی تھی۔ ابھی ایک لمحہ پہلے وہ اداس اور محرومیوں کی گرفت میں تھا اور اب اگلے ہی پل یوں مسکرا رہا ہے جیسے اس کی زندگی میں کہیں کوئی اداسی اور محرومی ہے ہی نہیں۔
ثمرہ کھچڑی پکانے کچن میں چلی گئی۔ نزہت کو اس نے حریم کے لیے رکھا تھا کہ حریم اپنا ہر کام اس سے کروانا چاہتی تھی۔ وہ اس سے نہلانے سے کھانے اور اس کے ساتھ سونے تک۔ وہ ان سے بہت زیادہ مانوس تھی۔ وہ اپنی چار سال کی بیٹی کی پسند، ناپسند، اس کی خوشیوں اور اس کی عادتوں کو آہستہ آہستہ جاننے کے

محل سے گزر رہا تھا اور خود اس کے بارے میں سب کچھ جانتی تھی۔ ذوالفقار تو اسے اپنی بچی کی خاطر یوں مجبور کر کے اس عورت کو ہر قیمت پر برداشت کر رہا تھا۔

۞ ۞ ۞

وہ کچن میں کچھڑی بنانے آئی تو وہاں کچھڑی بنانے کے لیے درکار تمام لوازمات اسے دستیاب تھے۔ نعمت کے یہاں ملازمت کے دوسرے ہی دن اشعر نے اسے کافی زیادہ پیسے دے کر کہا تھا کہ وہ ایک لسٹ بنا کر گھر کی کھانے پینے کی ضرورت کی تمام اشیا قریبی سپر اسٹور سے خرید لائے۔ وہ اسی بات سے باخبر اس طرح تھی کہ اس لسٹ کو تیار کرنے کے بعد نعمت اپنی بنائی لسٹ کی منظوری لینے اس ... کے پاس چلی آئی تھی۔

جب نعمت اس کے پاس وہ لسٹ لے کر آئی تو اس نے اس میں چند ایک وہ چیزیں بھی شامل کر دی تھیں جو حریم شوق سے کھایا کرتی تھی۔ کھانا پکانا اور باقی تمام کام نعمت ہی کرتی تھی لیکن وہ ان گزرے دنوں میں صرف اسی وقت کچن میں آئی تھی جب حریم نے کھانے میں نخرے دکھا کر کچھ خاص چیزوں کے بارے میں ... کی ہی کھلائی ہوئی تھی۔ کچن میں اس نے پیاز کاٹی نعمت نے اسے دال اور چاول چن کر دے دیے۔ وہ ... منٹ میں گرم مونگ کی دال کی کچھڑی کی پلیٹ اور جوس کا گلاس لے کر کمرے میں آئی تو اشعر اور حریم Dough سے کھیلتے نظر آئے۔ اشعر کے ہاتھ میں نیلے رنگ کا Dough تھا اور حریم کے ہاتھ میں سرخ رنگ کا۔

"کیا بن رہا ہے؟" اس نے ٹرے بیڈ پر حریم کے سامنے رکھی۔

"Cat." اس نے dough کو گول شکل دیتے ہوئے کہا۔ وہ بلی کا پیارا سا گول منہ بنانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"بس! آپ کی کچھڑی آگئی ہے۔" اس نے اسی کے انداز میں ڈو رکھتے بے نیازی سے بلی والی حریم کو مخاطب کیا۔ حریم نے نظریں اٹھا کر ٹرے میں رکھی پلیٹ کی طرف دیکھا۔ بیماری نے اس کی بھوک بھی بہت کم کر دی تھی۔ جس طرح وہ دوا لینے میں تنگ کرتی تھی بالکل یہی حال اس کے کھانے پینے کا بھی تھا۔ جیسے پاپا بے بی کی ایک اسٹیٹمنٹ میں جب وہ راضی ہو جایا کرتی تھی کھانے پینے پر۔ مگر اس وقت وہ کھانا کھانے کے بجائے زیادہ موڈ میں نظر نہیں آ رہی تھی۔ اس نے خود ہی پیالا اپنے ہاتھ سے اس کے منہ میں ڈالا۔ نوالہ اس نے منہ میں لے تو لیا مگر اگلا نوالہ اسے فوراً "نہ دیا جا سکے" اس لیے وہ اس نوالے کو منہ ہی میں بھر کر بیٹھی رہی۔ اسے چبانا بھی شروع نہیں کیا۔

"کتنی زبردست کچھڑی ہے۔ اف! خوشبو کتنی اچھی آ رہی ہے۔ میرا دل چاہ رہا ہے یہ ساری کچھڑی میں کھا جاؤں۔" حریم کے انداز کو غور سے دیکھتے اشعر نے یک دم ہی بیزار سے ہوتے کہا۔

"ماما پاپا کو بھی کچھڑی کھلائیں۔" نوالہ ابھی بھی ایک دم ہی اس کے پیچھے پڑ گئی کہ کچھڑی اس کے پاپا کو بھی کھلائی جائے۔

"ماما تم چار کو میں نعمت سے کہتی ہوں پاپا کے لیے بھی ایک پلیٹ لے آئے۔"

"نہیں ماما کے چمچ سے کھائیں۔"

"ہاں بھئی جلدی سے کھلائیں۔ بس آج حریم کی ساری کچھڑی تو میں کھا جاؤں گا۔" اشعر بے صبری سے بولا۔ لگ رہا تھا جیسے واقعی وہ کچھڑی کھانے کے لیے شدید بے تاب ہو۔ ایک پل کے لیے کچھ سوچتے اس نے کچھڑی سے بھرا چمچ جو حریم کے لیے بھرا گیا تھا اشعر کے منہ کی طرف بڑھایا۔ اس نے فوراً منہ کھول کر وہ نوالہ منہ میں رکھ لیا اور بڑی رغبت سے چٹخارے لے لے کر اس نوالے کو چبانے لگا۔

"بس اب حریم کو مت دینا۔ یہ ساری کچھڑی مجھے کھانی ہے۔" وہ حریم کو نظرانداز کر کے اس سے بولا۔ مسکراہٹ میں ہو کر اس نے چمچ میں دوبارہ کچھڑی بھر کر اشعر کی طرف بڑھایا جبھی تو حریم فوراً بول اٹھی۔

"ماما کچھڑی حریم کو کھلائیں۔" اس نے جلدی سے وہ نوالہ اس کے منہ میں ڈال دیا۔ صرف اور صرف اس خدشے کے پیشِ نظر کہ اس کے لیے اس کی ماما کے ہاتھ کی پکائی کچھڑی کہیں پاپا نہ ختم کر دیں۔ اس نے پوری پلیٹ کچھڑی کی کھالی تھی۔

باپ بیٹی کی اس مقابلہ بازی کا نتیجہ یہ نکلا تھا کہ حریم کو کھانا کھلانے میں اسے کامیابی حاصل ہو گئی تھی۔ جتنا وقت کھانا کھلانے میں لگا تھا اس سے دگنا وقت دوا دینے میں لگا تو بچے تمام ... کی طرح مختلف ترکیبات دیتے وہ دونوں بمشکل اسے ساری دوا کھلا دینے میں کامیاب ہو پائے تھے۔ اس سارے تماشا دینے والے عمل میں کچھ نہیں، کچھ نہیں تو ڈیڑھ دو گھنٹے تو لازمی لگے ہی تھے۔ شدید ترین حیرت اسے اشعر کے رویے پر ہو رہی تھی۔ حریم کے ہزار نخرے دکھانے، ضد کرنے پر بھی اس کے ماتھے پر ایک شکن تک نہیں آئی تھی۔ وہ بیزاری سے نہیں بلکہ بڑی خوش دلی سے بیٹھا تھا۔

۞ ۞ ۞

وہ آفس آ تو گیا تھا، تمام دفتری امور سرانجام بھی دے رہا تھا مگر آفس میں اس کا دل بالکل بھی نہیں لگ رہا تھا۔ حریم سو رہی تھی جب وہ آفس کے لیے گھر سے نکلا تھا۔ گھڑی میں وقت کا اندازہ لگاتے اس نے اس وقت گھر فون کیا جب اس کا خیال تھا کہ حریم جاگ چکی ہو گی۔ فون خود نے اٹھایا تھا اور اس نے اس سے حریم کی خیریت پوچھی تھی۔ "ٹھیک ہے، ابھی سو کر اٹھی ہے، ناشتہ کر رہی ہے۔" خود کے جواب کے ساتھ ہی اسے پیچھے سے حریم کی آواز سنائی دی۔

"پاپا کا فون ہے؟ حریم بھی بات کرے گی۔" خود نے فوراً ہی ریسیور اسے پکڑا دیا۔

"ہیلو پاپا! آپ کو Taza (...) لانا اور ڈو یاد ہیں؟" اس کے توتلے انداز پر وہ بے ساختہ مسکرایا۔

"بالکل یاد ہے، بس یہی تو کوئی بھولنے والی بات ہی نہیں ہے۔ ... کو کچھ نہیں چاہیے؟"

"اوے اوے" وہ سوچتی ہوئی آواز میں بولی۔ "اور کچھ یاد نہیں۔"

وہ اس بچی کی فرمائش پر پہلے حیران ہوا پھر ہنس پڑا۔ ان چند دنوں میں اب تک اتنا تو سمجھ چکا تھا کہ اس کی بچی سجنے سنورنے کی از حد شوقین تھی۔ اپنے کپڑوں کے ساتھ وہ ہیئر بینڈز اور کلپس تک میچنگ کے لگایا کرتی تھی یا اس سے لگوایا کرتی تھی۔ اس کے پاس اپنے کئی کپڑوں کے ساتھ ان کی میچنگ کے جوتے تک تھے۔

صبح کی اس فون کال کے بعد بھی دن بھر میں وقتاً فوقتاً اس نے کئی مرتبہ گھر کال کی تھی۔ شدید یا حریم سے ہر مرتبہ بات انتہائی مختصر ہی کی تھی مگر حریم کی خیریت تھوڑی تھوڑی دیر بعد معلوم کرتا رہا تھا۔

آج ایک بزنس ڈنر میں اسے شرکت کرنا تھی۔ اس میں شرکت سے تو اس نے معذرت کر لی تھی البتہ پاک یو ایس اے بزنس کونسل کی جانب سے پاکستان میں بیرونی سرمایہ کاری کے حصول کی کوششوں اور اس کے درست طریقہ کار کے حوالے سے مقامی فائیو اسٹار ہوٹل میں منعقد ہونے والے سیمینار میں شرکت سے وہ یوں معذرت نہ کر سکا کہ وہاں وہ سامعین میں شامل ہونے کے لیے نہیں بلکہ اس موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار کرنے کے لیے خاص طور پر مدعو کیا گیا تھا اور کافی دن پہلے وہ وہاں جانے کا سیمینار کے منتظمین سے وعدہ کر چکا تھا لیکن وہ وہاں سے معذرت کر کے جلدی نکل گیا تھا۔ وہ لفٹ سے باہر نکل کر ہوٹل کی لابی کی طرف جانے کے لیے ایک قدم ہی آگے بڑھا ہو گا جب پیچھے سے ایک خوبصورت نسوانی آواز نے اسے روکا۔

"اشعر؟" بے ساختہ رک کر اپنی ایڑیوں کے بل گھوما تو سامنے سارہ کھڑی نظر آئی۔ اس کی خالہ زاد، خالہ کی اکلوتی اور بہت لاڈلی بیٹی سارہ ایمل۔ میرون ٹاپ اور بلیو جینز میں اپنے اسٹائلنگ ہوئے کھلے بالوں اور مناسب میک اپ کے ساتھ وہ ہمیشہ ہی کی طرح اسٹائلش، ماڈرن اور بہت خوبصورت لگ رہی

تھی۔

"ہائے اشعر۔" خوشگوار سے انداز میں مسکراتی وہ اس کے قریب چلی آئی۔

"ہائے سارہ! کیسی ہو؟" وہ اتنا تپاک سے مسکرایا جیسے دل ہی دل میں وہ خفت کا شکار ہوا تھا۔

"پہلے کی طرح بالکل ٹھیک۔" وہ اس کے سوال کے جواب میں دلکشی سے مسکراتے ہوئے بولی۔

سات سال قبل لندن سے فیشن ڈیزائننگ میں ڈگری لے کر آئی۔ اس کی یہ کزن پچھلے چند سالوں ہی کے اندر پاکستان کی فیشن انڈسٹری میں اپنا ایک نام اور ایک شناخت بنا چکی تھی۔ وہ سارہ کی تخلیقی صلاحیتوں کا دل ہی دل میں معترف تھا۔ اسے کیریئر اور اپنے پروفیشن کے ساتھ اس کی کمٹمنٹ کو بھی وہ قدر کی نگاہ سے دیکھتا تھا مگر اس سے بڑھ کر کسی اور حیثیت میں وہ اسے کبھی نہیں دیکھ سکا تھا جبکہ سارہ کا معاملہ اس کے بالکل برعکس تھا۔ وہ بولڈ بھی تھی اور کانفیڈنٹ بھی۔ اشعر کے لیے اپنی پسندیدگی اس نے کبھی اس سے چھپانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ چھ سال قبل جب وہ محمود احسان کے ساتھ اس بلیم نما شادی کے بندھن میں بھی ابھی بندھا بھی نہیں تھا تب سارہ نے بڑے واضح انداز میں اس تک اپنی پسندیدگی پہنچائی تھی۔ تب نہ اس کی کہیں کوئی کمٹمنٹ تھی نہ کچھ اور۔ مگر تب بھی اسے سارہ میں کسی بھی طرح کی دلچسپی محسوس نہیں ہوئی تھی۔ اس نے اسے صاف طور پر بتایا تھا کہ وہ ایک بہت اچھی اور غیر معمولی لڑکی ہے مگر اس کے لیے صرف ایک کزن اور دوست ہے۔ وہ اس کا بہت احترام کرتا ہے' اس سے زیادہ ان کے درمیان کوئی رشتہ نہیں ہو سکتا۔ وہ ذہین' سمجھدار' حسین اور کامیاب لڑکی تھی اسے یہ کہنے کی ضرورت نہیں پڑی تھی کہ وہ اس میں کسی اور انداز سے نہ کبھی دلچسپی رکھتا تھا نہ کبھی رکھے گا۔

اس کے انکار کے باوجود بھی وہ چھ سالوں بعد آج بھی جیسے اس کے انتظار میں کھڑی تھی۔ اس کی ایک نگاہ التفات کے لیے لوگ بے قرار رہا کرتے تھے مگر پھر بھی پتا نہیں کیوں وہ اس کے ساتھ سر پھوڑ رہی تھی۔

"کیا ہو رہا ہے آج کل؟" وہ سوال کے جواب کی منتظر تھی کو قصداً نظر انداز کر کے بولا۔

"وہی کام کام اور بس کام۔ ایک فیشن شو کے لیے اپنے 2007ء کے برائیڈل کلکشن پر کام کر رہی ہوں۔ ابھی سندری شادی کے برائیڈل کلکشن اور برائیڈل جیولری ڈرافٹ رفیعو کی ڈیزائننگ اور تم؟" وہ اپنے مخصوص کمرشل انداز سے ہاتھوں سے حرکت کرتے ہوئے بولی۔ "کہاں ہوتے ہو آج کل۔ گھر پر کال کرو تو نہیں ملتے' سیل پر کونٹیکٹ کرنا چاہو تو بھی بند ملتا ہے اور کبھی میرا نام دیکھ کر کال ہی ریسیو نہیں کرتے۔"

ایک دلکش سی مسکراہٹ ہونٹوں پر لیے وہ صاف گوئی سے بولی۔ ایک پل کے لیے وہ کچھ شرمندہ سا ہوا۔

"بس آج کل آفیشل مصروفیات بہت زیادہ ہیں۔ ایک ڈیل کے سلسلے میں بہت بزی ہوں۔"

"کیا ہماری تمہیں قرضہ آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کی طرح ادھار میں کوئی فری میڈیکل کیمپس وغیرہ لگانے کی ہوئی ہیں۔" اس نے از خود ہی موضوع تبدیل کر کے سارہ کو مزید شرمندہ ہونے سے بچا لیا۔

"ہاں کبھی کبھی تمہیں چاہیے سوشل ورک اور خیر کی کے ان تمام کاموں کی طرف ان کا کتنا زیادہ جھکاؤ رہتا ہے۔"

"یہاں کس کام سے آئے ہو؟ آئے ہو یا واپس جا رہے ہو؟" اس کے جی کیو اور ٹائٹل سے شیفون کی نیلی پائلٹ سے بچے خوبصورت ہاتھ' اونچی ایڑی کی ایکوئین سینڈل میں مقید گورے گورے خوبصورت پاؤں' یہاں تک کہ اس کی گردن تک بھی۔ سب کچھ کس قدر متناسب اور دلکش تھا اور وہ اپنی اس ساری دلکشی اور خوبصورتی کو کتنی فضول جگہ پر برباد کر رہی تھی۔۔۔ کسی دلچسپی کے بغیر وہ اسے یوں دیکھ رہا تھا جیسے ایک بہت ذوق رکھنے والا انسان کوئی بہت خوبصورت آرٹ کا شاہکار دیکھے' اس کی قدر و قیمت کا اندازہ لگائے بغیر سرسری اور سطحی انداز میں۔

"ٹھیک ہے میں ذرا ... آیا تھا واپس جا رہا ہوں۔" وہ بات سے بات نکال کر گفتگو کو طول دینے کی کوشش کر رہی تھی [illegible] اب تو بہت جلدی میں ہے۔

"مجھے کسی بھی ہوٹل میں تم سے ملاقات تو ہوئی ضرور، تم نے تو مجھے نہ ملنے کی قسم ہی کھا رکھی ہے۔ چلو کہیں بیٹھ کر کافی پیتے ہیں۔" اپنے مخصوص ہی رنگ کے انداز سے بیگ کو بائیں کندھے سے دائیں کندھے پر منتقل کرتے ہوئے سارہ نے کہا۔

"آئی ایم سوری سارہ اور اصل اس وقت میں بہت جلدی میں ہوں، پھر کسی دن ملتے ہیں [illegible] کافی کے لیے نہیں بلکہ لنچ یا ڈنر کے لیے۔" لہجے میں شائستگی برقرار رکھتے ہوئے اس نے اور معذرت کی۔

وہ اس کے وعدے پر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ وعدہ کرنے والا ابھی جانتا تھا کہ جس سے یہ وعدہ کیا جا رہا تھا [illegible] سارہ اصل اور اصغر حسین کی زندگی میں کبھی بھی آنے والا نہیں تھا [illegible] کی بات بہ سرسری تھی [illegible] تو اس سے ملنے سے وہ اتفاق کر رہا تھا۔

"او کے سارہ پھر کسی دن ملتے ہیں بائے۔"

سارہ کی کھلکھلاتی "میں جانتی ہوں تم مجھ سے بھاگتے ہو" [illegible] نظر انداز کر کے ایک سیکنڈ میں وہاں سے آگے بڑھا اور پیچھے کھڑی سارہ اصل آنکھوں میں حسرتیں لیے اس شاندار اور مغرور مرد کو [illegible] دیکھتی رہی۔ اب اس کے چہرے پر ہنسی نہیں صرف اور صرف حسرتیں رقم تھیں۔

وہ چند سال [illegible] تعلیم یافتہ [illegible] دولت مند [illegible] کامیاب [illegible] سب خوبیاں تو اس کے سرکل میں موجود اس کے آگے پیچھے پھرنے والے بے شمار مردوں میں موجود تھیں، مگر اس مغرور مرد میں ایسا کیا تھا کہ وہ سارہ اصل کبھی بھی کسی اور کو دیکھ ہی نہیں پائی تھی۔ کسی اور کو سوچ بھی نہیں پائی تھی۔

"ٹھیک ہے اصغر حسین! اور ہمارے نصیب میں ہی شاید نہیں کہ تمہارے ساتھ ایک کافی ہی پی سکیں۔

چنانچہ مجھے ہی تمہارے ساتھ [illegible] جا سکیں۔"

کچھ لمحوں بعد وہ لفٹ کی طرف مڑی تو اس کے لبوں پر بہت ہی دلکش تبسم بکھرا ہوا تھا جو اس کی شخصیت کا خاصہ تھا۔

☆ ☆ ☆

حریم کے فائنل امتحان ختم ہونے کے بعد وہ ایک [illegible] کاسمیٹکس [illegible] شاپنگ میں مصروف [illegible] ایک اچھے سے کاسمیٹکس [illegible] جلدی جلدی خرید ڈالیں [illegible] کے لیے وہ دوسری دکانوں سے کافی سامان لے کر نکلا اور [illegible] خوب صورت [illegible] تمام شاپنگ کے ساتھ وہ گھر پہنچا اور حریم [illegible] کھولا [illegible] ایک بہت [illegible] لڑکی [illegible] اس کے سامنے تھی۔ سبز رنگ کا [illegible] شلوار قمیص [illegible] ان کپڑوں کی قیمت کا اندازہ [illegible] بالکل [illegible] ہر طرح کی [illegible] اس بات کا خیال آتے ہی اس کی [illegible] محسوس ہونے لگی [illegible] احساس [illegible] غیرت [illegible] کر رہی تھی [illegible]

مشکلات کا شکار ہو گئی۔ حریم اس کے ہاتھوں میں موجود بڑے بڑے شاپنگ بیگز کو کچھ الجھی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اس نے بہت ہی پیارا [illegible] اسکرٹ اور سبز رنگ کا بلاؤز پہن رکھا تھا [illegible] لباس نہیں تھا [illegible] جب ایک [illegible] کے کاروبار میں اپنی زندگی میں پہلی بار ملا تھا تب بھی اس نے اسے بہت اچھے لباس اور جوتوں میں دیکھا تھا۔ [illegible] اس کے پاس آنے سے قبل جب وہ حریم کو اس سے چھپانے [illegible] "یہ سب وہ [illegible] ہرگز نہیں چاہتا تھا [illegible] بہرحال ان چند لمحوں میں اسے نظر آیا تھا کہ اس نے بیٹی کو اچھا لباس [illegible] اچھی تعلیم اور اچھی تربیت ضرور مہیا کر رکھی تھی۔

اس نے وہ تمام شاپنگ بیگز فرش پر رکھے اور حریم کو گود میں لے لیا۔

"آپ نیل پالش لائے ہیں؟ آپ حریم کے لیے بڑا (بیٹا) سا TAZZ لائے ہیں؟ آپ اورنج کلر کی نیل پالش لائے ہیں؟" اپنے کمرے کے اندر آتے ہوئے وہ اس سے مسلسل استفسار کرتی رہی۔ اورنج اسکرٹ [illegible] اورنج نیل پالش بھی [illegible] تھی۔ حریم کو اپنے لیے آیا سارا سامان دیکھنے کی بہت جلدی تھی۔ اس کی بے قراری پر مسکراتا وہ [illegible] کے پاس بیٹھ گیا [illegible] سارے نیل پالش [illegible] رنگ برنگی [illegible] تمام چیزوں کو دیکھ کر [illegible] خوش تھی۔ خوشی سے ہنستی کھلکھلاتی وہ کبھی ایک چیز کو اٹھا کر دیکھتی، کبھی دوسری۔ [illegible] نیل پالش کے [illegible] ڈھیر سارے شیڈز میں ایک شیڈ اورنج بھی تھا [illegible] اس نے تمام نیل پالشوں میں اورنج نیل پالش اس طرح تلاش کی [illegible] ساری شاپنگ اس کی [illegible] نظروں میں [illegible] مصروف [illegible]

"[illegible] کھانا لگائے۔" حریم سے اس کی چیزوں پر [illegible] تبصرے [illegible] اس نے [illegible] کی طرف دیکھ کر کہا [illegible] کمرے سے نکل گئی۔

تھوڑی دیر میں [illegible] نے میز پر کھانا لگا [illegible] حریم کے لیے [illegible] کمرے میں ان دونوں کو کھانا لگنے کی اطلاع دینے آئی تو [illegible] سامنے [illegible] مسکراہٹ کو چھپا نہیں پائی [illegible] حریم کے [illegible] بیڈ پر [illegible] چھوٹی [illegible] کے ساتھ [illegible] نیل پالش لگانے میں مصروف تھا۔

"کیا [illegible]" [illegible] "ایک [illegible] اورنج [illegible] ہٹ کر [illegible]" حریم نے خفگی سے [illegible]

"بس [illegible] اس عمر میں نے زندگی میں کبھی نہیں کیا [illegible] لگتا ہے اب تمہاری خاطر مجھے باقاعدہ کوئی کورس کر کے یہ سارے کام بھی سیکھنے پڑیں گے۔" ہنس کر حریم سے کہتے ہوئے اسے ایک دم ہی اس کی موجودگی کا احساس ہوا تو سر اٹھا کر دروازے کی طرف دیکھا۔

"چلو حریم! کھانا کھالو۔" وہ حریم کے قریب چلی آئی۔

"حریم نیل پالش لگا رہی ہے [illegible]"

"پھر تو [illegible] ٹھنڈے ہو جائیں گے تو کوئی [illegible] کھانا [illegible] نیل پالش [illegible] لگوانے کے بعد [illegible] اسے گود میں اٹھا لیا [illegible] دونوں ہاتھ [illegible] پالش [illegible] کر لیے [illegible] نیل پالش خراب نہ ہو جائے [illegible] مہندی لگانے کا [illegible] حریم کو [illegible] ہاتھوں اور پیروں پر مہندی لگا [illegible] عید [illegible] کے علاوہ [illegible] مہندی لگوائی [illegible] شوقین۔

وہ حریم کو لے کر ڈائننگ ٹیبل پر آ گئی۔ اشعر بھی ہنستا مسکراتا تین چار منٹ بعد ہی ان دونوں کے ساتھ آکر بیٹھ گیا تھا۔

اشعر پہلے سے منہ اور ہاتھ پونچھتا وہ حریم کے برابر والی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"مزے کر رہے ہیں' تم لوگ کھانے جا رہے ہیں اور وہ بھی آج آپ اسی لیے' کل کے مقابلے میں آج حریم کی طبیعت بہتر تھی تو خود اپنے ہاتھوں سے نوالہ کھا رہی تھی مگر اس کی شکل پہ ایسی خراب بنا رہا تھا کہ اس لیے بیڈ پر دونوں ہاتھ بڑی نزاکت سے تمام انگلیاں ایک دوسرے سے دور دور کر کے بیٹھی تھی۔ حریم اس کے ہاتھ سے نوالہ کھا رہی تھی۔

شروع کے دو چار نوالے حریم نے بڑے شوق سے کھائے مگر پھر اس کے بعد نوالے کو کھانے سے منع کرتے ہوئے بولی۔

"پاپا بس اور نہیں۔"

"کیوں جانو؟ ابھی تو اچھے سارے نوالے باؤل میں بچے ہیں۔ سب ختم کرو۔" اشعر بھی کھانے سے ہاتھ روک کر اسے دیکھنے لگا تھا۔

"پاپا بس tummy فل ہو گئی۔" اس کی بھوک کم کھانا کھانے کی رغبت سب بیماری سے بڑی طرح متاثر ہوئی تھی۔

☆ ☆ ☆

کھانے کے بعد وہ دونوں اشعر کے چند منٹ سے اسے دوا دے کر لٹا رہے تھے۔

"پاپا آج اس کو اس حریم سوئے گی تو آپ دوسرے روم میں نہیں جائیں گے۔" وہ بظاہر اس کی باتوں پر جھنجھلا کر مسکرایا ہو مگر اندر سے اس کی بے اعتباری نے اسے بری طرح زخمی کر دیا تھا۔ بچی وہ اتنی ذہین اور سمجھدار تھی یہ بات جانتی تھی کہ وہ جب سو جاتی ہے تب وہ اس کے پاس سے اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلا جاتا ہے۔ اندر سے وہ اس کی بے اعتباریوں پر لہولہان ہو گیا تھا۔ وہ معصوم سی بچی اس سے کوئی جواب طلب نہیں کرتی۔ اس سے پچھلے چار سالوں کا کوئی حساب نہیں مانگتی مگر اس پر اعتبار بھی نہیں کرتی۔

"پاپا آج کہانی سنائیں گے۔" اشعر نے اسے کہانی سنانے کی فرمائش کی تو وہ فوراً بولی۔ ایک پل کو سوچتا ہوا جیسے انکار کرتے کرتے رکا پھر اس کے پاس لیٹ گیا۔

"آپ کو نیند آ رہی ہے؟" وہ اس کی پیشانی چومتے ہوئے بولا۔

اس نے فوراً اثبات میں سر ہلا دیا۔ اس نے کہانی شروع کی تو وہ ایک دم ہی بول اٹھی۔

"پاپا آپ یہاں رہیں۔"

"ہم کہیں نہیں جا رہے تو ہوں تمہارے پاس ہے۔"

"نہیں یہاں سوئیں۔ حریم کے پاس سوئیں۔"

اس نے بیڈ کی طرف اشارہ کرتے اپنی بات سمجھانا چاہی۔ کچھ سوچتے ہوئے اشعر نے اقرار میں سر ہلایا تو وہ بے اعتباری سے بولی۔ "پرامس کریں جب حریم سو جائے گی تو آپ دوسرے روم میں نہیں جائیں گے۔"

وہ کچھ کہنا چاہتی تھی مگر اس سے پہلے ہی اشعر اس کی بات فوراً "ہاں" کہہ گیا۔

حریم روز کی طرح کہانی سنتے سنتے سو چکی تھی مگر وہ روز کی طرح وہاں سے اٹھا نہیں۔

حریم اس سے لپٹ کر سو رہی تھی۔ وہ تکیے سے ٹیک لگا کر حریم کے برابر بیٹھا تھا۔ لائٹ آف کر کے نائٹ بلب جلانے کے بعد وہ وہاں حریم کے پاس آ کر لیٹ گیا تھا اور اسے محبت سے دیکھتے ہوئے اس نے اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں۔

☆ ☆ ☆

وہ آنکھیں کھول کر ایک ہی زاویے سے پوری رات بیٹھی رہی تھی۔ شاید اس نے آنکھیں بند کی تھیں نہ سونے کی کوشش کی تھی۔ کوشش کر کے بھی بھی نیند نہیں آ سکتی تھی۔ حریم کو اس کے اوپر ٹانگیں رکھ کر سونے کی عادت تھی۔ اس وقت بھی وہ ویسے ہی سو رہی تھی۔ پتا نہیں کیا ہوا تھا مگر جب سے اس کی بیماری سے باخبر ہوئی تھی اس کی کوئی بھی بات رد کرنے

کو دل نہیں چاہتا تھا۔ پہلے اس کی اچھی تربیت کی خاطر اس پر سختی ڈانٹ ڈپٹ' روک ٹوک سب کچھ کر لیتی تھی۔ پر اب تو دل چاہتا تھا وہ جو کچھ کہے وہ سب کچھ ہی اس کے سامنے حاضر کر دے۔

حریم کے گرد بازو پھیلائے وہ شخص گہری نیند سو رہا تھا۔ اسے یوں گہری نیند سوتے اس نے پہلے بھی بے شمار بار دیکھا تھا۔ اس کی نگاہوں میں برسوں پہلے کے وہ منظر گھوم گئے جب وہ اس شخص کی محبت میں دیوانی تھی جب جاگتے میں اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھنے سے وہ گھبرایا کرتی تھی' جھجکا کرتی تھی مگر جب وہ گہری نیند سویا ہوا تب وہ بار بار اس کے خوب صورت نقوش والے چہرے کو تکتی جاتی تھی' دیکھتی رہا کرتی تھی۔ سوتے میں ایک بہت نرم بہت پیارا اور سادہ و معصوم سا تاثر اس کے چہرے پر ابھر آتا تھا اور آج برسوں بعد آج جب وہ اسے اپنے سے تھوڑے سے فاصلے پر سوا دیکھ رہی تھی تب بھی وہی نرمی' وہی سچائی اور وہی بے ساختگی اور معصومیت اسے اس چہرے پر پھیلی نظر آ رہی تھی۔ چہرے تو ہمیشہ دھوکا ہی دیا کرتے ہیں۔ گہری نیند میں سویا یہ شخص جو سوتے میں بہت سیدھا سچا اور اچھا انسان نظر آ رہا ہے' اس کے ظلم اور سنگدلی کا اس سے بہتر کون گواہ ہو سکتا تھا۔ وہ پوری رات جاگتی رہی تھی۔ اس طرح ایک ہی زاویے سے بیٹھے بیٹھے اس کا جسم بری طرح اکڑ سا گیا تھا مگر اس نے بیڈ پر اپنی ٹانگیں تک سیدھی کر کے پھیلائی نہیں تھیں۔ چار بجے وہ بڑی آہستگی' بڑی احتیاط سے حریم کے پاس سے اٹھی۔ کوئی بھی آواز پیدا کیے بغیر کمرے سے باہر نکل آئی۔ دوسرے کمرے کے باتھ روم سے وضو کر کے لونگ روم میں آئی اور کارپٹ پر جائے نماز بچھا کر قبلہ رو کھڑی ہو گئی۔

☆ ☆ ☆

اس کی آنکھ کھلی تو گھڑی سامنے آٹھ بجاتی نظر آئی۔ اتنی گہری' اتنی غفلت کی نیند۔ وہ منہ اندھیرے اٹھنے والے لوگوں میں سے تھا۔ آفس کے لیے لیٹ ہو گیا تھا۔ نو بجے ایک میٹنگ تھی اور ابھی اسے شیو کرنا اور نہانا تھا' تیار ہونا تھا پھر آدھا گھنٹے کی آفس تک ڈرائیو۔ وہ گھبرا کر ایک دم بستر سے اٹھنے لگا مگر اس کے ہاتھ پر رکھے حریم کے سر نے اسے فوراً" اٹھنے نہ دیا۔ وہ گہری نیند سو رہی تھی۔

وہ اس کی نیند خراب کیے بغیر بالکل خاموشی سے اس کے پاس سے اٹھ جانا چاہتا تھا مگر اس کی رات کی بے اعتباری اسے بھولی نہیں تھی۔ وہ اسے جگا کر یہ دکھانا چاہتا تھا کہ وہ پوری رات اس کے پاس رہا ہے' اس کے ساتھ سویا ہے' وہ اسے چھوڑ کر کہیں نہیں گیا۔

وہ کچھ پل یونہی لیٹا اسے سوچتا رہا اور پھر سائیڈ ٹیبل پر رکھا اپنا موبائل اٹھا کر اس نے آفس اپنی سیکرٹری کو فون کیا کہ اسے آج آفس پہنچنے میں کچھ دیر ہو جائے گی۔ یہ اطلاع دی' میٹنگ کا وقت تبدیل کروایا اور پھر فون بند کر کے حریم کو پیار سے جگانے لگا۔

"پرنسس! اٹھ جاؤ' صبح ہو گئی ہے۔" مگر وہ اس کے ہلانے جلانے اور آوازیں دینے پر بھی نیند کو خیرباد کہنے پر تیار نہیں تھی۔

"پرنسس! آنکھیں کھول کر بس یہ دیکھ لو کہ پاپا رات کہیں نہیں گئے' تمہارے پاس ہی سوئے تھے۔" اس نے اسے گدگدا کر جگانا چاہا۔

"پاپا! سونے دیں۔" حریم نے آنکھیں کھولے بغیر ناراضی سے کہا اور پھر کروٹ دوسری طرف کر لی۔ وہ جاگ چکی تھی مگر ابھی آنکھیں کھولنے اور بستر سے اٹھنے کے موڈ میں نہیں تھی۔ اس کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ اس کی بیٹی نے آج صبح جاگنے پر اسے اپنے قریب پایا ہے۔ وہ حریم کی بے اعتباریوں کو کچھ تھوڑا بہت اعتبار دینے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

ثمرہ نے اپنی مصروفیات کے اوقات تبدیل کر لیے تھے' وہ اب اس کی موجودگی میں خصوصاً" رات میں بالکل بھی نہیں پڑھتی تھی۔ یونیورسٹی سے وہ دوپہر میں گھر

واپس آکر اسے کوئی دوسری مصروفیت پڑھائی سے نہ ہونے کے اس فرق سے اب اس نے روزانہ کا سفر ختم ہونے کے بعد مزید اسٹڈی کے لیے کیمپس میں اپنے گروپ کے افراد کے ساتھ چند گھنٹے اور رکنا شروع کر دیا تھا۔ پہلے اگر یونیورسٹی سے اس کی واپسی دو ڈھائی بجے تک ہو جایا کرتی تھی تو اب یہ چار، ساڑھے چار بجے وہاں سے واپس آنے لگی تھی۔ وہ روزانہ پونے پانچ بجے کے قریب آفس سے گھر فون کر کے فریدہ سے اس کی خیریت ضرور پوچھ لیا کرتا تھا۔ ڈرائیور اسے لینے صحیح وقت پر چلا گیا تھا۔ وہ خیریت سے گھر واپس آگئی اس نے کھانا کھا لیا۔ آفس میں کسی انتہائی اہم کام، کسی ضروری میٹنگ کے دوران بھی اسے اس بات کی فکر رہا کرتی تھی۔ اس روز دوپہر میں ڈیڑھ بجے اس نے گھر کال کی تھی مگر فریدہ سے اس کی خیریت پوچھنے کے لیے نہیں بلکہ فریدہ سے بات کرنے کے لیے۔

فون انیسہ نے اٹھایا۔ "امی گھر آگئی ہیں تو انہیں بلائیے۔"

"وہ آج دوپہر میں گھر نہیں آئیں گی۔ صبح کہہ کر گئی تھیں کہ آج شام میں چھ ساڑھے چھ بجے تک گھر واپس آئیں گی۔ نوفل بی بی کو بلا دوں؟" فریدہ کی گھر پر غیر موجودگی سے اسے آگاہ کرتے ہوئے اس نے پوچھا۔

"فریدہ یونیورسٹی سے آگئی؟" گھڑی میں وقت دیکھتے ہوئے اس نے حیرت سے پوچھا۔

"جی ابھی ابھی آئی ہیں، مظفر صاحب کے ساتھ لاؤنج میں ہیں۔ انہیں بلاؤں؟" انیسہ نے اس سے پوچھا۔

"نہیں، رہنے دو۔ مجھے امی ہی سے کام تھا۔" کھوئے کھوئے سے انداز میں یہ الفاظ کہتے ہوئے اس نے فون بند کر دیا تھا۔ ابھی فون بند کیے اسے ایک منٹ بھی نہیں ہوا تھا کہ اس کے موبائل پر فریدہ کی کال آگئی۔

"آج رات درانی صاحب اور ان کی فیملی کو میں نے ڈنر پر انوائٹ کیا ہے۔ آمنہ آپا سے چند دنوں کے لیے پاکستان آئے ہیں۔ مجھ سے فون پر دعا سلام کے لیے رابطہ کیا تو میں نے انہیں آج رات کھانے پر انوائٹ کر لیا۔ تمہارے ڈیڈی کے انتہائی پرانے دوست ہیں وہ تو میں چاہتی تھی کہ آج ڈنر پر تم اور خرد بھی گھر پر موجود رہو۔ خرد سے یہی کہنے کے لیے فون کیا تھا کہ رات کا کوئی پروگرام مت رکھنا۔" انہوں نے اسے کال کرنے کی وجہ سے آگاہ کیا۔

"جی اچھا۔" امی کی بات کا جواب دے کر وہ ایک پل کے لیے خاموش ہوا پھر آہستگی سے بولا۔

"امی! نیاز کو کیا آپ نے کہیں کسی کام سے بھیجا ہے؟" اس نے ان کے گھر کے ڈرائیور کا نام لے کر استفسار کیا۔ یہ سوال پوچھتے ہوئے اسے خود اپنی آواز اپنا نہ لگی بلکہ اپنا لہجہ اجنبی لگا۔

"نیاز کو۔ نہیں۔ تم کیوں یہ بات پوچھ رہے ہو؟"

"کچھ نہیں، ایسے ہی۔ مجھے ذرا نیاز سے کچھ کام تھا۔ ٹھیک ہے، میں اس سے گھر پر فون کر کے بات کر لیتا ہوں۔" لہجے کو حتی الامکان حد تک نارمل رکھتے ہوئے اس نے انہیں جواب دیا۔

"اس وقت نیاز کو کسی کام سے مت بھیج دینا۔ خرد کو یونیورسٹی سے واپسی پر مشکل ہو گی۔ تمہیں ڈرائیور کی ضرورت ہے تو میں اپنے ہاں سے کسی کو بھیج دیتی ہوں۔"

"نہیں، ڈرائیور کی ضرورت نہیں۔ مجھے نیاز سے کچھ اور کام تھا۔" انہیں جواب دے کر اس نے فوراً ہی خدا حافظ کہہ کر فون بند کر دیا۔ اس کے احساسات عجیب سے ہو رہے تھے۔

"خرد نے بلا دیا تو اس کی خواہش کی ضرورت پوری ہوئی۔"

"تو تحقیق ہو۔ والے جو بڑے لوگ والے ہوتے ہیں، سب کو ہی اپنے لیے صرف اعلیٰ ہستے ہیں۔"

"مظفر کا ایکسیڈنٹ ہوا تو اس کی فکر سے خرد تقریباً ہر ایک دو دن بعد اس کی عیادت کے لیے اسپتال جاتی رہی۔ کبھی سوچ بتا کر کے جاتی، کبھی دوسری کوئی اور وجہ۔"

"خوش کیا آنکھوں کا جب صرف سب اسکے حزن سے کا ہوتا ہے تو وہاں تو یقیناً قسمت ہی اچھی رہی ہوں گی۔"

"آپ مجھ کیوں نہیں رہے۔ مجھے آج رات میں جاگ کر پڑھنا ہے۔ میں سو نہیں سکتی۔ آپ سو جائیں۔"

"ممی پاپا کو بلا دوں؟ ابھی ابھی آئی ہیں معتبر صاحب کے ساتھ کوئی بیٹھی ہیں۔"

"وہ تو آج دیر سے گھر نہیں آئیں گی۔ صبح کہہ کر گئی تھیں کہ آج شام میں چھ سات بجے تک گھر واپس آئیں گی۔"

تمہیں دادا نیو کا انتظار کر رہی تھی کہ معتبر آگیا۔ کہنے لگے چلیں فریدہ آنٹی کے گھر میں آپ کو لے جانا ہے۔"

"آج آپ یونیورسٹی نہیں آئیں آپ؟"

وہ اپنے سامنے رکھے کاغذوں کو بے دھیانی سے گھورتی کافی خاموش بیٹھی تھا۔ تب ہی موبائل کی بیپ بجی۔ ساتھ میں پڑے موبائل کو اس نے نگاہوں کے سامنے کیا۔ ثمرہ فون کر رہی تھی اسکرین پر اس کا نام جگمگا رہا تھا اس نے کال ریسیو کی۔

"ہیلو۔" وہ روز کی طرح ثمرہ کو کسی پرلطف سی بات اس کال کا انتظار نہ کر سکا۔

"کیا ہوا آج میری یاد نہیں آئی؟ میری خیریت نہیں پوچھو گی؟" اس نے بہت ناز سے بڑے حق سے پوچھا۔ کھڑکی پر اس کی انگلی کی سیاہ کانچ کر اس حد ہو رہے تھے۔

"تم بھی نہیں آئی ہو؟" یہ سوال اس سے پوچھتے اس کی آواز کانپی تھی۔ اسے ہی کی شکل کے بارہ جو اس کے سامنے ایک چھوٹ رہا تھا۔ اگر اس سوال کے جواب میں ثمرہ نے "ہاں، ہم نہیں آیا؟"

"نہیں آسکی تو کافی دیر ہو گئی۔ آج کسی کا بھی یونیورسٹی لیٹ رکنے کا موڈ نہیں تھا اس لیے بارہ بجے ہی واپس آگئی تھی۔ ثمرہ نے مجھے گھر ڈراپ کر دیا تھا۔ بس پھر کھانا کھایا، تھوڑی دیر ساجدہ کی اور ساتھ ہی پانچ بجے کا انتظار کرنا شروع کر دیا۔ میں آج بہت سے آپ کی کال کا ویٹ کر رہی تھی آج مجھے کال کیوں نہیں کی؟"

وہ دوپہر کو کی اس کی ثمرہ بہت ملی اور بہت کچھ اس کی اپنی خودداری وہ کچھ لمحوں پہلے کتنی بچگانہ بات سوچ رہا تھا۔ "کتنی بیوقوف، کتنی گھٹیا۔" اسے خود پر شرم آئی۔ اتنی گری ہوئی گھٹیا اور بیچ بات ثمرہ کے متعلق اس نے سوچی بھی کیسے؟ اسے اس پل لگا وہ بہت بہت ثمرہ اور بہت بچ لگ رہا ہے جیسے وہ سارا موڈ خوشگوار سا آگیا ثمرہ کو دیکھتے سوں میں بولا۔ "میں بس ابھی کال کرنے ہی والا تھا اور یاد کرنے کو بھی تب سے تو جب کی۔ آپ مجھے کسی وقت بھولیں تو یاد کرنے کی نوبت بھی آتی۔"

"کوہ شاعری۔" "واہ واہ" کہہ کر ہنس دی۔

"آپ نے لنچ کر لیا؟" اگلے پل سنجیدگی اختیار کر کے اس نے فکر سے پوچھا۔

"ہاں۔" اس نے جھوٹ بولا۔ ثمرہ روز اس وقت فون پر بات ہونے پر اس کے لنچ کے بارے میں بڑی فکر سے استفسار کرتی تھی۔

اس لیے اس ذکر کو فوراً ہی ختم کرنے کے لیے جلدی سے موضوع بدل کر ہلکے پھلکے انداز میں بولا۔ "تم بتاؤ کیا ہو رہا ہے؟"

"کچھ بھی نہیں۔ بیٹھی پڑھ رہی ہوں۔ آپ سے باتیں کر کے آپ کو ڈسٹرب کر رہی ہوں۔ آپ کو کام نہیں کرنے دے رہی اور اگلے چند منٹوں تک میرا مزید بھی کچھ کرنے کا ارادہ نہیں ہے۔"

وہ شرارت سے بولی اور وہ اس کے انداز پر بے ساختہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔ اس کے دل اور اس کی دھڑکن کی کوئی وجہ پیار کا احساس گیا تھا۔ آج اس نے ثمرہ کے متعلق کتنی گھٹیا، کتنی تنگ نظری والی بات سوچی تھی۔

مگر بہت کھلے ذہن کے بہت لبرل بہت ماڈرن اور لبرٹی اعلیٰ تعلیم یافتہ ثمرہ حسین کے لاشعور میں یہ ایک بات تھی جو خود انہیں آپ سے کہنے کی بھی جرأت نہیں رکھتا تھا اور وہ بات یہ تھی کہ اسے ثمرہ عالم اچھا

نہیں لگتا۔ اسے اس شخص کا کبھی بھی انداز میں ثمرہ کے آس پاس موجود رہنا برداشت نہیں ہوتا۔ اسے اس شخص کی شکل دیکھتے ہی غصہ آتا ہے۔ صرف اس کا نام سننے ہی سے کوفت ہوتی ہے۔ غصہ آتا ہے بلکہ شاید وہ اس شخص سے نفرت کرتا ہے۔

⚘ ⚘ ⚘

وہ بلقیس اور تعطیل کا دن تھا اور آس صبح سے موسم بے حد خوشگوار تھا۔ ٹھنڈا ٹھنڈا خوشگوار اور ابر آلود موسم، وہ کمپیوٹر کے آگے بیٹھا اپنا کچھ دفتری کام کر رہا تھا اور ثمرہ کھڑکی کھول کر کھڑکی سے باہر جھانکتی بارش کا انتظار کر رہی تھی جیسے ہی ہلکی ہلکی بوندیں پڑنی شروع ہوئیں وہ مزید پرجوش ہو گئی۔

"کتنا مزہ آئے خوب تیز بارش ہو اور میں بارش میں نہاؤں گی۔" دونوں ہاتھ کھڑکی سے باہر نکال کر بوندوں سے ہتھیلیوں کو بھگوتے اس نے شوہر سے کہا۔

"بارش کے لیے اس طرح پاگل تو ہم اپنے بچپن میں ہوا کرتے تھے۔" کی بورڈ پر تیز رفتاری سے انگلیوں کو چلاتے ہوئے وہ بولے۔

"ہاں تو ابھی بھی بچپن ہے اس لیے ہم ابھی بھی ایکسائٹڈ ہوتے ہیں۔" اس نے برجستہ جواب دیا۔ چند ہی منٹوں میں خوب تیز بارش شروع ہو گئی تھی اور اب معتبر بھی بچے گارڈن میں جانے کے لیے بارش میں بھیگنے کے لیے۔

"میرا تو کوئی پلان نہیں چاہ رہا بارش میں جا کر بھیگوں اپنا حلیہ بگاڑوں، کپڑے خراب کروں۔ میں اچھا بھلا بیٹھا کیا برا ہوں، ہاں یا آپ بارش میں بھیگنے چلے ہو۔"

اس نے صاف انکار کیا مگر پھر ثمرہ کا موڈ بگڑتا دیکھ کر محض اس کا ساتھ دینے اس کے ساتھ نیچے تو ضرور گیا مگر گارڈن میں کھلے آسمان تلے نہیں آیا۔ لاؤنج سے باہر برآمدے میں شیڈ کے نیچے ہی کھڑا رہا۔ ہاتھ میں چائے کا کپ لیے بارش کو اور ثمرہ کو کھڑے ہو کر دیکھنے لگا۔ ثمرہ کو بارش میں بھیگنے اور نہانے کا تصور اس کے نزدیک اچھا خاصا بچگانہ سا تھا۔

وہ دور کھڑا ثمرہ کو بارش کو انجوائے کرتا دیکھ رہا تھا۔ واقعی بہت معصوم بالکل بچوں جیسی ہی لگ رہی تھی۔

"کیا ہوا؟ آپ جلدی کیوں آگئیں؟ ابھی بارش رکی تو نہیں۔ اتنی جلدی دل بھر گیا اور نہیں نہائیں گی؟" کچھ ہی دیر بعد وہ شیڈ میں اس کے پاس چلی آئی تو اس نے تعجب سے پوچھا۔

"اکیلے کوئی مزہ آتا ہے۔ خود تو میرے ساتھ بارش میں گئے نہیں، یہاں پر کھڑے ہیں۔ آپ بہت بور ہیں۔" ثمرہ نے منہ پھلا کر کہا۔

"مجبوری ہے اب تو آپ کو اس بور بندے کے ساتھ گزارا کرنا پڑے گا۔"

"شیڈ میں وہ دور کھڑے جس طرح مجھے دیکھ رہے تھے مجھے ایسا لگ رہا تھا جیسے میں کوئی احمق ہوں۔ مسکرا بھی ایسے رہے تھے جیسے بچوں کی حماقت پر بڑے مسکراتے ہیں۔"

"سوئیٹ ہارٹ کیا بولوں؟ ابھی آپ واقعی بچی ہی ہیں۔ پر آپ کا یہ بچپنا بھی دل سے عزیز ہے۔" اس کے چہرے پر بکھری بالوں کی گیلی لٹوں کو اپنی انگلیوں سے پیچھے کرتے مسکرا کر بولا۔ اس کا انداز اسے بہت اچھا لگا۔ وہ دونوں کمرے میں واپس آگئے تھے۔ وہ دوبارہ اب سے کپڑے نکال رہی تھی۔ ابھی وہ باتھ روم کی طرف جا رہی تھی کہ فون کی گھنٹی بجی۔

"ہیلو ثمرہ بول رہی ہوں۔" چہرے پر پانی کے قطروں کو ہاتھ سے صاف کرتے ہوئے اس نے خوشگوار انداز میں کہا۔

"کوئی نہیں اور وہ بھی مزے آ رہے ہیں۔" دوسری طرف سے کہی جانے والی کسی بات کے جواب میں بولی۔

"تمہارے انوائٹ کرنے کا شکریہ یار لیکن میرا موڈ نہیں۔ تم لوگ جاؤ۔ میں ان شاء اللہ کل تمہارے گھر ضرور آؤں گی۔"

چند سیکنڈ وہ دوسری جانب سے کہی جانے والی بات سنتی رہی پھر اس نے مسکرا کر جواب دیا۔

"صبوحی کا فون تھا۔ ساجد وغیرہ بہت دنوں سے

اس کے پیچھے پڑے تھے کہ اپنی منگنی کی خوشی میں انہیں ٹریٹ دو۔ آج موسم بھی اچھا ہے تو ندرت نے سب دوستوں کو ٹریٹ دینے اور آؤٹنگ کا پروگرام بنایا ہے۔ ویسے بھی ایسے ہوتے ہیں زندہ دل لوگ۔" اس نے بتایا۔

"تم نے منع کیوں کر دیا چلی جاتیں۔" وہ دوبارہ کمپیوٹر آن کرنے لگا تھا۔

"نہیں ویسے ہی۔ کل جا تو رہی ہوں اس کی منگنی کے فنکشن میں پھر کیا ضرورت ہے روز روز جانے کی۔ ہمارے بھرنے کی اور ویسے بھی ہم چاہتی ہیں کہ اس دن کو اپنے انجوائے کرے اور تم کے شوہر صاحب کے ساتھ گزارنا چاہتے ہیں۔"

وہ کمپیوٹر کے سامنے کرسی پر بیٹھا اپنی مطلوبہ فائل کھول رہا تھا جب خرد بات کرتے کرتے ایک دم سے اس کے پیچھے آئی۔ اس کے مضبوط بازوؤں کو اپنے ننھے ہاتھوں سے پکڑا اور جھپاک سے باتھ روم میں گھس گئی۔ اسے پکڑنے کے لیے کرسی سے اٹھتا مسکراتا ہوا واپس کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

آج ندرت کی منگنی تھی۔ اگرچہ خرد بھی قائل … اس نے اپنے جانے سے معذرت کرتے اسے فنکشن میں خود چھوڑنے جانے اور واپس لانے کی ذمہ داری ضرور لے لی تھی۔ خرد کو یہ بات اچھی نہیں لگ رہی تھی کہ وہ پہلے اسے چھوڑنے جائے پھر وہ تین گھنٹے بعد وہاں پہنچ گئے۔ اس نے تیار ہوتے وقت بھی کئی بار اس سے کہا تھا کہ ندرت کے گھر تک وہ چھوڑ دے مگر وہ اس میں ڈرائیور کے ساتھ کہاں جائے گی لیکن وہ اس کی بات مانا نہیں تھا۔

فیروزی رنگ کا چوڑی دار پاجامہ اور کھلا دامن … کی رنگت کے گولڈن کام سے آراستہ بہت لمبے دوپٹے کے ساتھ مغلیہ طرز کی لباس سے … جیولری "ٹیکا" کی چوڑیاں اور سنہری پائل کے ساتھ وہ مغلیہ عہد کی کوئی شہزادی ہی لگ رہی تھی۔ چلنے سے کیے گئے تھے جبکہ لب اور ہونٹوں کے کھلے ہوئے لمبے سلکی بال اس کی خوب صورتی کو مزید بڑھا رہے تھے۔ بہت عجیب صورت لگ رہی تھی اور اس کی بے تحاشا تعریفیں کر رہا تھا۔ اس نے راستے میں ایک جگہ گاڑی روک کر اس کے لیے پھولوں کے گجرے خریدے تھے۔ دونوں ہاتھوں میں چوڑیوں سے پہلے اس کی کلائی میں موجود گجرے اس کی تیاری کو مزید دلفریب اور مکمل بنا رہے تھے۔

ندرت کی منگنی کی تقریب اس کے گھر ہو رہی تھی۔ تقریب میں آنے والے مہمانوں کی گاڑیوں کی کافی زیادہ تعداد اس کے گھر کے سامنے اور سڑک پر آگے پیچھے گلی دور تک موجود تھی۔ گاڑیوں اور لوگوں کے اتنے زیادہ رش کے سبب وہ اپنی گاڑی ندرت کے گیٹ کے بالکل سامنے نہیں روک پایا تھا۔ اسی وقت وہاں لڑکے والوں کی بھی آمد ہو گئی تو اس رش اور افراتفری میں مزید اضافہ ہو گیا۔

خرد اسے خدا حافظ کہہ کر گاڑی سے اتر گئی تھی۔ وہ گاڑی میں بیٹھا خرد کو جاتا دیکھ رہا تھا جب اسے اپنی گاڑی سے آگے ایک گاڑی چھوڑ کر کھڑی دوسری گاڑی کے پاس ساجد بھائی اور خضر کھڑے نظر آئے تھے۔ وہ گاڑی غضنفر کی تھی وہ اسے پہچانتا تھا اور اس کے پیچھے والی شاید ساجد اور حمدہ کی تھی۔ ان تینوں نے خرد کو ابھی ابھی اندر جاتا دیکھا تھا یا پیچھے گاڑی میں موجود اشعر پر کسی کی نگاہ نہیں گئی تھی۔ وہ تینوں اسے نہیں دیکھ سکے تھے لیکن اسے وہ سب نظر بھی آ رہے تھے اور ان کے زندگی سے بھرپور قہقہے اور باتیں سب سنائی بھی دے رہی تھیں۔

وہ گاڑی میں تھا ان لوگوں کو نظر نہیں آ رہا تھا جب کہ ان سب کے چہروں پر بڑی اور گردن سے آتی روشنیاں ان سب کے چہرے اسے بالکل صاف اور واضح دکھا رہی تھیں۔ سیاہ جدید ساری والا سوٹ … میں بہت چلبلا سا بہت شاندار لگ رہا تھا۔ خضر اسے بالکل واضح نظر آ رہا تھا۔ اس کی گہری نگاہیں گیٹ کی طرف اٹھا کر ان لوگوں کی طرف آتی خرد پر جمی تھیں۔

"اب تو خرد آ گئی ہے۔ اب تو اندر چلو میرے بھائی۔" اس نے حمدہ کی خوش آواز سنی جو ہنس کر خضر سے کہہ رہا تھا۔

خضر نے حمدہ کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا اس کی نگاہیں مسلسل خرد پر مرکوز تھیں۔ ایک تاریک گوشے میں بیٹھا وہ اس منظر میں شامل ہر شخص کے چہرے اور اس پر موجود تاثر کو با آسانی پڑھ سکتا تھا اور پڑھ رہا تھا اور اسے خضر عالم کے چہرے پر موجود تاثر اور اس کی آنکھیں بالکل اچھی نہیں لگ رہی تھیں۔

خرد اس اثنا میں ان لوگوں کے قریب پہنچ گئی تھی۔ "پچھلے چند منٹوں سے خضر صاحب نے ہمیں تمہارے انتظار میں یہاں باہر روک کر رکھا ہوا ہے۔ خرد بھی آ جائے پھر سارا گروپ اکٹھا اندر چلے گا۔" ساجد نے خرد سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ "خرد ہوا؟" … نہیں سکتا اس کی نگاہیں ابھی بھی خضر ہی کو دیکھ رہی تھیں جو خود خاموش کھڑا خرد ہی کو دیکھ رہا تھا۔ ساجد اور حمدہ خرد سے باتیں کر رہے تھے اور خضر اسے دیکھ رہا تھا۔ نفرت کی وہ شدید ترین شعلے اور بے تحاشا لکار ہوا تھا۔

اس کا دل چاہا وہ خرد کا ہاتھ پکڑ کر اسے واپس گاڑی میں بٹھا لے اسے اس تقریب میں شرکت سے روک دے اسے اپنے ساتھ واپس گھر لے جائے لیکن وہ ایسا نہیں کر سکا تھا۔

ایک دم ہی اس نے گاڑی اسٹارٹ کر دی تھی۔ بہت تیز رفتاری سے گاڑی ڈرائیو کر کے وہ گھر واپس آیا تھا۔ لاؤنج کا دروازہ کھول کر وہ اندر داخل ہونے لگا کہ اندر سے آتی آوازوں نے اسے رکنے پر مجبور کر دیا۔

لاؤنج سے فریدہ اور زرینہ کی آوازیں آ رہی تھیں۔

"خرد گھر پر نہیں ہے زرینہ میں تمہیں اپنی بہو کے ہاتھ کی بنی … کھلاتی۔" یہ فریدہ کی آواز تھی جو زرینہ سے مخاطب تھیں۔ "ہاں خضر بتا رہا تھا ان لوگوں کی کسی فرینڈ کی آج منگنی ہے۔" زرینہ جواباً بولیں۔

"شام میں خضر ادھر ہی آیا ہوا تھا۔ اچھا خاصا تیز بخار ہو رہا تھا اسے۔ میں نے کہا کہ آج ہمارے ہاں ہی رک جاؤ ریسٹ کر لو۔ کہنے لگا میری فرینڈ کی انگیجمنٹ ہے گروپ کے سب لوگ وہاں آئیں گے میرا جانا بھی بہت ضروری ہے۔ میں نے سمجھایا بھی کہ جب طبیعت ٹھیک نہیں تو جانا کینسل کر دو۔ اپنی فرینڈ سے ایکسکیوز کر لو۔ مگر نہیں اب سب دوست جا رہے ہیں تو میرا جانا بھی بہت ضروری ہے۔" زرینہ شاید کچھ کھلاتے ہوئے بول رہی تھیں۔

"ہنسنے ہنسانے والا زندہ دل لڑکا ہے۔ دوستوں کے ساتھ ہلے گلے اور ہنگامے کو کیسے مس کرے۔" جواباً زرینہ ہنس کر بولیں۔

"ہاں ہنسنے ہنسانے والا ہلے گلے کا شوقین اور زندہ دل تو خیر وہ بہت ہے اب بھی۔ دیکھو کہ طبیعت شاید دو تین دنوں سے خراب ہے اور مجھے آج بتا رہا تھا کہ کل اس کی طبیعت خراب تھی اس نے اپنی فرینڈ کے پیچھے لگ کر اس سے اس کی منگنی کی خوشی میں زبردست ٹریٹ لی۔ کہہ رہا تھا۔ دوست آئے تھے بس صرف خرد نہیں آئی تھی۔ شاید اشعر بھائی نے اسے منع کر دیا ہوگا۔"

"اشعر کیوں منع کرے گا۔ خرد کا خود ہی موڈ نہیں ہوگا۔" فریدہ جواباً بولیں۔

"ہاں ہو سکتا ہے۔ ویسے بھی شادی شدہ اور غیر شادی شدہ لڑکیوں کی ذمہ داریوں میں بہت فرق ہوتا ہے۔ اب خرد ان سب لڑکیوں کی طرح لاپروائی سے منہ اٹھا کر یونہی تو دوستوں کے ساتھ کہیں نہیں جا سکتی۔ جہاں جانے کا جتنا بھی دل چاہ رہا ہو کہیں نہیں جا سکتی۔ اپنے ہم عمر دوستوں کے ساتھ آؤٹنگ پر جانے کو ابھی اس کی عمر ہے … خضر مجھ سے کہہ رہا تھا اشعر بھائی خرد سے اتنے بڑے ہیں ان دونوں کے آپس میں مزاج کیسے ملتے ہوں گے۔ ان دونوں کی سوچ میں بھی تو بہت فرق محسوس ہوتا ہے۔" زرینہ نے خضر کی کہی ہوئی بات دہرائی۔

"نہیں خیر اتنا زیادہ عمر کا فرق بھی نہیں ہے ان

دونوں میں آٹھ سال کا فرق ہے اور میاں بیوی میں اتنا
ایج ڈفرنس تو ہمارے ہاں عام بات ہے۔ اور بس یہ
ہے کہ اشعر ذرا سنجیدہ اور تمیز دار ہے اور نمرہ
میں بچپنا بہت ہے لیکن اللہ کا شکر ہے دونوں ایک
دوسرے کے ساتھ بہت خوش ہیں اور ویسے بھی
تمہیں پتا ہے نمرہ میں بچپنا اور نادانی اپنی کم عمری کے
سبب ہے۔ جس قدر بھی موجود ہے لیکن نیچر کی وہ
بہت اچھی ہے۔ نمرہ کے ہونے سے مجھے تو یوں لگتا
ہے کہ جیسے دو بیٹیاں میں نے بیاہی تھیں تو ایک بیٹی ان
کی کمی پوری کرنے کے لیے مجھے دوبارہ مل گئی ہے۔"
فریدہ نے انہیں جواب دیا۔

"یہ بات تو خیر بالکل ٹھیک ہے، نمرہ نیچر کی واقعی
بہت اچھی ہے۔" زرینہ نے ان کی بات سے اتفاق کیا
پھر چائے کا سپ لیتے ہوئے بولیں۔

"اشعر بھی مجھ سے یہی شکایت کرتا ہے نمرہ کی۔
کہتا ہے کہ باقی دوست بھی سب اچھے ہیں مگر نمرہ کی بات
الگ ہے۔ وہ سب سے مختلف اور بہت منفرد ہے بلکہ
ابھی چند روز پہلے کی بات ہے، مجھ سے مذاق میں کہہ رہا
تھا کہ میں لیٹ ہو گیا۔ اشعر بھائی اتنی اچھی لڑکی کو مجھ
سے پہلے لے اڑے۔ "میں نے کہا یہ خود اپنی بات
ذرا اشعر کے سامنے کہنا وہی تمہیں اس بات کا جواب
دے گا۔"

زرینہ اپنی بات کے اختتام پر خود ہی قہقہہ لگا کر ہنس
پڑی تھیں۔ ان کے پُر مزاح انداز پر فریدہ بھی ہنس
دیں۔

"اس لڑکے کا بس نہیں چلتا ورنہ میں بھی بس اسی کی
طرح کا ہے، اتنی سنجیدگی سے مذاق کرتا ہے کہ حق
دق ہو کر بندہ سمجھ ہی نہیں پاتا کہ مذاق ہوا ہے یا سنجیدگی
سے کچھ کہا گیا ہے۔" فریدہ زرینہ کے بیٹے احمر
کے مذاق کو انجوائے کر کے ابھی بھی ہنس رہی تھیں۔

"آپ بہت بور ہو رہی ہیں۔ ابھی آپ کی جگہ کوئی زندہ
دل بندہ ہوتا تو اتنا انجوائے کر رہا ہوتا کہ۔" اس کے
کان سماعتیں محسوس کر رہے تھے۔

"اب تو نمرہ آگئی ہے۔ اب تو اندر چلو میرے
بھائی۔" نمرہ بازو کے سامنے سے ہٹا اور واپس مڑا۔

"باقی دوست بھی سب اچھے ہیں مگر نمرہ کی بات
الگ ہے۔"

وہ گھر کے اندر داخل ہونے کے دوسرے راستے کی
طرف تیز قدموں سے بڑھ رہا تھا۔

"دیکھیں ایسے ہوتے ہیں زندہ دل لوگ۔" اس
کے دماغ میں آٹھ میاں ہی چل رہی تھیں۔

"پچھلے چودہ منٹوں سے اشعر صاحب نے ہمیں
تمہارے انتظار میں یہاں باہر روک کر رکھا ہوا ہے۔"
وہ اندر داخل ہوا تھا کسی بھی طرف دیکھے بغیر وہ
سیدھا اپنے کمرے کی طرف جا رہا تھا۔

"ہمارا تو ابھی بھی بچپن ہے اس لیے ہم ابھی بھی
ایک ساتھ ہوتے ہیں۔" وہ اپنے کمرے کے اندر آیا
تھا۔

"اشعر بھائی" نمرہ سے اچھے بیٹے ہیں کل دونوں
کے آپس میں مزاج کیسے ملتے ہوں گے۔"

ہوا کی گاڑی کی چابی سب ہاتھ دور پھینک کر وہ
بیڈ پر بیٹھ گیا۔

"اب تو نمرہ آگئی ہے اب تو اندر چلو۔" نمرہ سیج
سیج قدم اٹھاتی اس طرف بڑھ رہی تھی۔ اس نے
اپنے بالوں کو دور سے مٹھیوں میں جکڑ لیا تھا۔

اس نے رات کے کھانے کے لیے انکار کہلوا دیا تھا۔
نمرہ کو نہیں لگ رہا تھا کہ یہ بھی کہلوا دیا تھا اس
کمرے کی تمام بتیاں بجھا کر کمرے میں مکمل اندھیرا
کیے بیڈ پر لیٹ گیا تھا۔ دو تین گھنٹوں بعد نمرہ اس
لگی تو اس کی ایڑیوں کی ٹک ٹک سے اس کے کمرے
میں داخل ہونے سے کافی دیر پہلے ہی سنائی دے گئی
تھی۔ اس نے فوراً ہی آنکھیں بند کر لیں جیسے
بہت گہری نیند سو رہا ہو۔ نمرہ نے کمرے کا دروازہ
کھولا۔ کھولنے سے لے پتا چلا کہ اس نے وہیں
کمرے سے ہو کر اپنے سامنے جوتوں سے سینڈل اتاری
ہیں۔ اس کے بعد وہ بہت آہستگی سے چلتی اس کے
قریب آئی۔ اس کے قریب ہو کر اس کی طرف جھک کر
بغور اسے دیکھ رہی تھی پھر بڑی آہستگی سے اس نے

اس کے ساتھ بے پاتھوں رکھا ہے اسے اعتبار تو نہیں۔
وہ بالکل ساکت لیٹا سوتا ہوا بنا رہا۔ مگر وہ کر رہی اپنیم اور
پھولوں کی دھیمی دھیمی خوشبوؤں میں کسی "مسکتی" کی
ستوری، بہت پرتکلف بہت حسین اس کی بیوی تھی وہ اس
کے لیے صرف ایک بیوی سے بھی بہت بڑھ کر اس کی
محبت بھی تھی اس کی محبوبہ بھی تھی۔ زندگی میں پہلی
بار اپنے قریب سے اپنی خوشبو سے اس کے اندر کوئی
نرم اور لطیف جذبات نہ جگا پائی تھی اس کا دل چاہا اسے
ہاتھ سے دھکا دے کر اسے اپنے پاس سے ہٹا دے'
بالکل دور ہٹا دے۔ وہ اس پر جھکی ہوئی تھی اور اس پل
اس کی یہ قربت اسے بے حد قریب اس کی موجودگی اسے
انتہائی ناقابل برداشت لگ رہی تھی پھر اسے گہری نیند
سوتا دیکھ کر وہ اس کے پاس سے ہٹ گئی۔ دس منٹ
بعد وہ لباس تبدیل کر کے اور میک اپ وغیرہ اتار کے
خود کو آزاد کر کے واپس کمرے میں آ گئی تھی۔ وہ بڑی
خاموشی سے آ کر اس کے برابر میں کچھ فاصلے پر لیٹ گئی
تھی۔ صرف ایک ہاتھ جتنا فاصلہ تھا وہ چاہتا تو لیٹے لیٹے
ہی ہاتھ بڑھا کر اسے اپنے پاس بہت قریب کھینچ کر اس
فاصلے کو ایک پل میں مٹا سکتا تھا مگر اس فاصلے کو مٹا
نہیں سکا تھا وہ اس پوری رات جاگتا رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

خود کو پرسکون اور نارمل کرنے کے لیے صبح وہ
جاگنگ اور ایکسرسائز کے لیے چلا گیا تھا۔ وہ گہری نیند سو
رہی تھی۔ سیاہ نائٹی میں بغیر کسی میک اپ کے بغیر
بھی وہ آج اتنی حسین لگ رہی تھی جتنی کل قیمتی
لباس میں لگ رہی تھی۔

وہ واپس آیا تو تب بھی سو رہی تھی۔ صبح کی تازہ ہوا
جاگنگ اور ایکسرسائز کسی بھی چیز نے اسے سکون نہیں دیا
تھا۔ جب وہ نہا کر باہر نکلا تب وہ اٹھ چکی تھی۔ تولیے
سے بالوں کو خشک کرتے وہ اس پر نگاہ ڈالے بغیر
وارڈروب کی طرف آیا۔ وہ اپنے آج پہننے کے لیے
سوٹ کا انتخاب کر رہا تھا۔

"کیا بات ہے بڑے مصروف ہیں ہم سے بات بھی
نہیں کر رہے۔" وہ شوخ مسکراتی ہوئی جیسے ہی انداز
میں بات کرتی اس کے پاس چلی آئی تھی۔ اس کی وجہ
کیفیت سے انجان اس کے اندر اس وقت کیا کچھ
ہے اس سے بالکل بے خبر۔

"کل رات مجھے پتہ نہیں کیوں نہیں آئے مجھے جگایا کر
دیکھ کر مجھے اتنی فکر ہو گئی تھی کہ کیا بات ہو گئی جو
آپ نہیں آئے گھر واپس۔ آ کر آپ کو سوتے دیکھ کر
میں اور بھی ڈر گئی تھی کہ خدانخواستہ کہیں طبیعت تو
خراب نہیں۔"

"مجھے نیند آ رہی تھی۔" خود پر جبر کر کے اس نے
بمشکل اس کے سوال کا انتہائی مختصر جواب دیا اس کے
مزید نزدیک ہو کر اس نے خوب گہری سانس اپنے اندر
کھینچ کر جیسے کوئی خوشبو اپنے اندر اتاری۔

"آپ کے اس آفٹر شیو کی خوشبو مجھے بہت اچھی
لگتی ہے۔" وہ فوراً اس سے پیچھے ہوا اس کی طرف
دیکھے بغیر اس کی بات کا کوئی جواب دیے بغیر اس نے
فوراً ہی الماری میں سے ایک سوٹ باہر نکالا اور کپڑے
بدلنے ڈریسنگ روم میں چلا گیا۔

سیاہ پینٹ اور کریم شرٹ پہنے وہ ڈریسنگ روم
سے باہر نکلا تو تب بھی اسی طرح نائٹی میں ملبوس اسی
لاپروائی سے انداز میں کمرے میں موجود تھی۔ یونیورسٹی
میں اس کی کلاسز ختم ہو چکی تھیں۔ وہ فارغ تھی۔
اپنی عادت کے مطابق تیز رفتاری سے چند منٹوں میں مکمل تیار
ہونے کے بعد اب وہ بریف کیس ہاتھ میں لیے اس میں
اپنی فائلیں رکھ رہا تھا۔ وہ اس کے برابر آ کر بیٹھ گئی
تھی۔

"کتنے دنوں سے ہم لوگ ایک ساتھ کہیں باہر
نہیں گئے۔ آج لنچ کہیں باہر کریں کسی اچھے سے
ریسٹورنٹ میں۔"

"میں آج بہت بزی ہوں۔" اس نے فائل کو
بریف کیس میں رکھا۔

"ہاں بھئی آپ بزی لوگ ہیں۔ فارغ تو بس ہم
ہیں۔" اس کے لہجے میں محبت بھری خفگی اور خوشی کا
ملا جلا تاثر ابھرا۔

"اچھا پھر ڈنر کے لیے چلتے ہیں۔ کینڈل لائٹ اور
پھر بہت سوفٹ سوئٹ میوزک سنتے لانگ ڈرائیو۔
ایک پرفیکٹ رومینٹک ایوننگ۔" وہ بے تکلفی سے
اس کے ہاتھ کے اوپر ہاتھ رکھ کر بولی۔ اس نے ایک
جھٹکے سے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ کے نیچے سے باہر نکالا
اور پھر بہت سخت اور بے مروت لہجے میں بولا۔

"مجھے آفس جلدی پہنچنا ہے اس وقت ان فضول
باتوں کے لیے میرے پاس ہرگز کوئی فرصت نہیں
ہے۔" مگر وہ ابھی بھی یا تو اس کے لہجے کی تبدیلی کو
محسوس نہیں کر پائی تھی یا اگر کر لیا تھا تو اسے دانستہ
نظرانداز کر رہی تھی تب ہی تو خود سپردگی کے سے انداز
میں اس نے اس کے شانے پر سر رکھ دیا اور بڑے لاڈ
اور حق سے بولی۔

"میں کچھ نہیں جانتی' مصروف ہیں تو ہوا کریں۔
مجھے تو بس آج آپ کے ساتھ ڈنر کرنے کہیں باہر جانا
ہے پھر میں اکیلے گھر میں بور ہو جاؤں گی۔ تب اگر آپ
مجھے کہیں لے چلنے کے لیے کہیں گے تو میں بالکل نہیں
جاؤں گی۔"

اس نے شدید غصے کے عالم میں ایک جھٹکے سے
اس کا سر اپنے شانے پر سے ہٹایا۔ "یہ چونچلے ہر وقت
اچھے نہیں لگتے ہیں۔ زندگی میں ہر بات کا ایک وقت ہوتا ہے'
ایک موقع ہوتا ہے۔" وہ سخت اور سرد لہجے میں بے
زاری سے بولا۔

"شعر" وہ حیرت سے آنکھیں وا کیے اسے ایک
ٹک دیکھ رہی تھی جس نے کبھی اس سے اونچی آواز میں بات تک نہ کی ہو
اس کا یہ انداز۔

وہ اٹھ کر اس سے دور ضبط قائم رکھ کر خود کو کچھ بھی
بولنے سے روک رہا تھا مگر وہ خود ہی اپنے بے وقت
کے چاؤ چونچلوں سے اسے بولنے پر مجبور کر رہی تھی۔

"ہر وقت کا بچپنا اور تمہارا رومینٹک موڈ کہیں
اچھے نہیں لگتے ہیں۔ شوہر کا کس وقت کیا موڈ
ہے بیوی میں اتنی سینس ہونا چاہیے کہ اس کے موڈ
کو سمجھ سکے۔" اس کا انداز تنک آمیز اور بے مروت تھا۔
اس نے بریف کیس پر زور سے ہاتھ مار کر اسے بند کر دیا
اور جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ بیڈ پر جس جگہ اس کے
پاس آ کر بیٹھی تھی ابھی اسی جگہ اسی زاویے سے بالکل
ساکت بیٹھی ہوئی تھی اور وہ کمرے سے باہر نکل گیا
تھا۔

وہ آفس آ گیا تھا اپنے سخت الفاظ اپنا تنک آمیز
انداز اب اسے بری طرح مضطرب اور پریشان کر رہا
تھا۔ وہ اس کے رویے سے ہرٹ ہوئی ہے' وہ دکھی بھی
ہوئی ہو گی وہ جانتا تھا مگر پھر بھی اس نے اسے فون نہیں کیا۔
شام میں آفس سے سیدھا گھر آنے کے بجائے وہ
سوئمنگ کے لیے چلا گیا۔ رات کا کھانا اس نے اپنے
کچھ دوستوں کے ساتھ باہر کھایا۔ اس کی اس ایک
سالہ شادی شدہ زندگی کے ابتدائی ایام کے بعد یہ پہلی
مرتبہ ہوا تھا جب وہ آفس کے بعد گھر جانا نہیں چاہتا
تھا۔ وہ گھر سے باہر وقت گزارنا چاہتا تھا۔ وہ رات
پونے بارہ بجے گھر واپس آیا تھا۔

پورچ میں لا کر گاڑی روکتے وہ اسے ٹیرس پر کھڑی
نظر آئی۔ بالکل اکیلی اور خاموش کھڑی وہ اسی کو دیکھ
رہی تھی۔ وہ گاڑی سے اترا اور ٹیرس کی طرف
نگاہ ڈالے بغیر پورچ سے گزر کر چلا گیا۔ لاؤنج کا تمام
راستہ عبور کر کے وہ اندر آیا۔ سیڑھیاں چڑھ کر اپنے
کمرے میں آیا تو وہ بھی کمرے میں آ چکی تھی۔ وہ
دروازے ہی پر نگاہیں جمائے کھڑی تھی۔ وہ اسے
نظرانداز کر کے بریف کیس گھڑی اور موبائل سینٹر ٹیبل پر
رکھنے لگا۔

"السلام علیکم۔" اس نے خود بات کرنے کا آغاز
کیا۔ شاید پچھلے چند گھنٹے اس نے شعر کی گفتگو کی
پہل کرنے کی امید میں گزارے تھے۔

"وعلیکم السلام۔" اس کی طرف دیکھے بغیر اس نے
چلتے چلتے اس کے سلام کا جواب دیا۔

"کھانا لاؤں؟"

[illegible]

فرحت اشتیاق

ہم سفر

بصیرت حسین کو کاروباری دنیا میں اہم حیثیت حاصل ہے۔ ساری زندگی سخت محنت کے بعد انہوں نے یہ مقام حاصل کیا ہے۔ بیوی فریدہ، دو بیٹیوں سعد اور کرن اور بیٹے اشعر سے ان کا خاندان مکمل ہے۔ دنیا بنانے کی دھن میں انہیں یہ بھی یاد نہ رہا کہ ان کی اکلوتی بیوہ بہن میمونہ احسان اور رعنا کی ماں کیسی زندگی گزار رہی ہیں۔ بالآخر کینسر کے آخری سٹیج میں اسپتال میں ہیں تو میمونہ اپنی اکلوتی بیٹی کی ذمہ داری بصیرت حسین پر ڈالتی ہیں تو انہیں شدت سے اپنی کوتاہی کا احساس ہوتا ہے۔ وہ بہن کے علاج کے لیے ہر ممکن کوشش کرتے ہیں لیکن وہ جانبر نہیں ہو پاتیں۔ مرنے سے پہلے بہن کی آخری خواہش پوری کرنے کے لیے وہ اپنے لاڈلے بیٹے اشعر کی شادی حرا احسان سے کر دیتے ہیں۔

اشعر اعلیٰ سوسائٹی کا پروردہ ایک تعلیم یافتہ نوجوان ہے۔ والدین خصوصاً والد کی اچھی تربیت نے اسے بگڑنے نہیں دیا۔ ماں (فریدہ) کی اپنی دنیا ہے۔ وہ اپنی ایک سہیلی کی بیٹی کو بہو بنانا چاہتی ہیں۔ بیٹوں دوستوں کے انتخاب میں بھی اشعر معیار کو ترجیح دیتا ہے۔ ان کی دونوں بیٹیاں شادی کے بعد اپنی دنیا میں مگن ہیں۔ اشعر امریکہ سے بزنس کی ڈگری حاصل کر کے بصیرت حسین کے کاروبار میں ہاتھ بٹاتا ہے۔ اس کی ہمیشہ سے خواہش رہی ہے کہ وہ ایک اچھا مقام بنا کر دکھائے۔ حرا سے شادی کرتے ہوئے بھی کیا جذبہ کارفرما ہے۔

مکمل ناول



[illegible] والد کے انتقال کے بعد [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

۴

[illegible]

[illegible]

[illegible]

اس نے آہستہ سے بولا۔

"[illegible] رات میں دیر تک [illegible] خواب تو اس نے اپنے اور [illegible]"

[illegible]

"[illegible] تبدیل کرنے کی [illegible] کامیاب ہو گئی تھی"

[illegible]

[illegible]

آکر لیٹ گیا۔

وہ دونوں بیڈ کے بالکل الگ الگ کناروں پر ایک دوسرے سے بہت فاصلے پر لیٹے ہوئے تھے تو دونوں میں سے ایک دوسرے کے مخالف سمت کروٹ کسی نے نہیں لی ہوئی تھی۔ [illegible] کروٹ کے بالکل سیدھا لیٹا ہوا تھا اور [illegible] بازو آنکھوں پر رکھے بالکل سیدھی [illegible]۔ دونوں جاگ رہے تھے۔ پوری رات ان دونوں میں سے کسی ایک نے بھی کروٹ نہیں لی [illegible] ایک دوسرے کی طرف [illegible] ایک دوسرے کی مخالف سمت جیسے آپ کسی کے قریب بھی ہوں اور اس سے دور بھی [illegible]۔

وہ کل کی طرح آج اس سے منہ پھیر کر [illegible] لیٹ نہیں پایا تھا لیکن اس کی طرف بھی رخ نہیں کیا تھا [illegible] اس کے قریب جیسے کوئی چیز [illegible] طرف سے پیش قدمی کرنے سے روک رہی تھی۔ [illegible] بار اس کے ہاتھوں نے اسے تھامنے کے لیے اسے اپنے قریب کرنے کے لیے اٹھنا چاہا اور ہر بار اپنے ہاتھوں کو اٹھنے سے پہلے ہی اس نے روک لیا۔ پوری رات دونوں میں سے کوئی بھی ایک پل کے لیے بھی سویا نہیں تھا۔

اسے گھر سے جلدی نکلنا تھا۔ وہ جلدی سے بستر سے اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ بیڈ پر آنکھیں کھولے لیٹی ہوئی تھی۔ وہ اس کی طرف دیکھے بغیر [illegible] تیار ہو کر [illegible] کمرے سے نکلنے لگا تب [illegible] ہاتھ رکھے وہ مڑ کر ایک نظر اسے دیکھنے سے خود کو روک نہیں پایا۔

"میں جا رہا ہوں۔ آج ڈاکٹر کو ضرور دکھانا۔" وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے [illegible] اس کے الفاظ اور لہجے میں بہت تکلف بہت فاصلہ تھا۔

جواب میں اس نے [illegible]

"[illegible]"

"میری طبیعت مجھے کچھ ٹھیک نہیں لگ رہی۔ [illegible] رات [illegible] تھے۔ میں نے [illegible] ڈاکٹر کے پاس [illegible]"

[illegible] اس کی [illegible] کے لہجے سے [illegible] میں وہ تھے [illegible]

اس کی نظر بھی تھی۔

"میں [illegible] لیکن تم کوئی ٹینشن [illegible] ساتھ لے کر مت جاؤ۔ [illegible] کے چکر میں لگ کر اپنی [illegible] کا خیال کرنا بالکل ہی چھوڑ دیا ہے اس لڑکی نے۔ [illegible] ڈاکٹر [illegible] انشاء اللہ اس کی ساری [illegible] ٹھیک ہو جائے گی اور [illegible] بالکل [illegible]"

[illegible] اسے مطمئن کیا تھا۔ باہر [illegible] ایئرپورٹ چھوڑنے کے لیے گاڑی کے پاس اس کے انتظار میں کھڑا تھا۔ [illegible] گاڑی کی طرف قدم اٹھاتے بالکل بے اختیاری میں اس نے نظریں اٹھا کر [illegible] کی طرف دیکھا [illegible] گاڑی کے قریب [illegible] اس نے [illegible] اس کی [illegible] گاڑی میں بیٹھ گیا۔ گاڑی ایئرپورٹ کی طرف جاتے راستے پر رواں دواں تھی [illegible] سے [illegible] اس کے [illegible] نہیں [illegible]۔

٭ ٭ ٭

"[illegible] کیا ہو رہا ہے؟" [illegible] سے پوچھا۔ اس کی [illegible] سے بات ہوئی [illegible] اپنے [illegible] اس نے [illegible] کیا تھا۔

"بالکل ٹھیک [illegible]۔ ہم نے یہاں [illegible] آزاد کشمیر کے کئی علاقوں میں [illegible] میڈیکل کیمپس لگائے ہیں اور عورتوں اور بچوں کو مفت علاج کے [illegible] میڈیسنز بھی فراہم کر رہے ہیں۔ [illegible] علاقوں میں ہم کیمپس [illegible] لوگ ہمارے پاس علاج کے لیے [illegible] عورتوں اور بچوں کے [illegible] کے لیے ہم کوشش کر رہے ہیں [illegible]"

کی صلاحیت [illegible] کا انتظام بھی کر سکیں۔ [illegible] آنے کے بعد اب تک بھی یہاں حالات سنبھلے نہیں ہیں۔ چھوٹے بچوں کی حالت تو خاص طور پر بہت خراب ہے۔ [illegible] کی [illegible] ہیں [illegible] کی سہولت [illegible] نایاب [illegible] کے [illegible] ہیں [illegible] ان معصوموں کی حالت [illegible] کچھ [illegible] نہیں۔ [illegible] جب ان کے گھر [illegible] ہو گئے۔ [illegible] ہو گئے تو [illegible] اور [illegible] لوگ [illegible] اور [illegible] اپنے گھر نہیں [illegible] بہت [illegible] ریلیف [illegible] بھی بہت اچھا کام کر رہی ہیں۔ [illegible] ہر ایک [illegible] اس کام میں [illegible] طرح شریک نہیں ہو [illegible] ان کی [illegible] ہیں [illegible] کام [illegible] جن کے [illegible] ڈاکٹر [illegible] کی [illegible]۔

لیکن سب کچھ نارمل ہونے میں ابھی [illegible] لگے۔ [illegible] ختم ہو چکی [illegible] ہیں [illegible] اس [illegible] ہو گئے ہوں گے۔ آپ [illegible]؟"

[illegible] کا [illegible] انہوں نے [illegible] خاصی [illegible] سے [illegible] کی فکر [illegible] اس [illegible] بچے کو [illegible] ہیں [illegible] بالکل [illegible] کے [illegible] خدمت خلق کے کام [illegible] اور اس وقت بھی اچھے [illegible]۔

[illegible] کی [illegible] آیا تب وہ اور ان کی [illegible] آنے والے [illegible] لوگوں میں شامل تھے۔ [illegible] عام شہری [illegible] اخبارات میں [illegible] کے لیے نہیں بلکہ [illegible] انسانی ہمدردی کی [illegible] تھیں۔ [illegible]

تھیں۔ وہ [illegible] ان کے بعد وہ [illegible] اور وہ [illegible] کی [illegible]۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں [illegible] آپ [illegible] فکر مت کریں۔"

وہ انہیں خوشی کی یہ خبر دینا چاہتا تھا [illegible] کے ساتھ بانٹنا چاہتا تھا [illegible] لیکن [illegible] ان کی [illegible] ایک [illegible] ہے۔ اور ان کی [illegible] تک ان سے چھپانے رکھا ہے۔ وہ [illegible] انہیں اس کی بیماری کے بارے میں [illegible] جب تک [illegible] نہیں ہو جاتی اس وقت تک [illegible] طرح ان سے یہ ساری بات چھپا [illegible] رکھنا تھی۔

٭ ٭ ٭

"[illegible] نے اپنی [illegible] کے لیے [illegible] ہے۔ ڈاکٹر نے اس کی [illegible] سرجری کے لیے [illegible] اس کی [illegible] سرجری ہو جانے تک [illegible]" [illegible] کی [illegible] ہونے کی درخواست [illegible] احمد قریشی کے سامنے رکھی۔ [illegible] احمد قریشی [illegible] ان [illegible] ان کے [illegible] احمد قریشی نے [illegible] سے [illegible] اور [illegible] انہیں [illegible] ہوا [illegible]۔

"[illegible] آپ [illegible] کے لیے نہیں بلکہ [illegible] احمد قریشی [illegible]" احمد قریشی نے [illegible] سامنے [illegible] درخواست [illegible]۔

"[illegible] کی مجبوری ہے۔ اس کی [illegible] ہونے [illegible] سرجری [illegible]"

"[illegible] نے خدمت خلق اور انسانی ہمدردی کے [illegible] کو میں پہلے ہی ضرورت سے زیادہ [illegible] چکا ہوں۔ آپ [illegible] کی [illegible] ان کی [illegible] ضرورت نہیں [illegible] ہوں۔"

[illegible] انہوں نے [illegible] اور [illegible] کو [illegible] کا [illegible]

انتہائی مایوسی اور دکھ کے عالم میں ان کے آفس سے نکل آئی تھی۔

٭ ٭ ٭

وہ اپنے گھر سے دور [illegible] ایک دم میرے دل میں شدید اضطراب کے عالم میں تھا۔ [illegible] رات دن بھر کے تمام معمولات سے فارغ ہونے کے بعد سب سے پہلے اس نے گھر ہی کو فون کیا۔

"امی [illegible]؟ آپ اسے ڈاکٹر کے پاس لے گئی تھیں؟" سلام دعا کے بعد اس نے فوراً ہی پوچھا۔

"ہاں بالکل ٹھیک ہے۔ لے گئی تھی آج میں اسے ڈاکٹر شہزاد کے پاس [illegible] کچھ کھانا پینا نہیں [illegible] کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے۔ [illegible] اگر اپنی صحت کا خیال نہیں رکھو گی تو [illegible]"

انہوں نے اسے تفصیل سے جواب دیا۔

ان کا جواب سننے کے بعد اس نے طمانیت سے بھری ایک گہری سانس لی۔

"تم ثوبی کی طرف سے پریشان مت ہونا اشعر! میں اس کا بہت اچھی طرح خیال رکھوں گی تم بس بے فکر ہو کر اپنے سب کام نمٹاؤ۔" وہ اس کی پریشانی کو بھانپ رہی تھیں تب ہی دوبارہ [illegible] والے انداز میں بولیں۔

اب وہ انہیں کیا بتاتا کہ وہ کتنا مضطرب اور بے چین کیوں ہے۔ اس کی طبیعت کے متعلق اطمینان کر لینے کے باوجود [illegible]

تھے اور پیار محبت [illegible] بے چین اور بے قرار تھا۔ [illegible] جلدی سونے لیٹ گیا تھا [illegible] آنکھوں میں [illegible] نہیں رہی تھی۔ وہ [illegible] پریشان تھا اور اس [illegible] میں الجھا ہوا تھا۔

"مجھ سے ناراض ہو کر [illegible] آفس مت جایئے گا۔ ورنہ اپنی زندگی کے اس بدترین [illegible] کے لیے میں خود کو کبھی معاف نہیں کر سکوں گی۔" [illegible] بے چین ہو کر کہا تھا۔

"آپ نے مجھ سے کہا تھا آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں۔ میں آپ کے لیے بہت خاص ہوں، بہت اہم ہوں۔"

"ہوں۔" [illegible] اٹھ بیٹھا۔

"اشعر! اگر مجھے کچھ ہو جائے تو میرے بعد ثوبی کا بہت خیال رکھنا۔ ابھی کم عمر ہے اور بہت سادہ اور معصوم بھی۔ [illegible] رشتے کو اچھی طرح نبھانے کے لیے [illegible] ثبوت دیجیے گا۔" اس کے کانوں میں اب بھی آواز گونجی۔

"دوبارہ کبھی مجھ سے اس طرح ناراض مت ہوئیے گا۔ [illegible] تو مجھے اتنی وحشت ہو رہی تھی [illegible] میری زندگی میں ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا پھیل گیا ہے۔ [illegible]"

"اشعر! پلیز [illegible]"

"آپ کیسے ہیں؟" رات کے اس پہر [illegible]

"تم کیسی ہو؟" اگر وہ سامنے ہوتی تو [illegible]

[illegible] اس وقت بولا گیا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں۔ آپ کب واپس آئیں گے؟ [illegible] رہ گئے ہیں۔"

"میں جلدی، بہت جلدی واپس آؤں گا۔ تم میرا انتظار کر رہی ہو؟"

"ہاں، بہت بہت زیادہ انتظار کر رہی ہوں۔ بڑی شدت سے انتظار کر رہی ہوں، پلیز جلدی واپس آجائیں۔ مجھے آپ سے بہت ساری باتیں کرنا ہیں۔"

"میں بہت جلدی واپس آؤں گا۔ مجھے بھی تم بہت یاد آ رہی ہو۔ مجھے بھی تم سے بہت کچھ کہنا ہے۔"

وہ جن الفاظ میں جس بے قراری سے اس سے اس وقت بات کر رہا تھا، آج سے پہلے کبھی نہیں کی تھی۔

"آپ جب واپس آئیں گے نا میں آپ کو ایک بات بتاؤں گی۔" وہ دھیرے سے بولی۔

"کیا؟" اس نے بے کلی سے فوراً پوچھا۔

"نہیں ابھی نہیں۔ جب واپس آئیں گے تب۔ فون پر نہیں بتاؤں گی۔" [illegible]

"ثوبی! میں نے اس روز تمہیں بہت غلط باتیں بولی تھیں تم مجھ سے ناراض تو نہیں ہو؟"

"نہیں۔" اس نے آہستگی سے کہا۔

"ثوبی! میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں۔ تم میرے لیے بہت اہم ہو، تم میرے لیے بہت خاص ہو، یہ بات ہمیشہ یاد رکھنا ثوبی۔"

[illegible] کہہ کر فون بند کر دیا تھا۔ [illegible] ان سب کو نمٹانے کے لیے اس کا وہاں مزید ایک ہفتے کا قیام لازمی تھا۔ مگر اب اسے فوراً واپس [illegible] جلد از جلد [illegible]

٭ ٭ ٭

تم وصیف کے رشتے کے بارے میں [illegible]

[illegible]

زرینہ ساجدہ کے پاس بیٹھی اسے پیار سے قائل کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ [illegible]

[illegible]

سیمرا جواب آپ کو معلوم ہے۔ میرا جواب کل بھی یہی تھا۔ میرا جواب آج بھی یہی ہے۔ [illegible]

[illegible]

○ ○ ○

[illegible]

[illegible]

ملیں؟ کیسی باتیں کر رہی ہیں؟ کیا اس انکل لیفٹ نہیں ہوا۔ آپ کو اس کا پتا ہے نہیں ہے۔"

اگلے دن عشق میں وہ ایک جاسوس کے ساتھ ان کے گھر سے وصیل کر کے کیونکہ ان کے آفس جانا تھا۔ ان کا آفس جس سڑک پر واقع تھا اس سے اندر جانے والی ایک سڑک پر وہ بلڈنگ تھی جس میں عمر کا اپارٹمنٹ تھا۔

قیمت بڑھنے کی بے قراری میں وہ عمر عالم کے اس شخص کو باقی ہی اصل جیتا تھا وہی آ گئے تھی اس شخص کا نام عمر سامنے آیا تھا اور اس کے اندر سوچ ان شخص کے چہرے تمام تر نقوش اسے بہت سے یاد ہو گئی تھیں۔

وہ سوچ رہا تھا کہ وہ خود سے کہ وہ اس شخص کے چہرے کو بہت سے لے کر پھر آگے نہیں۔ گھنٹوں وہ اپنے کمرے میں ایک ایک سال کے بعد ایک پر عمل اور اک وہ صرف وقت سے لیا تھا اپنی پھر شروع کرے۔ اور بھی کو اسے جاننے کی آرزو جیسے شوق سے۔ وہ اس کے دل کے حصے میں گھر رہ چکے بلکہ اس کا آفس جو اس کے لیے وہ خود کو اس شخص کے سامنے سے بھی دور رکھنا چاہتا تھا۔

"تم اور چلو گے؟" عمر نے گاڑی اور اس کو اس سے پوچھا۔ اگر وہ بھی پوچھتیں تو آپ بھی ان کے ساتھ ہو رہی ضرور جاتا۔ ایک تو اپنی کا اپارٹمنٹ ٹھیک سے جانا نہیں تھا دوسرا وہ عمر جیسی پریشانی تھیں۔ وہ بہت دیر اس ملاقات میں اسے سوہو اور جتنا انداز سے اس شخص کو پہلو کر کرنا چاہتا تھا کہ وہ اس سے شدید نفرت کرتا ہے اور وہ آج وہ اس کے گھر آتے اس کو فون کرنے کی ہر گز بھی جرأت نہ کرے۔ ایک نظر پر اس کا خوب صورت سا اپارٹمنٹ تھا۔ پہلی بیل کے بعد اندر سے کوئی جواب موصول نہیں ہوا تھا۔ ایک سیکنڈ انتظار کر کے دوسری بیل دی اس کے اس بار اندر سے عمر کی آواز آئی۔

"آ رہا ہوں بھئی! ایسی بھی کیا جلدی ہے۔ گھر پہنچ جاتے تو۔ ٹھیک ہے کہا گیا تھا۔ آپ لوگوں کی سمجھ میں بھی نہیں آتا۔"

دروازے سے بولتے ہوئے اس نے ایک جھٹکے سے دروازہ کھولا اور سامنے کھڑے ہوئے سے شاید وہ اپنے کسی آنے والے جس شخص کی توقع کر رہا تھا اس کی جگہ ان دو لوگوں کو سامنے دیکھ کر اس کا باقی کا جملہ منہ میں رہ گیا۔

"الوینہ! تم ادھر؟ مجھے تمہارا پتہ بھی نہیں تھا۔" تم نے تو آج مجھے پہچانا بھی ہو گا بھلا۔ مگر وہ تیز تیز چلتا ہوا حیران سا تھا۔ "میری ہنسی آ گئی ہے۔" اور یہ بالکل نہیں مسکرایا تھا۔ اس کے چہرے پر وہ ایک مسکراہٹ تھی جو ہلکی سی ان کی آنکھوں پر آ گئی تھی۔ اس کے منہ سے ایک لفظ بھی ادا نہیں ہو پا رہا تھا۔

"اندر آئیں یا اندر نہیں آؤ گے؟" عمر نے بھی عمر کے اندر پر حیرت کا شکار تھیں۔

"آج ہی ہے۔" انہیں بتایا گیا کہ وہ اتنی بھی جلدی آ جائے۔ اس کے ماتھے پر پسینہ ابھر آیا تھا۔ عمر کی حالت ایسی تھی جیسے کسی نے اس کے بدن کا سارا خون نچوڑ لیا ہو۔ جیسے موت کا فرشتہ اس کے سامنے آ گیا ہو۔

اندر کسی کے چل کر اسی طرف آتے قدموں کی آواز اسے سنائی دی۔

"کون ہے عمر؟ کیا ہوا؟" ایک بہت جانی پہچانی بہت مانوس آواز اسے سنائی دی۔ "نہیں! نہیں!" اس کے اندر نہیں تھی۔ وہ اس کی دوڑی اور وہ جانتے ہوئے چلتی ہوئی اسی طرف آ رہی تھی۔

"عمر! اس کی تھوڑی تو سمجھ میں آ رہا ہے۔ اس کی گرد میں بہاں نہیں ہو سکتی۔ اس کی جگہ یہاں پر کیا کام ہے۔"

وہ ان کے قریب آ چکی تھی۔ "عمر! آپ؟ آپ کب آئے؟ ابھی آپ بس۔" اس نے اس لڑکی کی آواز کو سنا۔

"تم کیا؟ تم یہاں؟ تم یہاں کیا کر رہی ہو؟" اس نے اپنی جانب دیکھا، اسے اپنی ماں کی آواز بھی جو صدمے اور شدید غم کے شاک کے زیر اثر کانپتی ہوئی تھی نے بھی سنی۔

"تم اور یہاں عمر کے ساتھ؟" اس نے ایک بار پھر اپنی ماں کی کانپتی آواز سنی۔ "تم یہاں اس طرح میرے خدایا یہ منظر دیکھنے سے پہلے میں مر کیوں نہیں گئی۔" صدمے سے ان کی حالت اس کی ماں جیسی طرح ہو گئی تھی۔

"ممی! آپ یہاں؟" اس نے اس لڑکی کی آواز سنی اور ساتھ ہی اپنی روتی ہوئی ماں کو اس لڑکی کے قریب جاتے دیکھا۔ اس نے اپنی روتی ہوئی ماں کو اس لڑکی کے منہ پر تھپڑ مارتے دیکھا۔

"اتنی بے حیائی! اتنی بے غیرتی! شوہر کے منہ پر اپنے شوہر کے سامنے اپنا تماشا۔ تمہیں اللہ نے تمہیں شرم نہیں آئی تم ایسی گھٹیا حرکت کرتے ہوئے کبھی یاد نہیں آیا کہ تم کسی کی بیوی ہو ایک شادی شدہ اور کسی کے گھر کی عزت ہو۔ وہ جاہلوں کے بہانے یہاں آ کر اپنی عزت سے جانے کس کس سے کھیل رہی ہو۔"

انہوں نے بولتے ہوئے غصے سے کانپتی اپنی ماں کو دیکھا۔ تھپڑ کھا کر وہ لڑکی زمین پر گر پڑی تھی۔ اسے دیکھ رہی تھی۔ نیچے جا کر اپنا شاید نہیں تھا۔ پچھلے دنوں شاید اس نے کبھی نہیں سوچا تھا ہاں تو وہ اسے جانتا تھا وہ اس کو جانتا تھا۔

"میں آپ سے بہت محبت کرتی ہوں۔ آپ مجھ سے۔" اس کے پاس اس سے کچھ نہیں کہا۔ "میں نے ان کے سے کسی نے زمین پر گر کر ان کے سر کے اوپر سے ان کا سب کچھ گیا تھا۔ اسی کی ایسی تھا اس سے ملتی تھا اور وہ زمین پر آسمان اس کے پیروں سے ان کے قدموں میں گر رہے تھے۔ اس کے دماغ میں آندھیاں چل رہی تھیں۔ اس میں ایک ایسی حرکت کرنے کا حوصلہ اپنے وجود کو ہلانے تک کی سکت نہیں تھی۔

کیا نہیں دیا تھا عمر نے تمہیں عزت محبت عزت، اس کی اعلیٰ ہوئی آزادی کا بیجا استعمال اور اس میں وصول ہوئی تک کر کے گھٹیا حرکت کی اتنی اطاعت اتنی اس کی ماں نے روتے ہوئے حقارت سے نفرت سے کہا۔

"ممی آپ بالکل غلط سمجھ رہی ہیں ایسا کچھ نہیں ہے۔" وہ لڑکی روتی ہوئی سے اٹھی۔

"تم سے میں نے اتنا عمر کو بہت سے تمہیں اور آج اس کی عزت وہی اور اس نے تم کے ذریعے عزت کو خاک میں ملا دیا؟ کسی کی بہن ہو تو وہ ہم نے تم کی بدولت اپنی اولاد پر حرکت کی۔ تمہارے باپ کے سے یوں کسی بھی بھی سوچا نہیں تھا کہ تم ایسی ہو گی جو آج یہ دن بھی دیکھنا پڑا۔ میں جس بھائی کو اتنی چاہت سے پال کر تم کو دیا اس کی یہ شرمناک حرکت دیکھ کر وہ اور بھی مر جاتے۔ خدایا کس خطا کی سزا اس کی ماں نے سمجھ لی ہے جو آج تم نے۔"

ماں نے روتے ہوئے چلا چلا کر روتی اس کی ماں زمین پر بیٹھ گئی تھیں۔ اس لڑکی کو وہ اپنی بیٹی کی طرح پیار کرتی تھیں۔ اس لڑکی کو وہ اپنی بیٹی کی طرح پیار کرتی تھیں اس نے اس کے ہاتھ کی چوڑیاں اتار لی تھیں اس نے دیکھا کہ اس کی ماں روتے ہوئے زمین پر بیٹھ گئی تھیں۔ زمین پر ایک طرف بالکل خاموش کھڑے عمر عالم کو جھکنا پڑا۔ تھیں۔ جو ان کی تھیں۔ وہ کئی ان تو بہتے تھے۔ بیٹی چپ تھی۔

"تمہاری اور تمہاری عزت کی جو حفاظت ہم نے کبھی ایک لمحے کے لیے بھی شک نہیں کیا۔ ہم نے ہمیشہ تمہیں اپنے گھر میں عزت دی اور تم نے اندر سے کس کی عزت کو؟ یہ بیوی ہو۔ میرے بیٹے کی بیوی ہو تم کی عزت پر یہ کا داغ لگاتے تمہیں ذرا شرم نہیں آئی؟ یہ کیا کیا تم نے کیا کھیل کھیلتے رہے ہو اس کے ساتھ مل کر؟ تمہارا عمر تمہارا جو آئی گر گئی۔ بہن نے کبھی تمہاری کا احساس بھی نہیں دلایا۔ تم دونوں نے مل کر دونوں نے منہ پر کالک مل دی ہم کی کو منہ دکھانے کے قابل۔"

"ممی اندر آ کر لیجیے۔" وہ لڑکی روتی ہوئی اس کی ماں کے قریب پہنچی۔

"ایسی ناپاک اور گھٹیا حرکت کر کے اب میرا نام لو گی؟ کیا ابھی بھی تم میں اتنی ہمت ہے کہ میرا اور اس اشعر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھ سکو۔" اس کی ماں نے غصے سے کانپتے اس لڑکی کو دھکا دے کر اپنے سامنے سے ہٹایا۔ وہ تیزی سے زمین پر گر گئی۔

"اچھا ہوا آج تمہارا باپ زندہ نہیں۔ اچھا ہوا آج وہ زندہ نہیں۔ اچھا ہوا آج تمہاری ماں زندہ نہیں سو اب تمہارے ماں باپ اور بھائی کے عزت دار تو سب کچھ ہی ہار کر آ گئے۔ جس سے اس وقت میں اور اشعر گزر رہے ہیں۔ وہ مجھ سے پوچھو جو اندر ہی اندر گھٹ رہے ہو کیسے میں اور اشعر مر رہے ہیں۔ تم تو بیٹی کہلانے کے قابل نہیں ہو۔ بیوی بھی بیٹے کی عزت پامال کر ڈالی ہے تم نے۔"

اس کی ماں چیخ چیخ کر مسلسل رو رہی تھیں۔ وہ اپنے جوتی دو دو اس صدمے سے جیسے بالکل ہی ٹوٹ گئی تھیں۔

زمین پر گری وہ لڑکی ایک دم اٹھی وہ اس کی ماں کے پاس نہیں بلکہ دیوار کے ساتھ لگ کر بالکل خاموش کھڑے

مظفر عالم کے پاس رکی تھی۔

"تم چپ کیوں ہو؟ تم کچھ کہتے کیوں نہیں [illegible]"

[illegible] یہ سب جھوٹ ہے۔"

[illegible]

[illegible] دیا تھا۔

"تم چپ کیوں ہو [illegible]" اس لڑکی [illegible] مظفر عالم کو [illegible]

"تمہیں کیا پتہ [illegible] جانتے تمہاری اپنی [illegible] جھوٹ اور دھوکے کی زندگی میں نہیں رہ سکتے۔ محبت کرنا کوئی جرم نہیں [illegible]

[illegible]

مظفر عالم نے اس لڑکی کی طرف دیکھے آہستہ آواز مگر مضبوط لہجے میں کہا۔ [illegible]

اس لڑکی نے اپنے منہ پر یک دم ہی دونوں ہاتھ رکھ لیا تھا

[illegible]

☆ ☆ ☆

[illegible]

☆ ☆ ☆

[illegible]

جتنا بھی دل چاہ رہا ہو۔ اور دل کیوں نہیں چاہے گا آپ جیسے ہم
عمر دوستوں کے ساتھ تو تکلف برطرف ہو جائے گا۔ ابھی اس کی عمر
ہی کیا ہے کھیلنے اور ہنسنے بولنے کی۔"

مظفر لگتے ہے کہہ رہا تھا اشعر بھائی تو ہمارے اپنے ہو گئے
ہیں ان دونوں کے آپس میں مزاج کیسے ملتے ہوں گے
ان دونوں کی عمروں میں مجھے تو بہت فرق محسوس ہوتا ہے۔"

"آپ بہت بور ہیں۔ ابھی آپ کی جگہ کوئی زندہ دل
ہوتا تو اتنا انجوائے کر رہا ہوتا کہ بس۔"

مظفر کہتا ہے باقی دوست بھی لگتے ہیں مگر قمر کی بات
الگ ہے۔"

"میں لیٹ ہو گیا اشعر بھائی اتنی اچھی لڑکی کا تو مجھ سے
پہلے سے ناں۔"

"آپ بہت بڑا ماننا پڑے گا کہ میں کہنے کی حد تک تو سب
اچھے ہیں۔ آپ حقیقت میں بہت کھلے دل کے انسان
ہیں۔"

"بڑا ماننا تو اقبال اس بڑا ماننا اور کچھ انسان کے
دھوکے کی ہے بہت کم کر دیتا اچھا مارا تھا اس کی جیل اس
کے ساتھ نہیں اس کے متعلق ایک دوسرے سوچ کے پہلو
میں کیا بھی تھی اس کے گھر پر تماشا ہو گئی۔ وہ صرف بیوی
تو نہ تھی وہ اس کی محبت بھی تھی اور وہ اس کی زندگی بھی
تھی ... کیوں؟"

"تم نے دو بار میں آپ سے جھوٹ بولا تھا آپ
تو کہتے تھے کہ اب تم تب وہ سوچ کے گلے میں نے دھوپ
میں رکھے تھے "جیسے ایک معمولی سا جھوٹ بول کر رات
میں نیند نہیں آتی تھی۔ اس نے کب اور کیسے جھوٹ،
دھوکا اور فریب کو اپنا لیا؟ کب سب ایسا ہوا اور اسے علم
ہی اس تبدیلی کو جان تک نہیں سکا؟"

"تم بھی شکل ہے کہ ... تھی دولت اور ساری
کے ساتھ ان کو اوقات کر لی ہے۔"

"آپ ہوں گی ... 30 منٹ میں ... گھر پہنچ جانے کا
فون ہے کیا تھا۔ آپ لوگوں کی سوچ بہت ہی
خراب ہے۔"

"کیوں ہے فقر ... آیا۔"

وہ بیٹھ کر بلند تھے ... تھا۔ ... وہ اشعر
حسین جو زندگی میں کبھی رویا نہیں تھا باپ کی موت تک
جس نے اپنے آنسوؤں کو دل ہی میں چھپا کر رکھا ...
... 24 گھنٹوں بعد

اس کی مرگ ... سنگ کر دیا تھا۔
لیٹ ہو گئے تھے اس کے سینے میں ...
گھٹے ہو چکے تھے۔ جو بھی دنیا سے اپنا رابطہ ختم
ہو رہے لاوارث ہو گئے تھے ان دونوں میں کچھ تھا
اس نے زندگی کا ایک طویل عرصہ نہیں دیا تھا، ایک
ایک پل کے لیے بھی وہ جدا نہیں تھا۔ اسے
یاد آ رہی تھی۔ اس کی سادگی اس کی معصومیت
اس کا چلنا اس کی محبت اس کا دھوکا اس کا فریب
محبت اس کی سب ...

"آپ کب واپس آئیں گے" چلتے ہوئے اس
نے کہا تھا "مجھے آپ سے بہت ساری باتیں کرنی ہیں۔"
"آپ جب واپس آئیں گے میں آپ کو ایک
بتاؤں گی۔"

اور اس رات اس کی ... آواز میں
تھا کہ وہ اسے یاد کر کے اس کی محبت کی جدائی میں رو
رہا ہے۔ لیکن وہ تو ندامت کے آنسو تھے وہ اس
پر رو رہا تھا کہ بات اسے 15 سال ... اور جاتا نہیں
تھی۔ وہ شاید یہ بھی تھی کہ وہ اس کے ساتھ خوش نہیں ہے۔

شادی ان دونوں کی ان کی مرضی کے خلاف
دوسرے لوگوں نے زبردستی کروائی تھی۔ مگر پھر وہ
دھیرے دھیرے وقت کے ساتھ ان دونوں نے اسے
قبول کر لیا تھا ایک دوسرے کو پسند کرنے لگے
دوسرے سے محبت کرنے لگے تھے۔ تو اشعر حسین
ایک پوری دنیا کو دیکھنے کے بعد تو ... کو
اس سے محبت کی تھی اور تو ...
بہت پہلے ... جب وہ اشعر حسین کے گھر کی چار دیواری
باہر نکل آیا ... اشعر حسین سے شادی
کے بعد ... آپ
انتخاب ...
اپنے سے عمر میں 8 سال ...
اپنا ہم عمر کوئی شخص ...
دینے کے بجائے اس سے صاف صاف یہ
کہتی۔ وہ انتہائی ... طریقے سے ...
بہت با عزت طریقے سے اسے طلاق دے کر ...
رشتہ ان کے حسب خواہ ختم کر دیتا۔ اس کے
لیے زندگی کی تیاری ... نہیں رکھے جاتے
کے ذریعے ... کسی کے دل میں ... نہیں کی جا سکتی۔

ہیں۔ اس کے گھر میں تو فقط باپ اور دولا بہنیں تھیں۔ [illegible] بھی ایک دوسرے کے کمرے میں اپنے اپنے مشاغل میں مگن رہتے تھے جیسے وہ اور ان کے باپ [illegible] چھوٹے سے گھر میں محبوس ہوں [illegible]
پھر ان کی شادی کے بعد [illegible] ایک [illegible] اس کی [illegible] کے پاس ان [illegible] آیا تھا اور خود نے [illegible] اور [illegible] کی ان سے باتیں کرتی تھیں۔ اور ان سے بات کرنے کے بعد اسے پتا چلا تھا کہ ان کا [illegible] اور اس کے بابا کا خاندان [illegible] ایک ہی محلے میں آباد تھا۔ تقسیم کے وقت انہوں نے [illegible] ساتھ ہجرت کی تھی اور پھر بعد میں [illegible] کی ایک ساتھ ہی [illegible] تھے [illegible] بہت [illegible] تعلقات [illegible] رشتے داری [illegible] بہت [illegible] اس نے [illegible] اور [illegible] کر دی تھیں۔

"حرم کی طبیعت کیسی ہے بیٹا؟" ان کے اس سوال نے اسے [illegible] حیرت میں مبتلا کیا۔
"جی اللہ کا شکر ہے۔"
"آپ [illegible] کی [illegible] ڈاکٹر سے [illegible]؟" ان کی گفتگو میں [illegible] محسوس کیے جا سکتے تھے۔

"[illegible]" ان کے سوالات کے جواب [illegible] حیرت سے دیا۔
[illegible] "آپ [illegible]" [illegible]
"آپ [illegible]" اس نے [illegible]
[illegible] کمرے میں آیا اور [illegible] روم میں گھس گیا۔

اس نے [illegible] آواز سن کر خوشی سے سرشار ہو گئی۔
"جی ٹھیک ہوں [illegible] حرم کے لیے آپ دعا کریں۔"
"[illegible] دعا کرتی ہوں [illegible] اللہ سب ٹھیک ہو گا [illegible] وقت مجھے فون کر کے ضرور بتانا [illegible] حرم کا"

[illegible] اور [illegible] اس وقت [illegible] بہت [illegible] آ رہی تھی
[illegible] اس کی آنکھیں بھر آئیں۔
"بہت شکریہ [illegible] حرم کو اس وقت دعا [illegible] ضرورت نہیں۔ آپ [illegible]"
حرم [illegible] اٹھ رہی تھی [illegible] رکھ دیا۔
"کہاں جا رہی ہو حرم؟"
"[illegible]" حرم [illegible]
[illegible] کے لیے [illegible] جانے سے روکنے کے لیے وہ بولا۔
"حرم تم بیٹھو میں جلدی [illegible] چائے تیار کر لیتا ہوں [illegible] کے ساتھ [illegible]"
[illegible] حرم [illegible] کمرے [illegible] آیا [illegible]
[illegible]

"[illegible]" "[illegible] واپس کھولوں۔"
"[illegible] حرم ٹھیک ہے [illegible]" اس نے [illegible]
"[illegible] کے لیے آپ کا انتظار کر رہی ہے۔"
[illegible] کی طرف [illegible]
[illegible] حرم [illegible] اس نے [illegible]

[illegible]
اس نے حرم کے لیے [illegible]
[illegible] seed کہاں ہیں؟ [illegible] حرم کے منہ میں [illegible] اس کا [illegible] اس نے [illegible] تو پوچھا۔ وہ تو اس سوال کا [illegible]
[illegible]
"[illegible] seed کا کیا کر رہے ہیں؟"
"[illegible] seed [illegible] Plant [illegible] Hope"

[illegible] کوئی چیز میسر نہیں تھی مگر [illegible] حرم [illegible] ایک کیاری [illegible] ضروری میسر تھی [illegible] کیاری [illegible] seed [illegible] Plant [illegible] [illegible] خوشی سے [illegible]

اس نے حرم کو یہ تسلی دی کہ کسی بھی [illegible] حرم [illegible] خوش [illegible] seed [illegible]
"[illegible] seed کہاں ڈالے گی؟" حرم [illegible] Hope [illegible]
[illegible] seed [illegible] Plant [illegible]
[illegible] حرم [illegible]

حرم کو [illegible] کمرے سے باہر آ گئی تھی [illegible] اشعر کے کمرے [illegible]

انتظار کی [illegible] حرم کے [illegible] اس وقت وہ اس کمرے میں [illegible] کے بعد [illegible] حرم کے [illegible]
نماز [illegible] کچن میں آ گئی۔ [illegible] کہ وہ ایک کپ چائے [illegible] اشعر کے کمرے میں [illegible]
[illegible]
کچن میں [illegible] کھانے [illegible]
"[illegible] مجھے ایک کپ چائے [illegible]"
[illegible] اس کی [illegible]
[illegible]
اس نے [illegible] ایک کپ [illegible]
[illegible] اشعر [illegible]
وہ چائے کے دونوں کپ لے کر کمرے میں آئی۔ حرم [illegible] اشعر [illegible]

وہ صوفے کے کونے میں آکر بیٹھ گئی۔

"چلو سنو وائٹ دیکھیں۔" اشعر کے ساتھ لگ کر بیٹھی حرم نے اس سے کہا۔ چائے کے گھونٹ لیتی وہ بھی مووی دیکھنے لگی۔ اس نے اپنا چائے کا کپ ٹیبل پر رکھ دیا تھا اور اشعر کا کپ بھی، [illegible] ویسے ہی چھوڑا رکھا تھا۔ حرم کی آنکھیں غنودگی سے بند ہو رہی تھیں۔ گھبراتے ہوئے گرتی تھی کہ سنو وائٹ زہریلا سیب کھانے سے گہری موت میں چلی گئی۔ اشعر کی بار اسے سونے کے لیے کہہ رہا تھا مگر وہ آنکھیں زبردستی کھولے سونے سے انکار کر رہی تھی۔

"ابھی نہیں بس اب باقی مووی کل دیکھیں گے۔ اس وقت پرنسس کو بھی نیند آ رہی ہے اور بابا کو بھی۔"

اس کی حالت سے ہی ٹی وی آف کرتے اشعر نے آخر فیصلہ صادر کر دیا اور پھر فوراً ہی [illegible] کر لی اور [illegible] سب آف کر دیا۔ حرم نے روز کی طرح اپنا سر اشعر کے بازو پر اور بازو اس کے اوپر رکھ دیے۔ اشعر حرم کے دائیں جانب لیٹا تھا اور وہ بائیں جانب لیٹی تھی۔ حرم لیٹتے ہی سونے کی دعا پڑھتے پڑھتے ہی سو گئی تھی۔ اس ساری [illegible] اسے خود سے یاد دلائی تھیں۔

حرم کے سو جانے کے بعد اشعر ابھی [illegible] سو گیا تھا۔ اس کی بے خبری اس کی گہری نیند کا پتا دے رہی تھی۔ وہ پچھلی کئی راتوں سے مسلسل جاگ رہی تھی پھر کس وقت اس کی آنکھ لگی اسے پتا نہیں چلا تھا۔

☆ ☆ ☆

رات کا نجانے کون سا پہر تھا جب اس کی آنکھ کھلی۔ نیند سے پوری طرح بیدار ہونے اور آنکھیں کھولنے سے پہلے اسے ایک عجیب سا احساس ہوا۔

آنکھیں کھول کر اس نے دیکھا تو اسے حرم کے [illegible] بالکل بے خبر گہری نیند سوتی نظر آئی۔ اس نے بے اختیار اپنے چہرے کو اس سے کچھ دور ہٹایا۔ تب اس کی نظر حرم کے سینے پر رکھی اپنی ہتھیلی اور اس پر رکھے حرم کے ہاتھ پر پڑی۔ اس کے ہاتھ کے اوپر حرم کا ہاتھ [illegible] مضبوطی سے رکھا ہوا تھا کہ ذرا سا ہٹایا تو اس کے ہاتھ کے نیچے سے نہیں نکل سکے۔ وہ اپنے ہاتھ کے اوپر رکھے اس کے ہاتھ کو دیکھ رہا تھا جب گہری نیند سوتے ہی کسمسا کر وہ حرم کے مزید قریب ہوئی تو اس کا سر اشعر کے سینے سے ٹکرایا۔ وہ ابھی

عادت کے مطابق وہ اپنا [illegible] بائیں ہاتھ کے اوپر رکھ کر لیٹا۔ تو ایک پل کو گھبرانے کے بعد اس کا پورا وجود اسی چیز سے ساکت ہو گیا تھا گویا یہ ایک پل اس کے پورے جسم ایک عجیب سی سنسنی ایک ناقابل فہم سا احساس دلا رہا تھا۔ گہری نیند سوتی [illegible] معصوم سی لگ رہی تھی کہ وہ حیرت میں ڈوبا سوچ رہا تھا کہ کیا کسی کے چہرے اتنے روشن بھی ہوا کرتے ہیں؟ ایک دم ہی اسے یاد آیا کہ اس کے ہاتھ پر رکھے اس ہاتھ نے کئی دن اس کے ہاتھوں کو جھٹک کر اس کے ساتھ بدترین سلوک کیا تھا۔ اس کی عزت [illegible] کر اپنے جتایا ہوا تھا۔ ایک جھٹکے سے اس نے کھینچ کر اس کے نیچے دبا ہاتھ باہر سے اٹھایا۔ خود کو جس حد تک پیچھے سے دور کر سکتا تھا کر لیا۔ اسے اپنے دماغ کی رگیں پھٹتی محسوس ہو رہی تھیں۔ [illegible] مر جانے والی اس عورت [illegible] والے نے ایک مرتبہ پھر اس [illegible] جنون اور وحشت میں مبتلا کر رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

اس کی گاڑی کی آواز سنتے ہی گھر کے اندر سے [illegible] دوڑتی ہوئی بھاگتے ہوئے باہر آئی تھیں۔ ان کی حالت بہت خراب تھی۔ وہ اسے چومتی اسے والہانہ پیار کرتی بے قراری سے پوچھ رہی تھیں کہ کہیں وہ کہاں تھا، وہ کتنی تنگ [illegible] اس نے ماں کو کتنا پریشان [illegible] کیسے [illegible] ہو سکتا تھا [illegible] رہتے ہوں گے وہ سمجھ سکتا تھا لیکن وہ پہلے حرم [illegible] چاہتا تھا۔

"ممی! میں آپ سے ابھی تھوڑی دیر بات کرتا ہوں۔" اپنے کمرے [illegible] کے ہاتھوں کو آنکھوں [illegible] اور بہت خوبی [illegible] اندر آ گیا۔

"اشعر! تھوڑی دیر میرے ساتھ بیٹھ جاؤ میں [illegible] رہی ہوں تمہارے لیے کتنی دیر تمہیں بھی [illegible] چاہتی ہوں۔ تو میرے کمرے میں چلو۔"

اس کا ہاتھ پکڑ کر وہ بہت محبت سے بولیں۔ اس [illegible] محسوس ہو رہی تھی۔

"تو بیٹا کچھ دیر [illegible] تمہارے لیے چائے [illegible] ہوں۔" وہ اسے اس کے کمرے میں جاتے [illegible]

چاہتی تھیں۔

اس نے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ سے جھٹکا اور آندھی طوفان کی طرح اپنے کمرے کی طرف بڑھا [illegible] کہ دنیا کی [illegible] چھوڑ کر گیا تھا۔ [illegible] وہ موجود نہیں تھی۔ اس نے [illegible] کمروں کی طرف دیکھا [illegible] آسانی سے [illegible] ناکام ہونے کے بعد [illegible] بھی اس کے پیچھے اندر آگئی تھیں۔ بہت نڈھال اور آنسوؤں کو ضبط کرتی ہوئی۔

"نور کہاں ہے؟" [illegible] سنجیدگی کے [illegible] اس کے چہرے پر [illegible] تھا۔

"بیٹا [illegible] تم سے کچھ [illegible] تم کچھ [illegible] دیکھو حالت کیا ہو رہی ہے تم نے اپنی [illegible] تو چلو کچھ کھا [illegible] میں [illegible] ہے۔"

"میں نور کہاں ہے؟" اس کا انداز قطعیت بھرا تھا۔

"شکیل [illegible] تھوڑی دیر آرام کر لو [illegible] چلو بیٹے [illegible]" وہ اس سے نظریں چرا رہی تھیں۔

"میری نور کہاں ہے؟" ان کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر اس نے ان کا رخ اپنی طرف کیا [illegible] اس کی آنکھوں میں [illegible]

"وہ گھر چھوڑ کر چلی گئی [illegible]" اس سے نظریں [illegible] آہستہ [illegible]

[illegible]

"وہ اسی دن یہاں سے چلی گئی تھی۔ جب تم [illegible]

[illegible]

اپنی بات پوری کر کے انہوں نے آنسوؤں [illegible] نظریں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا [illegible] سے جا چکا تھا۔

وہ اس سے لپٹ کر [illegible]

[illegible]

"اس کی آپ یہاں سے چلی جائیں۔" [illegible]

[illegible]

"میں تمہیں اس حالت میں چھوڑ کر نہیں جا [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] اس کی بیٹی نے اس پر ایک جذباتی اثر چھوڑا تھا۔ [illegible]

[illegible] وہ حریم کو ساتھ لے کر ان کے اپارٹمنٹ سے [illegible]

[illegible]

"پاپا! آپ واقعی [illegible]"

[illegible]

اپارٹمنٹ [illegible]

[illegible]

"پاپا! حریم [illegible]"

[illegible]

اس کے لگنے [illegible]

[illegible]

"پاپا! آپ واقعی بہت اچھے ہیں۔" [illegible]

[illegible]

[illegible]

"پاپا! آپ کب آئے؟" [illegible]

[illegible]

حریم نے کہا [illegible]

[illegible]

لوازمات [illegible] چاکلیٹ [illegible] paste [illegible] almond [illegible] (banana) [illegible]

[illegible]

"اف! پاپا! آپ بھی؟" [illegible]

[illegible]

"چلیے! [illegible]"

[illegible]

"یہ تم [illegible]"

[illegible]

ٹیم میں اور ماما سعدی کی ٹیم میں اور بیچ سے گی زینت۔" حریم نے تالی بجا کر خوشی کا اظہار کرتے فوراً حامی بھری۔
"ہاں بہت مزا آئے گا۔"
دونوں بھائیوں کی بحث سے لطف اندوز ہوتی خاموشی سے اپنا کام کر رہی تھی۔
"پاپا ماما کی تو دو ٹیمیں بنا لی ہیں۔" ان کے تیار کر کے رکھے گئے خاکوں کو بغور دیکھتے حریم کو احساس ہوا کہ ماما ان کو پاپا سے زیادہ اچھا جانتی ہیں۔ اس نے آنکھیں جاسوسوں سے کام لے کر ایک طرح کی پارٹی اور اپنی طرفداری تبدیل کر لی۔ "حریم ماما کی ٹیم میں ہے۔"
اشعر نے اس کی حرکتوں کو دیکھا اور بے ساختہ اس کی سمجھداری سے محظوظ ہوا جبکہ زینت کی چالاکی پر بے ساختہ مسکرا اٹھی۔
"آجایئے زینت صاحبہ آج کے فرائض سر انجام دیجئے۔ ذرا دیکھو کرتا ہے کس نے زیادہ اچھے اکیوریٹ کیے ہیں۔" اشعر نے کچن میں کام کرتی زینت کو میں کپڑے کی ٹوکری سے آواز دی۔ زینت اپرن سے گیلے ہاتھوں کو خشک کرتی ڈائننگ روم میں آگئی۔
وہ خود اور اشعر کے ابھی فیصلہ کرتے چہروں کو دیکھ کر اس کھیل کا سارا اپنا منظر سمجھ چکی تھی تب ہی فوراً ہاتھوں سے حریم کے خاکوں والے صفحے کی طرف اشارہ کیا۔
"حریم جیت گئی۔ حریم جیت گئی۔" نعرہ لگاتے تالیاں پیٹ کر حریم نے بے ساختہ خوشی کا اظہار کیا۔
اشعر بچوں کے اس دور سے ہی گھر رہا تھا۔ اس کی کامیابی اور مشکل مصروفیات کس طرح کی ہوتی تھیں یہ جانتی تھی۔ شاید ان دنوں اس نے اپنی تمام مصروفیات ترک کر دی تھیں۔
شام میں وہ حریم کو تفریح پارک لے گیا تھا۔ حریم وہاں سے واپس آئی تو اشعر کی گود میں چڑھی اور بہت خوش تھی۔ اس کے دونوں ہاتھوں میں خوب بڑے سائز کے غبارے تھے۔ غباروں کا جائزہ لیتے اشعر کے ہاتھوں میں تھامے رنگوں اور کس طرح کے لگا تھا کیا کسی غبارے والے کے پاس موجود سارے کے سارے غبارے ہی وہ دونوں خرید کر لے آئے ہوں۔ ساتھ ہی اشعر کے ہاتھوں میں کھانے پینے کی بھی طرح کی اشیاء سے بھرے شاپرز بھی تھے۔ اتنی تفریح اور بھرپور شاپنگ کر کے آئی تھی پھر بھی حریم کا منہ پھولا ہوا تھا۔

"یہ گھر آتے ہی کس خوشی میں پھولا ہوا ہے یہ منہ آپ کا؟" اشعر نے تعجب سے اس کے پھولے منہ کو دیکھا۔ باپ کی بات نظرانداز کرکے اس نے اپنی آنکھیں اس کی طرف پھیلا دیں۔ اس نے آگے بڑھ کر اسے گود میں لیا تو اس کی گود میں آتے ہی وہ منہ چھپا کر رونے لگی۔
"پاپا نے حریم کو کسی سے بھی نہیں ملوایا۔" اشعر اسے گود میں اٹھا کر اس کے قریب آیا۔
"پرسوں آپ حریم کو پیاری جگہ پارک میں لے گئے تھے سارے بچے اور اپنی پسند کی کھانے کی ساری چیزیں بھی [illegible] دوستی ہو جانی تھی۔"
اشعر نے اسے جھولوں پر زیادہ دیر بیٹھنے سے روکا تو اداس ہو گئی تھی۔
"سب اپنا پاپا اور حریم پلاٹ سے کھیلیں گے پیار [illegible]" اشعر نے کہا تو اس نے پھولے منہ [illegible] کھیل میں لگ کر حریم کا موڈ خود ہی ٹھیک ہو گیا تھا۔
رات کے کھانے کا وقت ہو رہا تھا زینت ان دونوں سے کھانے کا آرڈر لے چکی تھی۔ حریم کھیل ختم کرنے کے لیے ابھی آمادہ نہیں تھی کہ ملازمہ [illegible] کھڑی ہو گئی تھی۔
تب ہی اچانک اشعر کا موبائل بجنے لگا۔ اشعر نے اسکرین دیکھ کر فوراً کال ریسیو کی۔
"السلام علیکم جی!" اس نے بڑی گرمجوشی سے کہا۔ اس کا لہجہ بھرپور [illegible] کی واضح غمازی کر رہا تھا۔ وہ ایک دم ہی صوفے پر سے اٹھی اور غبارے کے پیچھے جاتی حریم کو گود میں اٹھا کر لیونگ روم سے باہر نکل آئی۔ حریم کے احتجاج کی پروا کیے بغیر [illegible] اشعر کو اس کے سلام اور حال احوال کا جواب موصول ہوا ہو گا تب تک وہ وہاں سے باہر نکل چکی تھی۔ باہر آنے کے بعد اسے اشعر کی ہنسی ہی سنائی دی تھی۔
"میں بالکل ٹھیک ہوں، آپ کیسی ہیں؟" یہ حریم کو لے کر اسے اور حریم کے کمرے میں آ گئی تھی۔
اشعر نے خود کو باہر جاتے تعجب سے دیکھا۔ اس نے کال ریسیو کرتے ہی وہ جس طرح ایک دم سے اٹھ کر حریم کو وہاں سے لے گئی تھی وہ بہت عجیب سا انداز تھا۔ ایک اتنی بڑی بات اب تک چھپائے رکھنے پر وہ اس سے شرمندہ تھا۔ جب وہ سب کچھ بتانے جا رہی [illegible]

— آج کل اور اہم بات سے بے خبر رکھے جانے پر تھے۔ اس سے ناراض بھی ہوں گی۔ مگر وہ ان سے معافی مانگ کر اپنے ایسا کرنے کی وجہ سے آگاہ کر کے انہیں منا لے گا۔ انہیں دیکھ کر [illegible] ان کی تصویر ہی بیڈ روم میں ہے [illegible] حالانکہ دل ماں کے لیے شدید دکھ کا باعث ہوا تھا۔ ان کی ماں نے اپنے دوسری شادی کے لیے آمادہ کرنے کی کوشش حسرت سے کیا کرتی تھیں کہ کیا ان کی تقدیر میں پوتے پوتی کی خوشی دیکھنا نہیں لکھا جا چکا ہی نہیں کہ ان کی ایک بیوی ہے۔ ان کی بیوی [illegible] پچھلے چار سالوں سے ان سے چھپا کر رکھا ہوا تھا۔ اس کے دل و دماغ میں اس وقت کون سی سوچیں [illegible] آرہے تھے ان سب کو نظر انداز کر کے [illegible] کے انداز میں [illegible] مسکرا مل رہے تھے۔

"تم سے بات کرنا تو بند ہی ہو گیا تھا تمہارے موبائل پر کال کرنے کا آفس میں کہ [illegible] میں ہی گھر جاتے ہی [illegible] آج کل تو [illegible] رات کو آفس میں [illegible] جاتی ہوگی۔ آج [illegible] کے کام کے معاملے میں [illegible] آفس ہی میں پایا جاتا ہوگا۔" وہ ہنس کر بولا۔

"[illegible] کام کرنے والا بھی نہیں [illegible] لیکن [illegible] انہیں کو انوائٹ کرنا تھا۔ آپ بھی [illegible] کے لیے گئے۔"

"بہت [illegible]" [illegible] اس کی خوشی کو پہچان کی تھی [illegible] زندگی کے اور خوشیوں کے [illegible] آج تک بھی نہیں [illegible] زندگی میں [illegible] چھوٹی چھوٹی باتیں بھی [illegible] خوشی [illegible] پارک میں [illegible]

○ ○ ○

وہ اور رضا زیدی [illegible] کر رہے تھے۔ کام کو حتمی شکل

طلبی صورت حال رکھتے اس لیے [illegible] ریسٹورنٹ میں اچھا لنچ انجوائے کر کے بھی رضا زیدی کے ہر ہر لمحے [illegible] تھا۔ وہ لندن کی ایک کمپنی کے ساتھ ہونے والی ڈیل اور اس ڈیل کے فائنل ہونے کے راستے میں رکاوٹیں۔ کرتے ان کے ایک competitor [illegible] کرنے میں مصروف تھا۔ [illegible] وہاں سے سب سے آخر میں [illegible] اٹھ کر ان [illegible] مسکرا [illegible] فارغ ہونے کے بعد [illegible] رضا زیدی نے جیب سے سگریٹ کا پیکٹ اور لائٹر نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔ [illegible]

"[illegible] سگریٹ [illegible]" [illegible] سگریٹ لینے سے انکار کیا۔

"تم سگریٹ کے لیے منع کر رہے ہو؟ یہ تو کیا ہے۔ جیسے کوئی ساتھ [illegible] انکار کر دے۔" رضا ہنستے ہوئے بولا۔

"سب خیریت تو ہے نا [illegible]" اس نے پیکٹ سے اپنے لیے ایک سگریٹ نکالا۔

"I am trying to quit." [illegible] رضا زیدی بہت [illegible]

"trying to quit." [illegible] اندازہ [illegible] کے الفاظ دہرائے۔

"[illegible] تو ہے ہاں [illegible] صاحب [illegible] کلا نظر آ رہا ہے۔"

"یہ میرے لیے آسان نہیں ہے [illegible] عادت [illegible] چھوڑنے کی کوشش کر رہا ہوں۔" [illegible] رضا زیدی کی [illegible] مسکراہٹ [illegible]

"ایک بندہ [illegible] بری عادت چھوڑنے کی کوشش کر رہا ہے [illegible]"

"بری عادت؟" وہ [illegible] سے پھر گویا ہوا۔ "[illegible] بری عادت ہے۔ [illegible] کیا [illegible]" رضا کے [illegible] کے جواب میں [illegible] کہنا چاہتا تھا کہ [illegible] اس کے موبائل پر [illegible] کی۔ [illegible] کا نام دیکھ کر [illegible]

ہے جلدی سے جلدی ہی گیا تو اگلے مہینے تک [illegible] واپسی ہوگی۔ [illegible] کر کے [illegible] شکریہ اور میں [illegible] تمہارے ساتھ ہیں۔ تمہارا [illegible] اچھا [illegible] ہے [illegible]"

"[illegible]" رضا نے [illegible] سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ اس نے [illegible] میں بتایا۔

"[illegible] آپ [illegible] کام پر جا رہے ہیں اور وہ بھی کل [illegible]" رضا نے اسے اس کے بھولے پن پر جیسے ملامت کی۔

"آج خوب صورت لڑکی سے جھوٹ بولتے ہوئے [illegible] انداز کرتے تمہارا دل نہیں دکھتا؟ سچ کہتا ہوں تم جیسا [illegible] میں نے آج تک نہیں دیکھا۔" رضا [illegible] کا اشارہ کیا۔

"[illegible] کوئی اٹھی تھی [illegible] بھی [illegible] کر [illegible] کسی جگہ [illegible] میں [illegible] کر جاؤں گا۔"

یہ تھی تو نہیں [illegible] تم سے مشکوک رہتیں۔ [illegible] کو فون [illegible] تصدیق ضرور کرتی ہیں کہ ان کے شوہر صاحب آفس ہی میں ہیں یا آفس کا کام [illegible] بیٹھے ہوئے ہیں۔" [illegible] رضا نے [illegible] بات کی۔

"وہ [illegible] ریسٹورنٹ [illegible] سے باہر نکلے تھے جب رضا کو [illegible] کسی نے آواز دی۔ وہ رضا کے دوست تھے۔ رضا [illegible] کی طرف بڑھا [illegible] کے ساتھ [illegible] گاڑی کے پاس آیا [illegible] [illegible] ایک بار پھر اس کے موبائل پر کال آنے لگی۔ [illegible] جلدی [illegible] بچے [illegible] کہ گھر جانے سے پہلے [illegible] حرم سے بات ہو چکی تھی۔ [illegible] کال ریسیو کی۔ دوسری طرف سے آنے والی آواز حرم کی تھی [illegible] آواز سنتے ہی اس کی جان میں جان آئی۔

"بابا۔"

"بابا کی جان! بابا کی پرنسس کیسی ہے؟" [illegible] کے جواب میں [illegible] سے بولا۔

تم کیوں کر رہی۔

"ہاں سارہ کیسی ہو؟"

"اچھی خوش قسمتی پہ ناز کر رہی ہوں [illegible] حسین سے [illegible] ڈیل [illegible] مجھے [illegible] تو آج [illegible]" [illegible] وہ جواب میں بالکل خاموش رہا۔

"سوری [illegible] کر گئے۔" اس کی خاموشی کو محسوس کر کے وہ فوراً سنجیدہ ہو گئی۔

"تم [illegible] نہیں ہے [illegible]" رضا کی [illegible] مسکراہٹ [illegible] اور اسے [illegible] مصروف [illegible]

سارہ اپنے [illegible] میں [illegible] کے لیے [illegible] اس کے آفس آئی تھی [illegible] رضا [illegible] کسی طرح [illegible] ہے [illegible] آنکھوں میں محبت [illegible] اس کی آواز [illegible] زندگی [illegible] سارہ کے لیے [illegible] اس کے لیے [illegible] کا تھا۔

"[illegible]" [illegible] سے بولا۔

"میں نے تم سے اس روز ذکر کیا تھا [illegible] 2007ء کے لیے [illegible] فیشن شو ہے اور اس میں [illegible] بطور [illegible] کے لیے مجھے Solo presentation کا [illegible] یہ میرے کام کی [illegible] میرے لیے۔ [illegible] پاکستان [illegible] انڈسٹری [illegible] ہوگی۔"

"سوری سارہ [illegible] لے کر [illegible] میں تمہیں [illegible] تم [illegible]

"پاپا حریم کو zoo جانا ہے۔ وہ lion دیکھنا ہے۔" [illegible] لے جا رہے۔" اس کا انداز شکایتی اور لہجہ بھرپور خفگی کا اظہار کر رہا تھا۔

"اس بات کا مطلب ہے ہماری پرنسس [illegible] ہم خود لے کر جائیں گے [illegible] ابھی تو تیار ہو جاؤ۔" [illegible] کے حساب سے اس نے [illegible] خوشی ہو جانا چاہیے تھا مگر وہ خوش ہونے کے بجائے [illegible] ضدی انداز میں بولی۔

"شام میں نہیں۔ حریم کو zoo ابھی جانا ہے۔ پاپا حریم کو ابھی جانا ہے۔" اس کی ضد [illegible] کو اس کی بات سے [illegible] ابھی بھی [illegible] سب [illegible] بھول جائے گا۔

"اچھا پاپا ابھی آ رہے ہیں۔ ٹھیک ہے؟ تو [illegible] جلدی سے [illegible] کر [illegible] طرف آیا [illegible] وہ اسے [illegible] کر [illegible] کہ وہ ابھی کہیں [illegible] جانا ہے کوئی ضروری کام ہے تو [illegible]

"کہاں لے کر جا رہی جانا ہے؟" اس نے سنجیدگی سے [illegible]

"[illegible] اس کو [illegible] جھوٹ مت بولو بات کرتے وقت [illegible] مسکراہٹ [illegible] کسی حسین لڑکی سے بات [illegible] آ سکتی ہے۔"

[illegible]

"[illegible] کو [illegible] نہیں لگتی [illegible] سے [illegible] لگا رہا تھا [illegible] شادی پر [illegible] تھا۔

[illegible] تھا۔ اس نے [illegible] کی طرف [illegible]

"ٹھیک ہے آپ خوش ہو جائیں۔ [illegible]

"پاپا" اس کے [illegible] آفس [illegible] حریم کی طرف [illegible] سے دیکھا تھا [illegible] سے کی بات [illegible]

"پاپا! حریم سے [illegible] کی طرف آیا [illegible] حریم نے [illegible]

"کس بات پر؟ آپ نے کوئی شرارت کی تھی؟" [illegible]

"حریم نے آپ کو [illegible] بیٹی سے [illegible] غصہ [illegible] کوئی [illegible] سلام [illegible] ہے۔ اس نے حریم سے [illegible]

"حریم سے تو کیا تھا۔"

"[illegible] اس نے ساتھ لے کر صوفے پر [illegible] تھا اور حریم اس کے [illegible] کی طرف [illegible] کر لیا۔

"[illegible] اس نے redial کے [illegible] کی طرف [illegible] ایک ہی [illegible]

"[illegible] حریم نے آپ کو فون کیا [illegible] حریم تم [illegible]

"[illegible] کے کندھوں [illegible]

"پاپا [illegible]

"[illegible] حریم سے [illegible] کر [illegible] مسکرایا۔

"[illegible] بات [illegible] کہ حریم نے تو [illegible] فون کیوں کیا تھا [illegible] جھوٹ [illegible] حریم نے فون نہیں کیا تھا [illegible] ایک [illegible]

"[illegible] جھوٹ بولنا گندی بات ہے۔" [illegible] آنکھیں [illegible] اپنے چار سال کی بیٹی کو اپنی ایک [illegible] کی اصلاح کرتے [illegible] ایک [illegible]

"[illegible] کی کوشش کرنے کے بعد اس نے [illegible] اس کے لبوں سے ایک [illegible] بات [illegible] خوشی سے [illegible] تھا۔

لیکن بات کس حریم نے [illegible] حریم کو [illegible] جھوٹ [illegible]

[illegible] حریم نے [illegible]

[illegible] جھوٹ بولنا گندی بات ہے۔ جھوٹ [illegible] ہوتے ہیں۔ [illegible] جھوٹ [illegible] کی نصیحت کیا کرتی تھی؟ جھوٹ اور [illegible] کرنے والی بیٹی کو [illegible] ایک تک [illegible]

[illegible] کیا کہ وہ [illegible] جھوٹ [illegible] اچھی لگتی ہے [illegible] بہت اچھی [illegible] ساتھ حریم کو zoo جانے کے لیے [illegible] تھی کہ حریم [illegible] ماما [illegible] کے ساتھ ایک [illegible] بھی [illegible] وقت میں [illegible] ایک بار [illegible] تھی۔

"[illegible] آپ تیار ہو [illegible] حریم اس کے [illegible] لیے آئی [illegible] آفس میں [illegible]

"[illegible] آپ ہماری پرنسس سے کیوں ناراض ہیں؟" [illegible] کی طرف [illegible]

"[illegible] کہ [illegible] کہنا نہیں [illegible]

"اچھا آپ اب [illegible] ہماری پرنسس آپ سے [illegible] آپ کی [illegible]

باپ کی [illegible] وہ اپنی [illegible] کامیاب ہو گئی ہے۔

"[illegible] کہنا مانا کر [illegible] تو پھر [illegible]

"بالکل کہنا مانے گی۔ اب آپ جلدی سے ہماری پرنسس کو zoo [illegible] چلیں۔" اس نے [illegible] مسکراتے ہوئے [illegible] حریم کو [illegible] تھا۔

[illegible] zoo [illegible] لوگ [illegible] واپس آئے [illegible] شام کے [illegible] اپنی [illegible] کے [illegible] آ کر [illegible] ایک [illegible] شکل اور [illegible] ایک [illegible] کے ساتھ [illegible] اور پھر [illegible] تو [illegible] کے سامنے [illegible]

"[illegible]" [illegible] ایک [illegible]

* * *

[illegible] سامنے [illegible] حیران بھی ہوا تھا اور [illegible] تھی۔ اس کے [illegible] بات [illegible] اپنی بیوی [illegible] ساتھ [illegible] اس سے پہلے [illegible] کے [illegible] بہت اچھا [illegible] امریکہ [illegible] پاکستان واپس آیا [illegible]

بابا پاکستان آنے پر اس کے افواخت کرنے پر ان کے گھر
دار برکی تو تھا۔ اس موقع پر اس کی قسمت سے بھی ملاقات
ہوئی تھی۔ پھر تھوڑے دنوں بعد اس کی زندگی طوفانوں کی زد
میں آ گئی تو وہ ساری دوستیاں اور سارے تعلقات بھول گیا۔
نعمان بے چارہ بہت عرصے تک اس سے یک طرفہ دوستی
نبھانے کی کوشش کرتا رہا تھا۔ کبھی فون کالز اور کبھی
e-mails کے ذریعے مگر اس نے پلٹ کر کبھی دوست کو
یاد کرنے کی کوشش نہیں کی تھی اور اب تو عرصہ ڈیڑھ
دو سال سے اس کا نعمان سے سرے سے کوئی رابطہ
نہیں تھا۔ شاید وہ بے چارہ اس لاتعلقی کو یک طرفہ دوستی
نبھانے کی اپنی کوششوں سے تنگ آ گیا تھا یا شاید اس سے
ناراض ہو گیا تھا تب ہی اس کی کالز اور e-mails آنا بند
ہو گئی تھیں۔ نعمان سے وہ آخری بار پاکستان آنے پر اس کے
گھر میں ملا تھا تب نعمان کی بیٹی شاید چند ماہ کی تھی۔ اس
ملاقات کے چند مہینوں بعد ہی اس کی زندگی طوفانوں کی زد
میں آ گئی تھی اور اس کے بعد سے پھر اس کی نعمان سے کوئی
ملاقات نہیں ہو پائی تھی۔

"دوستی کا حق تو ادا کیا نہیں بیچارا بھی چھوڑ دی۔"
اب اس کے گلے شکوے [illegible] انداز میں بولا۔

"شکوہ باتیں مت کرو۔ اور یہ [illegible]
بتانے سے چڑ کر کب سے آئے ہوئے ہو اور اب تک مجھ
سے ملے کیوں نہیں۔" نعمان کے شکوے پر دل میں
شرمندہ ہوتے اس نے اس کا ہاتھ گرم جوشی سے تھام کر
پوچھا۔

"آئے ہوئے چند دن ہو گئے ہیں اور آپ سے ملنے کا
خیال تک [illegible] بھول جاتے کیا ہوتا کہ آپ ہم
اس سے کوئی تعلق رکھنا نہیں چاہتے پھر بھی صبر اور
بے غیرتی ہی کر کے میں نے کل آپ کے گھر فون کیا تو وہاں
سے اطلاع ملی تھی کہ صاحب گھر پر نہیں ہیں۔ آپ کے
فون نمبر پر آج دو کال [illegible] کی تھی۔ آپ کے
ملازم سے کوئی پیغام چھوڑنے کی کوشش نہیں کی تو پھر میرا
خیال تھا کہ پرانے تعلقات کا لحاظ کرتے اپنے ملازم سے
میری کال کا سن کر ایک دو بار کال کرنے کی زحمت آپ
ضرور کریں گے۔ اسی امید پر یہاں آ گیا آج جب اپنے گھر
کا فون نمبر [illegible] سب کو چھوڑا تھا کہ ملازمت دوست
یہاں یاد آتا رہا۔ مجھے یقین ہے وہ اتنی کر گیا
نہیں تھا اس کے دوست کا فون آنے کا پیغام نہ پہنچائے

جانے پر کسی ملازم سے بات نہیں کی تھی شاید۔
"السلام علیکم بھابھی، کیسی ہیں آپ؟" اس نے دل
خوش ہونے کے لیے پچھتاتے ہوئے نعمان کی بیوی کو
مخاطب کیا جو چاہتی تھی اسے پہچان گئی کہ نہیں وہ
کس قدر حیرت بھرے انداز میں جواب دیا۔
"اور یہ گڑیا؟" اس نے اگلی گود میں موجود
بچی کو دیکھا۔

"اس کا نام [illegible] علینہ ہو گیا۔ تم لوگ آپ ہی کی
بھتیجی کے ہونے کی اطلاع دینے گئے تھے۔"
بے تکلفانہ انداز میں دوست کا لاف تعلق محسوس
کرتے دوست کو گیا تھا کہ اس کی اس بھتیجی سے وہ
چند دن پہلے ملا ہے تھی اور وہ اس کی اطلاعات کیا جانے
گھر سب ایک [illegible] اس وقت اپنے اس
بے تکلف اور مخلص دوست کے سامنے اس سادگی سے
ملال کو وہ کس طرح وضاحت کرتے [illegible] سوچ رہا تھا
شرمندہ [illegible] مجبوری کی کہ اپنی خلوت میں اپنے اپار
تک اسے پہنچ کر [illegible] دوست کو اسے اپنے گھر کے
دعوت دینا [illegible] کی۔ کوشش [illegible]
اس وقت بہت جلدی میں ہے [illegible] اس کے گھر آ
کے معذرت کر لے۔ دل میں سوچتے اٹھتے کر
خاموش کھڑی نعمان کی بیوی سے سلام [illegible]
وہ پہلی بار ملا ہوا تھا اور نعمان کی بیٹی علینہ کو بھی پکڑا
تھا [illegible]
سمجھ کی اس کا [illegible] جلدی دل نہیں
گا [illegible] "تم سلام [illegible]" انہوں نے [illegible]
علینہ! [illegible] تم سے [illegible] لگا
[illegible] نے بھی کی [illegible]
تمہاری طرح دوستوں کو بھلا کر اپنی زندگی میں مگن
نہیں ہو گئے۔" اسے ناراضی سے دیکھتے نعمان نے
[illegible] کے ساتھ ان کے گھر
تھا۔ وہ سب لاؤنج میں داخل ہو گئے۔ اور [illegible]
ساری صورت حال سے گھبرا گئے اور نعمان کے
سوالات کا سامنا کرنے کے لیے خود کو تیار کر
اور کوئی سکون ظاہر کر کے اس کے سوالوں جوابوں سے
کرنے لگا۔ اس کی بیٹی علینہ اس کو حیرت سے [illegible]
سال کی تھی۔ اور [illegible] سال کا تھا۔
تک بالکل خاموش تھی۔

دہلی کی کسی قریبی شادی میں شرکت کے لیے وہ لوگ پاکستان آئے ہوئے تھے اور علی ان کی بلڈنگ میں [illegible] کوئی رشتہ دار بھی تھے جن کے گھر وہ لوگ [illegible] تھے اور اس وقت واپس جا رہے تھے کہ ان لوگوں سے ملاقات ہو گئی۔

[illegible] نے اس گھر میں آنے والے ان پہلے مہمانوں کا گرم جوشی سے استقبال کیا۔ [illegible] نعمان اور اس کی بیٹی کو لے کر ڈرائنگ روم میں آیا تھا۔ حرم بھی ساتھ ہی ڈرائنگ روم میں آ گئی تھی۔

[illegible]

ہوئی واپس بیٹھ گئی تھی۔ نعمان نے [illegible] [illegible] ایک پل کو اس نے حیران [illegible] کی [illegible] بات کی اور پھر اس [illegible] بے ساختہ مسکرا دی تھی۔

پھر نعمان کے [illegible] اور اس کی [illegible] ہوئے والی بات [illegible] تھا۔ نعمان اپنی ساری [illegible] [illegible]

[illegible] چلا جا رہا ہوں۔"

وہ [illegible] اور [illegible] ساری بات [illegible] [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

"بہت بڑی ہو اشعر! اب پانچ سال بعد بیگم راحیلہ بھی تو چلیں ساتھ تمہارے۔ لیے ایک پل بھی الطاف تحفہ لے آئیں۔ بیٹھے بٹھائے تمہیں ایک عدد بھابی بھی مل گئی۔" حرم شعر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکراتے ہوئے اس کی ہنسی چھپاتے اس نے مزید غصہ دلانا چاہا۔

"سارہ!" کرسی سے اٹھتے ہوئے اس نے شدید غصے کے عالم میں کہا۔ اس بار اس کی آواز پہلے سے بلند تھی۔ غصے میں وہ یہ بھول گیا تھا کہ وہ کس کے سامنے بیٹھا ہے۔ یہ بھی کہ سارہ جان بوجھ کر اس کے غصے کو ہوا دینا چاہتی ہے۔ اس کے غصے سے لال ہوتے چہرے سے وہ خائف ہوئی اور فوراً چپ ہو گئی مگر اس نے بھی اسی صورت حال سے مزید حظ اٹھانا چاہا۔

"ڈونٹ وری۔ میں بھابی ہی نہیں بنانے کی تمہیں بلکہ میں تو صرف اس Standard کی بھابی سے بات ہوتے دیکھ رہی تھی۔"

"تم ابھی اور اسی وقت یہاں سے چلی جاؤ۔ جتنا برداشت میں کر سکتا تھا کر لیا۔ آگے اگر تم نے مزید ایک لفظ بھی کہا تو میں تمہارا لحاظ بھی بالکل نہیں کروں گا۔"

"اسا تو سے پہلے ہی چلی جاتی ہوں۔" حرم طنزیہ انداز میں بولی۔ اشعر کے غصے سے لطف لیتے اس نے استہزائیہ اور مسکراتی نگاہوں سے پہلے خود اور اس کے بعد حرم کو دیکھا۔

"اس کے جاتے ہی۔"

"ہائے آنٹی!" حرم نے بڑی تہذیب سے اپنا اشتعال دبا کر آنٹی کو ہاتھ ہلایا۔ سارہ اسی ایک پل میں وہاں سے چلی گئی تھی۔

وہ شدید غصے میں تھا اور اٹھ کر جانا چاہتا تھا مگر حرم ابھی اسے چائے کو اچھا نہیں کر رہی تھی۔

"پلیز حرم کر لیں گے بعد میں۔" اس نے حرم سے واپس چلنے کے لیے کہا تو اس نے فوراً ہی جواب دیا تھا۔ وہ بات سے بے خبر بے نیاز وہ جس کے سبب نے رہی تھی۔ اس نے سارہ کے آنے اور اس کے جانے کے بعد ہی لمحہ — بچی ہار خود کی طرف دیکھا وہ نظریں پھیرے مرکوز کے بالکل بے تاثر چہرے کے ساتھ خاموش بیٹھی ہوئی تھی۔ پھر تھوڑی دیر بعد کہیں جا کر حرم گھر جانے کے لیے تیار ہوئی تھی۔ وہ ان دونوں کو گھر چھوڑ کر فوراً واپس بھی نہیں جا سکا تھا۔ حرم اس کے لیے راضی نہیں تھی۔ اس کے بڑا اصرار کرنے کے بعد وہ اسے کافی دیر تک گھر پر روکے رکھی۔



طوفانی رفتار سے گاڑی ڈرائیو کرتے وہ گھر پہنچا تو راستے میں اتنی تیزی سے اس کی گاڑی کو لوگ کیسے تکتے رہ ہوتے تھے کہ اس کی زندہ سلامت گھر واپسی کسی معجزے سے کم نہیں تھی۔ تھوڑی دیر بعد ہی وہ گھر کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تو ممی کی سے بات کرتی ہوئی ممی نے اسے بے وقت گھر واپس آتے تعجب سے دیکھا۔

"میں کسی حیات کے بارے میں تمہاری رائے بالکل ٹھیک تھی۔ مسز ملک کے ہاں ڈنر پر دیکھا تھا اسے۔ کوٹھی میں مصروف انہوں نے بھی مسکرا کر کہا۔ اشارے سے سامنے صوفے پر بیٹھے کو کہا۔

جس رفتار سے وہ اندر داخل ہوا تھا اسی رفتار سے سیڑھیاں چڑھتا چلا گیا۔ اور اپنے کمرے کا دروازہ زور سے ایک دھماکے سے بند کیا تھا اس کی آواز نیچے تک سنی گئی۔ پریشانی میں جلدی سے فون بند کرکے وہ اس کے پیچھے اوپر گئی تھیں۔

بے طرح پریشان ہوتے انہوں نے اس کے کمرے کا دروازہ ناک کیا اندر سے کوئی آواز نہیں آئی۔ انہوں نے دوبارہ ناک کیا ساتھ آواز بھی دی۔

"سارہ! سویٹ ہارٹ کیا ہوا ہے؟ کھولو دروازہ۔" اندر سے پھر کوئی جواب نہیں آیا۔ انہوں نے دروازہ خود کھول کر اندر داخل ہونا چاہا تو وہ اندر سے لاک تھا۔

"سارہ کیا ہوا ہے؟ مجھے بتاؤ۔ پلیز دروازہ کھولو میری جان۔" عام طور پر اپنے غصے کو دبا کر اس کا اظہار اس طرح کیا نہیں کرتی تھی۔ اور اگر کوئی بات ہوتی تو بہت بڑی بات ہوتی تھی۔ بڑی طرح پریشان ہوتے وہ اس کے کمرے کے دروازے پر کھڑی رہیں۔

ماہنامہ خواتین ڈائجسٹ کے آئندہ شمارے میں

فرحت اشتیاق

ہمسفر

بصیرت حسین کو کاروباری دنیا میں اہم حیثیت حاصل ہے۔ ساری زندگی سخت محنت کے بعد انہوں نے یہ مقام حاصل کیا ہے۔ بیوی فریدہ دو بیٹیاں سمرا اور کنزیٰ اور بیٹے اشعر سے ان کا خاندان مکمل ہے۔ عمر جانے کی دھن میں انہیں یہ بھی یاد نہ رہا کہ ان کی اکلوتی بہن میمونہ احسان اور بھانجی خرد کیسی زندگی گزار رہی ہیں؟ کینسر کے آخری اسٹیج میں انتہائی بے بس ہو کر میمونہ اپنی اکلوتی بیٹی کی ذمہ داری بصیرت حسین پر ڈالتی ہیں تو انہیں شدت سے اپنی کوتاہی کا احساس ہوتا ہے۔ وہ بہن کے علاج کے لیے ہر ممکن کوشش کرتے ہیں لیکن وہ جانبر نہیں ہو پاتیں۔ مرنے سے پہلے بہن کی آخری خواہش پوری کرنے کے لیے وہ اپنے اکلوتے بیٹے اشعر کی شادی خرد احسان سے کر دیتے ہیں۔

اشعر اعلا سوسائٹی کا پروردہ ایک تعلیم یافتہ نوجوان ہے جسے والدین خصوصاً والد کی اچھی تربیت نے بگڑنے نہیں دیا۔ ماں (فریدہ) کی اپنی دنیا ہے۔ وہ اپنی ایک ایلیٹ کلاس کی اچھائی ہیں۔ بچوں اور دوستوں کے انتخاب میں بھی اشعر معیار کو ترجیح دیتا ہے۔ اس کی دونوں بہنیں شادی کے بعد اپنی دنیا میں مگن ہیں۔ اشعر امریکا سے بزنس کی ڈگری حاصل کر کے بصیرت حسین کے کاروبار میں ہاتھ بٹاتا ہے۔ اس کی ہمیشہ سے خواہش رہی ہے کہ وہ ایک پڑھی لکھی لڑکی سے شادی کرے جو اسے بھی کچھ عزیز رکھ سکے۔

مکمل ناول



"آپ کیا چاہتی ہیں نرس؟"
"ڈاکٹر... ڈاکٹر!" اس نے اپنے کھلونے کا اسٹیتھو اسکوپ کانوں سے لگاتے ہوئے سنجیدگی سے جواب دیا۔ اس کے سامنے صوفے پر اس کی گڑیا لیٹی ہوئی تھی۔ اس کے کھیل اب وقت کے ساتھ بدلنے لگے تھے اس لیے گڑیا اور گڈے کے بجائے وہ اس کے پاس بیٹھ گیا۔ خود گڑیا بھی ... کی ہوا اپنے کھیل میں پوری طرح مگن اور مصروف تھی۔
"نرس بلڈ پریشر چیک کرو۔" اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا جو سوچا سمجھا بخار دیکھ رہی تھی۔
"اچھا جی ڈاکٹر! ... اور آپ؟"
"اور میں دیکھتا ہوں آپ کی carrier کی طرح ایک ... ہوں گا تاکہ آپ علاج کریں گی۔ سوئیٹ گرل کیا آپ مجھے یہ بتا پائیں گی کہ ہر جگہ میں کیا آپ ... کیوں ہوتا ہے؟"
play کی ڈاکٹر اور اس کی ... آج بھی ... آ گئی ... اس کی ... سے ... ہونے ... اس نے اسے ... خود خاموشی سے ... ان دونوں کی باتیں سن رہی تھی۔ وہ اس وقت بھی اسے ... تھی ... محسوس ہو رہی تھی ... مسز ڈاکٹر انصاری کے بارے میں ... وقت ... تھی۔
"پاپا کیم شہباز کریں نا!" حریم نے اس سے کہا اور مسکرا دیا۔ وہ اس کے بالکل سامنے صوفے پر ہی آ کر بیٹھ گیا۔ چلتے ہوئے اس نے اس کے منہ میں ڈال کر اس کا ... تھا۔ اس کے بعد ... ایک ... پایا تھا۔
"لیجئے لمبے سانس لیں (بچے)۔" وہ اسٹیتھو اسکوپ اس کے سینے پر رکھ کر بولی۔ اس کا ... اسے فارغ ہو کر وہ ... چیز ... اسے ... اس کی ... اس کی ... لگی رہی تھی۔
"آپ کا ہارٹ ... ہے۔ آپ کو ... ابھی نہیں ہے۔ کیا آپ ... نہیں ہے ... کرتے۔"
وہ ... معصومیت اور سادگی ... کسی ڈاکٹر کے اپنے ... کے لیے ... اس کی اس معصومیت نے اس کے ... کو ... مسکرانے ... اس کے لیے بہت ... ثابت ہوا تھا۔ تو ایک دم ہی ان دونوں کے پاس سے اٹھی تھی۔ اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا جس کے ... جانے کا انداز ...

آنسوؤں پر قابو نہیں رکھ پائی ہے ... اندر کسی کمرے میں جا کر رو رہی ہے۔
"آپ کو انجکشن لگے گا، تھوڑی سی تکلیف ہو گی۔ ... نہیں ہے۔" اس کی معصومیت نے اس کے دل کو ... کر دیا ہے ... وہ بے خبر اور انجان ... جاتی کی تھی۔ وہ خاموشی سے اس سے انجکشن لگوا لے گا۔
کھانے کے لیے جب اس نے ... سے کہہ کر خود کو بلوایا تو اس کا اترا ہوا چہرہ دیکھتے ہوئے ... اندازہ لگانا ہرگز مشکل نہ تھا کہ وہ کمرے میں سارا وقت روتی رہی ہے۔ کھانے کے لیے حریم کے برابر بیٹھ کر اس کے منہ میں اپنے ہاتھ سے نوالے ڈالتے وہ خود کو بھی ... کی تھی۔ وہ دل ہی دل میں ... کر رہی تھی ... حریم کو آج بھی ... کھانی تھی اس لیے وہ خاموشی سے حریم کے پاس لیٹ گیا اور ... اس کے برابر بیٹھ کر اس کے بالوں میں انگلیاں چلاتی ایک ... کہانی سنانے لگی۔
حریم کے ... تک جانے سے وہاں سے ... قریب ... شاید وہ محسوس کر رہی تھی۔ اس کی ... مکمل طور پر ... حریم سو چکی تھی اور وہ دونوں جاگ رہے تھے۔ دونوں کے چہرے حریم کی طرف تھے۔ دونوں کی نگاہیں حریم پر مرکوز تھیں۔ ایک دوسرے سے شدید نفرت کرنے والے ... اس وقت ایک ہی بات سوچ رہے تھے۔ ایک ہی چہرے کو دیکھ رہے تھے۔ ایک ہی فکر میں الجھے تھے۔ ایک ہی کرب میں مبتلا تھے۔ ایک ہی ... رہے تھے ... ایک دوسرے کی ... سمت میں چلنے والے ... کی زندگی اس وقت ایک ہی مقام اور ایک ہی جگہ پر ... کیسی عجیب سی بات تھی ... ایک دوسرے سے شدید نفرت تھی اور حیات کا مقصد ایک ہی تھا ... کی وجہ ایک ہی تھی ... زندگی کا محور ایک ہی تھا۔ حریم حسین! حریم حسین اور صرف حریم حسین۔
حریم کے ... پر ہاتھ رکھے اس کی دھڑکنوں کو محسوس کرتی وہ ... اطمینان پانا چاہتی تھی کہ اس کی بچی ... رفتار سے دھڑک رہا ہے اور وہ ... بھی ... چہرے کے قریب اپنا چہرہ کیے ... اس کی سانسوں کو محسوس کر رہا تھا۔ ... اس کی سانسوں کے ہموار ہونے کے یقین حاصل کیے رکھنا چاہتا تھا ... حریم کی

دھڑکنوں اور سانسوں سے اطمینان پاتے وہ دونوں کب سو گئے انہیں خود معلوم نہیں تھا۔

۞ ۞ ۞

وہ کچن میں تھی جب اس نے اپنے موبائل کی رنگ ٹون سنی۔ وہ تیزی سے کمرے میں آئی اور سائیڈ ٹیبل پر پڑا اپنا موبائل اٹھایا۔ ... کا نام دیکھتے ہی اس نے فوراً ... ریسیو کر لیا۔ اسے آپریشن ... پچھلے تمام ... میں ایک اس دوست ... انجانی نہیں تھا ... نے بھی اس تمام عرصے میں اس سے کوئی رابطہ نہیں کیا تھا۔ اس نے ... بچی ... کے لیے ... اسے ... تھی ... انجکشن کا کوئی ... تھا ... جاب کے حوالے سے اسے کوئی ... اطمینان ... نہیں ... پہلے وہ ... اسے ... بہت ساری باتیں ... جائے گا۔ اچھا ... کرنے کے بعد ... اس کو ... میں ... بہت ... بہت سوچ رہی تھی۔
"... اور تمہاری ... سب ٹھیک ہیں؟" سب سے پہلے اس نے اس کی خیریت دریافت کی تھی۔
"... سب ٹھیک ہے؟"
"ہاں ابھی تمہاری ... کی ... ہوئی ہے۔"
"... جاب پر ... بالکل ... ہوں۔" ... کے سوال کا ... سے جواب دیتے ... اس سوال پر ... کر چپ ہو گئی۔
"... حریم ...؟"
"... آج ... مجھے ... کہ بات کچھ ... سمجھ ... ہوں۔" ... کے کچھ کہنے سے قبل اس نے ... کہا۔
... صاحب نے تمہیں ... کر چپ ... شاید ... دوست کو ... کی اس کی ہمت ... رہی تھی۔
"... نے مجھے جاب سے ... دیا۔" اس نے ... اس کا جملہ مکمل کر دیا۔ ... جواب میں بالکل چپ رہ گئی ... کی ... اپنے ... سوال کا ... جواب ... گئی۔ ... خاموشی کے بعد ... اپنے اندر کچھ ... کر کے اسے ساری بات بتانے لگی۔ جب ... ساری ... کچھ بھی چھپانے کا کوئی فائدہ نہیں



زندگیوں میں بھی نہیں پہنچ سکی مگر اس کی رسائی وہاں تک ہے "جہاں آپ کی بیٹی اتنی سو زندگیوں میں بھی نہیں پہنچ سکتی۔" اس نے نفسے سے سامنے کھڑی ملامت بنی اور چیز تم ہیں بھی اٹھا کر زور سے دیوار پر مارا۔ زرینہ خاموشی سے ... دیکھ رہی تھیں۔

"اور گھر کی لڑکی آئے گی۔ کبھی اپنے ساتھ بٹھانا پسند نہ کروں گی۔" وہ اس شخص کے بیٹے جس اس کی بیوی کی حیثیت سے پھر رہی ہے جس نے مجھے کبھی اپنے برابر کھڑا گوارا نہیں کیا۔ اس لڑکے کی معمولی لڑکی سے میں ساجدہ اجمل اپنا موازنہ کروں گی اور مقابلہ کروں گی ہوں اور اس مقابلے میں وہ ساجدہ اجمل کی ذات رتی بھی ہوتی لگتی ہے جبکہ ساجدہ اجمل کی رسائی نہ ہوتی ہے نہ کبھی ہو سکتی ہے۔" وہ نفرت اور حقارت سے چلا رہی تھی زور زور سے بول رہی تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بھی ابل آئے تھے۔

"پھر کچھ ہوا تھا اس کے بعد یہ کس طرح ہو سکتا ہے؟ اتنی شدید نفرت کے بعد اشعر ایسا کس طرح کر سکتا ہے؟" زرینہ نے جیسے خود کلامی کی۔

"ایسا ہو چکا ہے۔ اشعر حسین سب کی آنکھوں میں دھول جھونک کر اس شہر میں ... اپنی بیوی اور بچی کو لے کر گھوم رہا ہے۔ وہ نہ صرف اپنی حیثیت ... اپنی بیٹی کی حیثیت بھی اس سے ... معصوم اور بھولا بھالا بن کر ... طرح قائل کیا جا رہا ہے ... "معمولی لڑکی" ... پہلے سے بھی زیادہ بلند آواز ... شدت سے چیخ کر رو رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

اشعر نے اس کی شادی ہو سکتی والی ... نہیں سنی تھی۔ اسے اندازہ نہیں ہو رہا تھا۔ پہلے لگا کہ شاید وہ کل رات سے ... وقت اس ... ایک ... آواز ...

اسے دل کی ... باتیں وہ الجھن سے کہہ گئی تھی۔ دل کہہ رہا تھا ابھی نہیں ... کہ اس کے دل کا ... "اس کی کمزوری" اس کی سوچیں اشعر حسین جان جائے گا اس کے تاثرات سے ... وہ بھی جانتی تھی کہ اس شخص کو اپنے چہرے کے تاثرات چھپا کر رکھنے میں کمال درجہ مہارت حاصل ہے پھر بھی وہ دعا کر رہی تھی کہ ... اشعر نے ... رات ... حریم ... بیٹھی ... لگ رہی تھی۔

کل صبح آٹھ بجے تک انہیں ہاسپٹل پہنچنا تھا ... جلدی ... حریم کو ہاسپٹل ... اشعر ... کے برابر میں آ کر بیٹھ گیا۔

"تم نے حریم کو کل ہاسپٹل جانے کا بتایا؟" بہت آہستہ آواز میں اشعر نے اس سے پوچھا۔

"نہیں۔" اشعر کی طرف دیکھے بغیر اس نے بھی آہستگی سے جواب دیا۔ ... حریم سے اس کی بیماری کے متعلق ...

اگر ابھی وہ دونوں اسے ... سمجھا دیں کہ ...

اشعر اس کے پاس سے اٹھ کر دوبارہ حریم کے بالکل پاس جا کر بیٹھ گیا۔ ... مصروف ہو گئی۔

"پاپا! ... اچھی لگ رہی ہے؟"

"... اچھی نہیں لگ رہی ... اچھی ہے۔" اس نے اسے اپنی گود میں اٹھا کر بٹھا لیا اور ... اس کے گالوں ...

پیار کیا۔ اس کے گرد محبت سے اپنے دونوں ہاتھ لپیٹ لیے۔

"پاپا! حریم کو فکر کیا ہے۔" اس نے اس کی گود سے اترنے کی کوشش کی۔

"فکر تک ابھی ... ایک رات ... ہے۔" اس نے حریم کا چہرہ اپنی طرف کرتے ہوئے کہا۔

"پرنسس! آپ کو ڈاکٹر انکل کیسے لگتے ہیں؟"

"اچھے۔" اس نے معصومانہ سنجیدگی سے یک لفظی جواب دیا۔

"تو آپ کے اچھے والے ڈاکٹر انکل نے کہا ہے کہ حریم کو میرے پاس ہاسپٹل میں ایڈمٹ کروا دو۔ میں اس کا اتنا اچھا علاج کروں گا ... حریم ... ٹھیک ہو جائے گی پھر حریم کو کوئی ... بھی منع نہیں کرے گا ... پارک میں جھولے پر بیٹھنے سے بھی منع نہیں کرے گا۔ اور پاپا حریم کو اسکول بھی جانے دیں گے۔ ... آئس کریم ... حریم کا دل چاہے گا اتنی کھانے دوں گا۔" حریم کی طرف غور سے دیکھتے وہ ... آسان لفظوں میں بات اسے سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"حریم کو اسکول جانا ہے ..." اس کے ... جواب دیا۔

"تو پھر آپ کو ڈاکٹر انکل کی بات مان کر کل اسپتال میں ایڈمٹ ہونا ہو گا۔"

"ایڈمٹ کیا ہوتا ہے؟" ... اس نے معصومیت سے پوچھا۔

"ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہونا ... کہ آپ کو تھوڑے دنوں تک جب تک ڈاکٹر انکل کہیں گے اس وقت تک ہاسپٹل میں ہی رہنا ہو گا۔ رات میں بھی وہیں ... پاپا ... حریم کے پاس ... " ... وہ اٹھ کر حریم اور اشعر کے پاس ... آ کر بیٹھ گئی۔

"... اپنے کچھ Toys ... لے جا سکتی ہے۔ ڈاکٹر انکل نے ... Annie کو بھی ساتھ لا سکتی ہے۔ حریم کا دل چاہے گا وہاں اپنے Toys سے بھی کھیل سکے گی۔ ڈرائنگ بھی کر سکے گی اور حریم کے روم میں ٹی وی بھی ہو گا۔ اگر حریم کا دل چاہے گا تو حریم ... کارٹون بھی دیکھ سکے گی۔" اس نے حریم کے ماتھے پر بکھرے بالوں کو پیار سے سنوارتے ہوئے رسانیت سے اسے سمجھایا۔ حریم ابھی بھی اشعر کی گود میں تھی اور اس کے قریب آ کر بیٹھنے سے وہ اشعر کے ... قریب آ گئی ہے۔ اسے اس وقت یہ احساس قطعاً نہیں ... ان دونوں ... صرف ... حریم ... اشعر ... اس تک نہیں پہنچ رہا تھا ... صرف حریم ...

اس نے جھک کر حریم کے چہرے کو دونوں ہاتھوں میں لیا۔ اسے پیار کیا۔

"ہاسپٹل میں اچھے بچوں کی طرح رہو گی نا۔" آنسوؤں کو روکنے کی کوشش میں اس کی آواز کچھ بھاری سی ہو گئی تھی۔ مسکرا کر حریم کو دیکھتے وہ اس کے سامنے بالکل بھی نہیں رونا چاہتی تھی۔

"پرنسس! آپ کے پاپا بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ بس آپ نے کچھ دن ہی تو ہاسپٹل میں رہنا ہے۔ ڈاکٹر انکل کی ساری باتیں ماننی ہیں ... اچھے بچوں کی طرح ... ڈاکٹر انکل کو بھی تو پتا چلے کہ پاپا کی پرنسس کتنی بہادر ہے۔" اشعر نے حریم کے گرد اپنے بازوؤں کو ... سے جکڑ کر اسے ... قریب کر لیا۔

"پھر گھر کب آئیں گے پاپا؟" اس کے چہرے پر ابھی بھی کچھ الجھن سی تھی۔

"بہت جلدی ... بہت جلدی اور وہاں سے ... پرنسس بالکل ٹھیک ہو کر آئے گی پھر کوئی ... اسکول جانے ... آئس کریم کھانے سے بھی پرنسس کو کوئی ... منع نہیں کرے گا۔" اشعر کے ... اس نے سر ... اثبات میں ہلا دیا۔

☆ ☆ ☆

حریم کے چہرے کو بھی نظر بھی محبت سے تکتے ہوئے جانے

کس وقت اس کی آنکھ لگ گئی تھی۔ کمرے میں کوئی شور شرابا نہیں تھا پھر بھی نہ جانے کس چیز نے اسے گہری نیند سے جگا دیا تھا۔ آنکھ کھلتے ہی سب سے پہلے اس نے اپنے ہاتھ پر سر رکھ کر سوئی ہوئی حریم کو دیکھا۔ وہ بالکل بے فکری والی گہری نیند سوتی نظر آ رہی تھی۔ اس کی سانسیں اس کے دل کی دھڑکنیں سب کچھ بالکل نارمل تھا۔ پچھلے کئی دنوں سے وہ رات میں یونہی گہری نیند سے بیدار ہوتا اور حریم کے سینے پر ہاتھ رکھ کر اس کی دھڑکنوں کو محسوس کیا کرتا تھا۔ اس کی سانسوں کے زیر و بم کو دیکھا کرتا تھا۔ حریم کو پرسکون سوتا دیکھ کر اس نے اس کے برابر والی جگہ پر دیکھا۔ وہ جگہ خالی تھی۔ [illegible] وہاں نہیں تھی۔ کمرے میں [illegible] اس نے ڈرائنگ روم کی طرف دیکھا۔ اس کی لائٹ آف تھی۔ شاید وہ باتھ روم میں [illegible] گھڑی پر نظر ڈالی تو [illegible] رات کے تین بج رہے تھے۔ [illegible] کمرے میں واپس نہیں آئی تب حریم کا سر بہت آہستگی سے اپنے بازو سے ہٹا کر وہ بیڈ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

کمرے سے وہ بے آواز [illegible] آہستہ سے [illegible] وہ باہر نکلا۔ پورے لاؤنج میں اندھیرے اور خاموشی کا راج تھا۔ کہیں کوئی آہٹ کوئی آواز [illegible] نہیں تھی۔ لاؤنج میں ذرا آگے بڑھتے ہی اسے کسی کی ہلکی ہلکی سسکیاں سنائی دیں۔ یوں لگا کہ کوئی گھٹ گھٹ کر رو رہا ہے۔ یہ آواز ڈرائنگ روم سے آ رہی تھی۔ وہ آہستگی سے چلتا ہوا ڈرائنگ روم کے کھلے دروازے پر آ کر رک گیا۔ [illegible] سفید چادر لپیٹے جائے نماز بچھائے سجدے میں [illegible] اس کی سسکیوں کی آواز بہت مدھم بہت ہلکی تھی کہ رات کی اس گہری خاموشی میں [illegible] دروازے تک سنائی دے رہی تھی۔ وہ سسک سسک کر [illegible] وہ دہیں دروازے پر کھڑا [illegible] خاموشی سے [illegible] سجدہ [illegible] کیفیت میں [illegible] کمرے میں آکر حریم کے برابر لیٹ [illegible] حریم کو دیکھ رہا تھا [illegible] اسے تو معلوم نہیں تھا۔

✿ ✿ ✿

حریم کے ہوسپٹل جا کر [illegible] ہونے تھے جن کے لیے اسے [illegible] ان ٹیسٹوں کے بعد ہی اسے [illegible] کہ وہ بچی کو اپنے ہاتھوں [illegible] کرانے اس کی [illegible] جا کر جلدی سے [illegible] ان تمام کاموں سے فارغ ہونے کے بعد اس نے حریم کو [illegible]

اس کو [illegible] Annie [illegible] اور [illegible] اس لیے حریم اس کے [illegible] وہ اپنی [illegible] تھی [illegible] اسے [illegible] اس کے لیے [illegible]

ڈاکٹر انصاری نے انہیں بتایا تھا کہ سرجری کے [illegible] ہاسپٹل میں [illegible] کے بعد اس کا [illegible] اور [illegible] ہو گئے۔

[illegible] اشعر نے اس سے پوچھا۔ [illegible] حریم کے [illegible] سوال کے جواب میں [illegible] اشعر نے حریم کو گود میں اٹھایا [illegible] اپنے دل کی تمام [illegible]

"[illegible] اس وقت میں [illegible] سے [illegible] حریم کو [illegible] آنکھوں کو یہ منظر [illegible]"

✿ ✿ ✿

[illegible] اپنی گاڑی کے پاس [illegible] حریم نے [illegible] اس سے [illegible] کیے بغیر وہ اسے گود میں اٹھائے [illegible] سے باہر لے گیا۔ وہ حریم کو

اس کی پشت کے [illegible] کر واپس آیا تو [illegible] اپنی گاڑی سے [illegible] کھڑی نظر آئی۔ [illegible] کے ساتھ ہی [illegible] سنبھلی اور [illegible] کے [illegible] نظر آ گئے تھے [illegible] بالکل [illegible] لڑکی [illegible] کھڑے تھے۔ وہ [illegible] گاڑی [illegible] اور وہ انہیں [illegible]

اپنے [illegible] اس نے [illegible] جانے اپنی گاڑی کی طرف آنے کے [illegible] سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔ اس کے [illegible]

"[illegible] تم [illegible]" ان میں سے ایک [illegible] کے وہ [illegible] گاڑی کے [illegible]

"[illegible] تم لوگوں [illegible]" [illegible] انہیں [illegible] سے [illegible] اس کی آنکھوں میں [illegible]

✿ ✿ ✿

گاڑی ہاسپٹل کے احاطے میں آ کر رک چکی تھی۔ [illegible] کے ایک [illegible] علاقے میں [illegible] کے علاج کے لیے [illegible] اس ہاسپٹل کی شہرت [illegible] ultrasound اور [illegible] Interm [illegible]

Pre-operative day [illegible] آج حریم [illegible] ہاسپٹل [illegible]

حریم [illegible] کی کسی [illegible] سے [illegible] آرام وہ اور تمام سہولیات سے آراستہ روم میں وہ بیڈ پر [illegible]

[illegible] ڈاکٹر انصاری حریم کے روم میں آئے۔ حریم کے ساتھ [illegible] ڈاکٹر انصاری نے اس کا معائنہ کیا۔ اپنے ساتھ [illegible] ڈاکٹر کو آج تمام [illegible] حریم کی observation کے حوالے سے [illegible] ہدایات دیں اور اشعر کو بھی [illegible] ڈاکٹر سفیان [illegible] جو حریم کی سرجری کے دوران anesthesia ٹیم کو لیڈ کریں گے۔

ڈاکٹر سفیان [illegible] ان کے جانے کے آدھے گھنٹے بعد حریم کے روم میں آ گئے۔

[illegible] کے بعد انہوں نے اشعر اور [illegible] سے حریم کی [illegible] اور [illegible] کے متعلق کچھ [illegible]

ڈاکٹر انصاری سے تو وہ پہلے ہی [illegible] تھی اور [illegible] اس کے چہرے سے ظاہر ہو رہی تھی۔ کل [illegible] حریم کی سرجری تھی اور ڈاکٹر [illegible] حریم کے روم سے نکلنے سے پہلے ان لوگوں کو [illegible] حریم کو آج رات [illegible] کے بعد [illegible]

✿ ✿ ✿

حریم [illegible] سے [illegible] میں [illegible] مصروف [illegible] اپنے [illegible] کے [illegible] آج [illegible] اس لیے [illegible]

[illegible] کے جانے کے [illegible] اشعر [illegible]

اشعر [illegible] حریم کو [illegible]

خاموشی سے سامنے رکھے صوفے پر بیٹھ گیا وہ حریم کے پاس سے جھجک سے اٹھ کر اس کے پاس آ بیٹھی تھی۔

"آپ کی ڈاکٹر انصاری سے بات ہوئی؟ انھوں نے کہا تھا حریم کی سرجری میں کوئی خطرہ نہیں۔ اس میں ایک فیصد سے بھی کم رسک ہے کیا آپ بھی یہی کہہ رہے ہیں اور یہ آپریشن کتنے گھنٹوں تک ہوگا اور آپریشن کے بعد جب حریم کو ہوش آئے گا تو کیا اسے بہت زیادہ تکلیف ہوگی؟" اسے یہ سب کہتے ہوئے اپنی آواز کہیں دور سے آتی محسوس ہو رہی تھی۔

وہ خوف و ہراس چہرے پہ لیے اشعر کو دیکھ رہی تھی۔ پریشانی اور ٹینشن تو اس کے چہرے پر بھی پھیلی تھی وہ تسلی آمیز لہجے میں بولا۔

"ہاں ڈاکٹر انصاری سے میں ملا ہوں [illegible] وہ آپریشن کی کامیابی کے بارے میں بہت زیادہ پرامید ہیں۔ تم بھی دعا کرو اور فکر کرنے کی ہرگز کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ان شاء اللہ آپریشن پوری طرح کامیاب ہوگا [illegible] مگر اتنا نہیں جو برداشت سے باہر ہو [illegible] زیادہ سے زیادہ وقت نیند میں رکھا جائے گا۔" وہ حریم کو دیکھتے ہوئے اس سے بات کر رہا تھا۔

چند سیکنڈ وہ دونوں ہی خاموشی سے اپنی بے خبر سوئی بیٹی کو دیکھتے رہے۔

"ہمیں حریم کو تھوڑا بہت کچھ تو سمجھانا چاہیے۔ آپریشن کیا ہوتا ہے اور اس کی [illegible] یہ سب وہ ابھی بالکل نہیں سمجھ سکتی۔

مگر جب وہ ہوش میں آئے گی تب تو اسے محسوس ہو جائے گا کہ اس کے ساتھ کچھ ہوا ہے۔ [illegible] تکلیف اور بے چینی بھی محسوس ہوگی۔ ہمیں اسے اس آپریشن کے لیے ابھی سے ذہنی طور پر تیار کرنے کی ضرورت ہے۔" وہ اب اس کی طرف دیکھ کر بول رہا تھا۔ حریم کی اب تک کی مختصر سی زندگی کے اس سب سے مشکل دور سے [illegible] ایک مرتبہ پھر [illegible]

[illegible]

تھوڑی دیر بعد اس نے اس کے اور اپنے درمیان [illegible]

"تھکا تھکا سا [illegible]" اس نے اس سے کہا۔ اسے کھانے پینے کسی چیز کی کوئی خواہش نہیں ہو رہی تھی۔

"مجھے بھوک نہیں لگ رہی۔" حریم کی طرف [illegible] توجہ سے دیکھے بغیر اس نے جواب دیا۔ [illegible] کھانے کے لیے [illegible] اشعر نے [illegible] تھوڑی دیر میں حریم سو کر اٹھ گئی تھی۔ اس نے اٹھ کر حریم کے لیے ایک گلاس میں [illegible] اور اسے [illegible] سوچتے ہوئے کہ اسے آسان لفظوں میں کس طرح ساری بات سمجھائے۔

"حریم ڈاکٹر انکل نے کہا ہے کہ حریم بالکل ٹھیک ہو جائے [illegible] کھانا پڑے گا [illegible] جیسے حریم کا تھوڑا سا علاج کیا جائے گا۔" حریم کے بالوں کو پیار سے سنوارتے اس نے کہا۔

"اس علاج کے لیے حریم کو ایک آپریشن روم میں جانا پڑے گا۔ وہاں ڈاکٹر انکل ہوں گے [illegible] بھی وہاں حریم کے پاس ہی ہوں گے [illegible] اس روم میں حریم کے ساتھ سارا وقت [illegible] رہیں گے۔"

حریم نے حیرت سے [illegible] کے سبب [illegible] حیرانی سے اس کا چہرہ دیکھتی معصومیت سے بولی۔

"حریم وہاں اکیلی سو جائے گی؟" [illegible] اشعر کی طرف دیکھا۔

[illegible] نہیں وہاں بہت اچھی بہت [illegible] آنٹیاں ہوں گی جو حریم کا بہت زیادہ خیال رکھیں گی۔ [illegible] ڈاکٹر انکل ہوں گے۔ [illegible] حریم کا خوب خیال رکھیں گے اور مما پاپا بھی اس روم کے باہر حریم کے بالکل پاس ہی ہوں گے۔ [illegible] اس کے پاس آ جائیں [illegible] بلائے گی۔ [illegible] بغیر سمجھ [illegible] پیار سے اسے سمجھایا تھا۔ حریم کے چہرے پر الجھن اور کچھ پریشانی [illegible] پاپا [illegible] رات میں [illegible] مما پاپا کے بغیر رات میں اکیلے [illegible] کے [illegible] کو اور [illegible] بات سے ہرگز خوش نہیں تھی مگر مجبوری [illegible]

بند ہونے کی بات کہہ دی تھی اور وہ خود کو بے حال میں [illegible] جانا چاہتی تھی اس لیے مجبوری کے [illegible] اقرار میں [illegible]

☼ ☼ ☼

شام کے چھ بج رہے تھے اور [illegible] آ رہے تھے۔ خود [illegible] میں تھی اور وہ حریم کے ساتھ بیٹھا باتیں کر رہا تھا۔ جب ان کے [illegible] سے دستک دے کر ایک خاتون اندر آئیں۔ [illegible] انھیں بالکل بھی نہیں پہچان [illegible] حریم نے بڑی نرم خوشی سے انھیں سلام کیا اور ساتھ ہی کسی [illegible] کا نام پوچھا۔

"[illegible] نہیں آئیں؟"

[illegible] کی جگہ [illegible] کر رہی ہیں ان کے [illegible] اس لیے [illegible] حریم کے قریب آ کر اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے انھوں نے مسکرا کر جواب [illegible] کے پاس حریم اور خود اس کے ساتھ [illegible] رہی تھیں۔

دونوں سے [illegible] اور [illegible] سے ملیں۔

"آپ بیٹھیے۔ [illegible] روم میں ہے۔"

[illegible] نماز کے لیے [illegible] انھیں سامنے بیٹھ [illegible] ان کی سمت بڑھ گیا۔

"آپ کو [illegible] کرنے کی ضرورت تھی [illegible] حریم کی [illegible]" وہ ان کے [illegible]

"[illegible] میں اور تم میں کوئی فرق نہیں ہے میرے لیے۔ [illegible] زحمت [illegible] میرے ساتھ [illegible]"

"[illegible] آپ کے [illegible] کی وجہ سے [illegible] ان کے ساتھ [illegible] اتنی محبت [illegible] حریم کے پاس [illegible] محبت [illegible] رات کے [illegible] ان کے ساتھ [illegible] حریم کی عیادت کے لیے آنے پر اس نے [illegible] کا شکریہ بھی ادا کیا تھا۔

☼ ☼ ☼

ڈاکٹر یوسف نے آ کر حریم کا تفصیلی چیک اپ کیا تھا۔ اس نے نرس کو حریم کو کوئی میڈیسن دینے کو کہا تھا وہ اور اشعر دونوں حریم کے بالکل پاس کھڑے تھے۔ [illegible] حریم کو [illegible] تھا [illegible] مسکرا رہی تھی اور [illegible] آنسوؤں کو پیتی حریم سے [illegible] باتیں کر رہی تھی۔ اس نے اپنا ہاتھ حریم کی پیشانی پر رکھا ہوا تھا [illegible] اس کی بھولی بھالی اور معصوم [illegible] سے چلے جانا تھا [illegible] حریم [illegible] آپریشن تھیٹر لے جایا جانا تھا۔ حریم اپنی [illegible] آنکھیں بند ہونے سے روک رہی تھی۔ [illegible] مسکراتے ہوئے [illegible] پوری [illegible] اس کی آنکھیں بند ہوتی جا رہی تھیں۔ اس نے [illegible] بیٹی کی [illegible] آپریشن تھیٹر لے جانے کی تیاری ہونے لگی [illegible]

[illegible]

☼ ☼ ☼

حریم کو آپریشن تھیٹر میں لے جایا جا چکا تھا اور وہ دونوں [illegible] کھڑے تھے۔

اشعر نے اسے کندھے سے پکڑ کر بینچ پر بٹھایا تھا اور خود بھی اس کے ساتھ بیٹھ گیا تھا۔ [illegible] اپنے دل اپنے دماغ اور اپنی سوچوں کو اس وقت صرف اور صرف [illegible] رکھنا چاہتی تھی مگر پھر بھی

ہزار رو جانے کے باوجود بھی اسے دو روز کی مہلت دینی تھی جانتا تھا کہ اگر اس وقت حرم کے ساتھ کیا ہوا ہوگا۔
ڈاکٹر انصاری نے سرجری کا جو تمام تر پروسیجر انہیں تفصیل سے سمجھایا تھا۔ وقوف اور اداسی سے کانپ رہی تھی۔ وہ [illegible] صرف ملازموں پر رکھتے آتی تھی مگر اس کے ذہن میں آپریشن روم کے اندر کا تصور اور منظر مسلسل آنکھوں کے آگے چلا جا رہا تھا۔

"حرم ٹھیک ہو جائے گی نا؟" آپریشن روم کے دروازے کے منظر سے پیچھا چھڑا کر اس نے اشعر کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو اس تیزی سے گر رہے تھے کہ وہ بہت صدمے میں نظر آیا۔

"ہاں انشاء اللہ ہماری بچی بالکل ٹھیک ہو جائے گی۔" وہ اپنے ہاتھ سے اس کے چہرے پر گرتے آنسوؤں کو صاف کر کے تسلی سے بولا۔ وہ یک دم ہی اس کے کندھے پر سر رکھ کر رو پڑی۔

"اگر حرم کو کچھ ہو گیا تو میں کیسے زندہ رہوں گی؟ وہ ابھی تو اتنی چھوٹی ہے۔ میری بچی ابھی تو اس نے زندگی میں کچھ بھی نہیں دیکھا۔ اس کی بیماری کی وجہ سے ہی مجھ سے اتنی محبت نہیں کر پائی تھی۔ [illegible] وہ بالکل باپ کی بیٹی ہے۔ اس کے بیچ امریکہ سے ہو کر آئے تھے۔" وہ اس کے کندھے پر سر رکھ کر روتے ہوئے بول رہی تھی۔

"ہماری بچی انشاء اللہ بالکل ٹھیک ہو جائے گی۔ وہ دنیا کی [illegible] دیکھے گی۔" اشعر کی بھرائی ہوئی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

اس کے کندھے پر سے سر اٹھا کر اس نے اسے دیکھا۔ اس نے بہت ضبط سے آنسوؤں کو روک رکھا تھا۔

"تم نے پھولوں کے جو بیج گملے میں ڈالے تھے وہ ابھی اس میں پھول نہیں کھلے؟" اس کی ذہنی رو بھٹک کر کسی اور سمت چلی گئی۔

"نہیں ابھی تھوڑے دن لگیں گے۔" اس نے رسانیت سے اس کے سوال کا جواب دیا۔ "جب اس میں پھول کھلیں گے تب حرم ہوگی نا پہلی ان پھولوں کو دیکھنے کے لیے۔"

"ہاں جب پھول کھلیں گے تب حرم ہمارے ساتھ ضرور ہوگی انشاء اللہ۔" اس کے سوالات شاید اسے

حیران نہیں کر رہے تھے۔ شاید وہ خود بھی اندر ہی اندر ہر اس ٹوٹ جانے والی بات کو سوچ رہا تھا جنہیں حرم نے اپنی زندگی میں آکر پورا کیا تھا۔

آپریشن شروع ہونے کے بعد تین چار گھنٹوں تک تو وہ کسی نہ کسی طرح خود کو سنبھالے رہی مگر اب [illegible] گزرتا ہوا لمحہ [illegible] ہو رہا تھا۔ [illegible] زندگی اور موت کا فیصلہ کرنے والے سخت ترین لمحات تھے۔ [illegible] آپریشن تھیٹر کی لائٹ کا [illegible] دیکھ کر وہ بے قراری سے رو دی تھی۔

☆ ☆ ☆

پورے پانچ گھنٹے اور [illegible] منٹ بعد انہیں یہ خوش خبری ملی تھی کہ حرم کے دل کا نقص ٹھیک کر دیا گیا ہے۔ بالکل [illegible] آپریشن کامیابی سے ہو گیا اور اب حرم کافی حد تک [illegible] بہتر [illegible] کر لیا ہے۔

یہ اتنی بڑی خوش خبری تھی کہ [illegible] کے بعد خوشی اور شکر کے [illegible] آنکھوں سے دو آنسو ٹپک گئے۔

"[illegible]" اشعر نے پوچھا۔

"[illegible] اللہ نے [illegible] رحم کیا ہے۔ [illegible]" کہتے ہوئے اس نے اشعر سے کہا۔ [illegible] ڈاکٹر انصاری آپریشن تھیٹر والے کوریڈور سے [illegible] ہاتھ والے [illegible] کی طرف مڑتے دیکھا۔ [illegible] آپریشن تھیٹر سے آرہے تھے [illegible] انہیں اپنے پاس آتا دیکھ کر مسکراتے ہوئے رک گئے۔

"خوش خبری تو [illegible] آپ کو مل گئی ہوگی۔ بیٹی کی نئی زندگی آپ کو بہت مبارک ہو۔"

وہ بھی اسی وقت ان کے پاس آکر کھڑی ہوئی تھی اور اس نے ڈاکٹر انصاری کے الفاظ سنے تھے۔ ایک کامیاب آپریشن کے بعد مریض کے لواحقین کے [illegible] سے سرشار چہروں کو دیکھ کر وہ بھی خوشی اور سرشاری [illegible] محسوس کرتے۔ ڈاکٹر انصاری [illegible] واپس مڑ گئے۔ اس نے اشعر کی طرف دیکھا۔

"حریم پھول کھلتے دیکھے گی۔" لاریب اشعر کی آنکھوں میں خوشی اور تشکر کے آنسو تھے۔
"ہاں حریم پھول کھلتے دیکھے گی اور ہو کہاں کل رات میں نے اسے آرمی ہسپتال کی وہاں بھی ... جائے گی۔ مجھے کل رات [illegible] پوری کرتے دیکھ آیا تھا میں نے بیان پوچھ کر اسے تو میں کہاں [illegible] تھی۔" وہ روتے ہوئے بولی تھی۔

○ ○ ○

ڈیڑھ گھنٹے کے بعد انہیں اندر جانے کی اجازت ملی تھی۔ انہیں حریم نظر تو آئی مگر [illegible] بکھری ہوئی۔

"حریم!" اس کے پاس کھڑے ہو کر اسے پکارا اس نے جھجکتے ہوئے اسے آواز دی۔

وہ بے کراں اٹک جانے تھوڑی کی حالت میں [illegible] کو دیکھ رہی تھی۔ وہ حریم کے پاس سے جگے کے لیے آئے [illegible] ICU سے باہر لے آیا تھا۔ اس کی [illegible] سے تفصیلی بات چیت ہوئی تھی۔

[illegible]

رات کے آٹھ بج رہے تھے اور ڈاکٹروں کے مطابق حریم کی حالت [illegible] اپنے گھر لوٹ جانا چاہیے تھا۔ [illegible] مسلسل [illegible] کی حالت [illegible]

"رات ہو گئی ہے جب وہ اول حریم کو دیکھ کر [illegible] کے وہ [illegible] کی طرف جانے لگی۔ وہ اسے [illegible]

[illegible]

"ہم کہاں جا رہے ہیں؟"
"لیکن حریم؟ ... وہ یہاں اکیلی۔" اس نے اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی۔ [illegible]

[illegible]

"تمہیں کسی بات کی فکر نہیں کرنی۔" [illegible]

"اشعر صاحب بات کر رہے ہیں؟" [illegible]
"جی" اس نے گاڑی کو بچانے کی کوشش کرتے ہوئے حیرت سے کہا۔

"میں تھوڑی دیر سے انفارمیشن ... بات کر رہی ہوں۔ [illegible]

[illegible]

"لیکن حریم وہاں اکیلی۔"
"حریم کے پاس میں جا رہا ہوں۔" [illegible]

[illegible]

"سونے سے پہلے تم میں کچھ لیٹ جاؤ۔" [illegible]
وہ اس کے پاس سے اٹھ جانا چاہتا تھا اور سونے پر لیٹ رہی

علی لیٹ جانے مگر جانے اس کے پاس سے اٹھنے کے اس نے بڑی تیزی سے اس کے گرد ہاتھ پھیلا کر اس کا سر اپنے شانے پر رکھ لیا تھا۔ اس کے بالوں میں آہستہ آہستہ انگلیاں چلاتے ہوئے اسے ایک بہت پرسکون نیند سلا دینے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ بہت کمزور، بہت نڈھال اور بہت تھکی ہوئی لگ رہی تھی۔ اس کے بال ہوٹل میں ہسپتال آنے کے بعد سے دوبارہ ویسے کبھی کیے گئے تھے۔ اس کی آنکھیں کئی تھیں اس کے چہرے پر گرد ٹھہری ہوئی تھی۔ وہ اندر کی آنکھیں سوج گئی تھیں اس کے پپوٹے بھاری ہو چکے تھے۔ اس نے دیکھا کہ اس کا سر اس کے سینے پر رکھا تھا وہ اسے پہلے بھی تھا جانے کتنی بار چھپ چکا تھا۔ اس کے پاس موجود وہ لفظ ساتھ آئے ہونٹوں میں سے ہر لمحہ کا رنگ اور اداسی اسے بجھی کسی توجہ اور دھیان کے بھی اس نے ہو چکا تھا۔ بہت سادہ اور عام سے معنوی قیمت کے لیے اس کی ماں حیثیت کے آئینہ دار تھے۔

جانے کیسی مگر ایک عجیب سی سوچ اس کے دل میں بھی ابھر رہی تھی، وہ اس سے پہلے کہاں تھی کیسے زندگی کو کس طور گزار رہی تھی، وہ اس کے پاس حریم کی سرپرستی کے لیے جیسے لگنے آئی تھی۔ حریم کی گزشتہ زندگی دیکھ کر جاتا تھا کہ اس کے پاس آنے سے کئی عرصہ پہلے سے وہ جس طرح مشکل حالات سے گزری ہوگی وہ اس کا حصہ تھی اور وہ نہیں کہیں گی اس وقت اس کی یہ ابھی تک بری حالت دیکھ کر ایک بار پھر اس کے دل میں خیال ابھرا تھا کہ ابھی تو وہ اس کے ساتھ ہے، لیکن اس دن ان لڑکیوں میں تنہا نہیں، تب اس طرح مانے سے ہماری ایک بچی ہالہ ہوگا تب اس کا کیا حال ہوا ہوگا؟ اس کا دل چاہا تھا وہ اپنے یا نفرت سے نہیں دیکھا اور کب سے اس سے صرف اتنا ہی کہے۔

"تو کیا تم اس وقت تنہا تھیں؟ تم نے اس وقت مجھے کیوں نہیں بتایا تھا؟ تم اب میرے ہوتے ہوئے اپنی کمزور پڑ رہی ہو تو اس وقت تمہارے کیسے ساتھ تھا؟"

عجیب و غریب سے اوٹ پٹانگ سے احساسات میں گھرا اپنے شانے پر سر رکھ کر آنکھیں موندے نیند کی آغوش میں جاتی اس لڑکی کو دیکھ رہا تھا جس کے چہرے پر وہی معصومیت اور وہی سادگی جھلک رہی تھی جس نے برسوں پہلے اسے اپنے حصار میں قید کر لیا تھا۔ وہ کل شب پچھلا گزرا رات تھا جب سوتے سے آنکھ کھلنے پر اس نے اسے اپنے

ہاتھ کے اوپر ہاتھ رکھے پایا تھا۔ وہ بستر پر تنگ سا آگے لیٹا ہوا تھا۔ وہ اپنے ہاتھ پر رکھے اس کے ہاتھوں کو دیکھتا رہا تھا۔ اور بستر پر بیٹھ کر سوچتا رہا کہ وہ اس کے ہاتھ اپنے ہاتھ پر سے ہٹا کر کیا کرے گی، اٹھ کر اس کمرے سے باہر چلا آیا تھا۔ کل رات ہسپتال کے اس کمرے میں جب بچی کی بیماری اور اس کی صحت یابی کے سوا اس کے ذہن پر کچھ نہ تھا، کس کو کیسے سمجھے کی ذہنی آنے کا وہ سوال ہی پیدا نہیں ہوا تھا۔

اگر ایسا ہوا تو اب یہاں اس احساس کی بھی کمی ہوگی، وہ بڑی عورت اس کے ساتھ یوں تنہا ہوتی تو وہ اس کے لیے بھی اسی طرح محسوس کر رہا ہوتا؟ اسے اس تنہائی سے اپنی خواہش دنیا کے تمام لوگوں سے بڑھ کے کی آرزو تھی دل میں ابھی رکی ہوئی مگر ایسا نہیں تھا جس سے اسے خود نفرت تھی اس کامل اس سے نفرت نہیں کر رہا تھا۔ اگر اسے حریم کے پاس واپس نہ جانا ہوتا تو وہ ساری رات یہ تنہا اسی طرح گزار دیتا۔ اس نے تو کاسر شانے سے ہٹایا۔ اسے صوفے پر ٹھیک طرح لٹا کر چادر بھی اوڑھا دی۔ وہ بہت گہری نیند میں جا چکی تھی۔ چادر اس کے شانوں تک اچھی طرح پھیلاتے اس کے ہاتھ ایک پل کے لیے رکے، ایک بے اختیاری سی کیفیت میں وہ اس کی طرف جھکا۔ بڑی آہستگی سے اس کی پیشانی پر اپنے لب رکھے۔

"میں آج بھی نہیں جانتا کہ تم نے جو کیا وہ کیوں کیا؟ تو خود تمہیں ایک بات انکل سچ بتاؤں۔ تم سے نفرت کرنے میں میں ہار گیا ہوں۔"

☆ ☆ ☆

کل رات اس کی بیٹی ہوئی یہ سوچ ڈاکٹر سے بات کر کے حریم کی کنڈیشن میں پوری بہتری کی خبر سے مطمئن ہوتا ہوا دوبارہ روم میں آگیا تھا۔

اس کے اندر تو ابھی تک جیسے سب کچھ تھا، تمہیں تشنہ رہتی تھی۔ اسے ملکی سی بے حسی تھی۔ اس کے سامنے اس کی اپنی لڑکی اور حریم کی زندگی ایک سوالیہ نشان کی طرح لٹکی ہوئی تھی۔ ان کی زندگیوں میں جو کچھ ہوا آخر وہ ہوا کیوں ہے؟

جس محبت کی موت کا وہ سانحہ چار سال قبل ہو گئی تھا، اسی کامل اسے یاد آ رہا تھا کہ وہ مری نہیں اور آج بھی زندہ ہے اور محبت کبھی مرتی نہیں ہے۔ شکلیں بدل کر

ہیں۔ کبھی وہ روگ بن جاتی ہے، کبھی روگ، کبھی خوشی کبھی غم، کبھی دوا کبھی زہر۔ کبھی تو وہ چھوڑ دیتی ہے کبھی پا سکیں۔ کبھی الفت کبھی نفرت۔ اس کا ٹی اسے دیکھیں مسموم تھا۔

وہ ماں تمہیں چار سال پہلے تمہیں اور تمہارے گھر کو کس طرح چھوڑ کر گئی تھی یاد ہے؟ تمہارے جیسے تمہارے دل و دماغ آگ تمہاری کسی اچھائی کا رد تمہاری گور دل میں رہ گئے وہ زندگی بھر کبھی تمہارے سامنے آنے کی ہمت نہیں کر پائی۔ ایک منٹ پہلے وہ تمہاری آنکھوں میں آئی تھی تو کیا اس کے چہرے پر شرمندگی تھی ندامت تھی، دیکھا تھا؟ وہ تمہاری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر نفرت سے کیا کہہ رہی تھی۔

"یہ میری چار سال کی بچی حریم حسین کی تصویر ہے۔ بدقسمتی سے جسے اس کی ماں کے ایکسیڈنٹ اور آپ ہیں۔ آپ مجھے جیسا اور جس کردار کا حامل سمجھتے ہیں مجھ سے کہتے ہیں۔ میرے سامنے آنے کا مجھ کو ایک شعور ہے کہ میں اپنی بچی کو اس کے اصل باپ سے واقف کرواسکوں جو اس کے علاج کے لیے درکار ہے اور جو اپنے باپ سے لوٹا اس کا حق ہے۔"

وہ صرف اور صرف نفرت، حقارت اور طنز میں ڈوبے لہجے میں نہایت آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر رہی تھی۔

"اگر آپ کو کچھ شبہ ہو تو آپ اپنے طور پر خود بھی ٹیسٹ کروا سکتے ہیں کہ میری بچی جو اس وقت میں سے رہی ہے اس کو پیدا اور کی بھی ہوا نہیں۔ اس بات میں نہیں کہ ہم یہ بیں 'آپ بیٹا' کبھی کہیں رہے نہیں لگے۔ جس کا کوئی آپ کے ساتھ ہو یہ ہے مشکوک تھا تو نہیں اللہ جانتا ہے یہ بچہ میرے حق ہے آپ اپنے شک میں حق بجانب ہیں۔" وہ حقارت سے تمہیں دیکھ رہی تھی۔

"میری بچی کا بلڈ گروپ $B+$ ہے شاید آپ کو یاد ہو۔ $B+$ میرا بلڈ گروپ نہیں" $B+$ نفرت ہم کا اللہ اب بھی نہیں تھا۔ یہ آپ کا بلڈ گروپ ضرور ہے۔" ہم نے تمہیں دیکھی، تمہاری طاقت۔ تمہارے ہی سامنے تمہارا کیا ہوا۔ ایک نتھا اور چار عورتوں پر جرأت کر ادا ہے۔ صرف اور صرف اس وقت جب وہ تو کوئی تو اور محبت کو چھوڑ دی، وہی ہے جب اس کے اندر کا ہمارا اچھل اندر، اور بے حوصلہ، حیران اور صدمے سے چار

حالاتوں میں کبھی پلٹ کر تمہارے پاس نہیں آئی۔ مالی مشکلات کے باوجود وہ کبھی تم سے بچی کی پرورش کے لیے پیسہ مانگنے نہیں آئی وہ کسی بھی انداز میں کبھی تمہاری زندگی میں مخل نہیں ہوئی اور اب جب آئی تو صرف اس وقت جب بچی کی جان پر بن آئی تھی۔

ایک بہت چاہنے والے امیر ترین شوہر کو چھوڑ کر کسمپرسی اور مفلسی کی مشکل زندگی کا انتخاب کرنے کے اس نے ایک لفظیں "معافی" کی ہے۔ کیا کبھی ایک لمحے کے لیے بھی اس کے چہرے پر یہ آیا کہ کچھ کھویا ملال ہوگا ہے؟ حالانکہ نفرت اور غصے کے کوئی اور رنگ نظر نہیں آیا۔

"تم اس سے نفرت کرتے ہو اور وہ تم سے تم سے زیادہ نفرت کرتی ہے۔ تم اسے غلط سمجھتے ہو اور وہ تمہیں تم سے زیادہ غلط سمجھتی ہے۔ ایک وقت دو لوگ تو صحیح نہیں ہو سکتے دونوں تو قابل نفرت نہیں ہو سکتے دونوں تو ظالم نہیں ہو سکتے۔ یقیناً دونوں میں سے ایک صحیح ہے ایک غلط۔ ایک ظالم ہے ایک مظلوم۔ لیکن کون؟"

وہ آنکھیں بند کر کے بیٹھا تھا اور اس کے دل کے قریب ایک ساتھ کئی آوازیں ہو رہی تھیں۔

"میں تین سال کی ہو چکی ہوں۔"

"میرا معجزہ بہت اچھا ہے۔ میں بھی یا مجھے بہت میں پڑھا رہے تھے۔"

"میں جھوٹ کبھی نہیں بولتی لیکن اس وقت آپ ان سے کہتے ہیں تھے 'مجھے یہ بتانے دیں کہ آپ کا چہرہ کیا تھا نہ کسی ملازم نے نہیں بلکہ میں نے حیال رکھے ہیں۔"

"ہم باتیں بھی آپ سے اس پر کہاں مانوں میں کر دی ہوں تو وہ دھکے وہ تجھے بھی کر سکتی تھی۔ میرا کیا حال ہے جتنا بھی مشکوک ہو یہ میرے ہاتھ سے جواب میں ہر لمحے ایک۔"

DNA Paternity test کروانے کا حکم آپ کو دیں اور پھر فوراً ہی ساری کہانی کھل کر سامنے آجائے گی آپ ایک عزت دار انسان ہیں۔ چھپا کو عدالت کی گرفت میں آپ کی جگ ہنسائی ہوتی، اس لیے میں نے یہاں آنا مناسب سمجھا۔"

سات سال کی سی باتیں کرنے والی اس معصوم لڑکی کو یہ کڑوی باتیں کرنا کس نے سکھائی تھیں؟

"قاضی صاحب اور وہ صحبت ہو۔ جاب نہیں ہو جاتا تو اتنی بڑی بات بھی نہیں اس سے جیتی جاتی ہیں۔ کر

کبھی بالکل اکیلی کر دیتی ہوں۔"
اپنا دوست ہے۔" پہلے بولتے اس کے لہجے میں کیا تھا
بے بسی سے بھری ایک [illegible] گئی۔
اپنی نظروں میں وہ مجرم نہیں' یہ بات روز روشن کی طرح
عیاں ہے۔ وہ دنیا کی محبت کے آگے کسی کی ایک بھی [illegible]
نادم و شرمسار نہیں۔ یہ بات ہر طرح سے واضح ہے۔
"پاپا جھوٹ بولنا گندی بات ہے۔"
"نہیں جھوٹ کبھی نہیں بولتے۔ جھوٹ تو جھوٹ ہے
چاہے بڑی بات پر بولا جائے' چاہے چھوٹی بات پر۔"
"اللہ پاک نے بھی جھوٹ بولنا گندی بات بتائی ہے۔ جھوٹ
بولنے سے اللہ میاں ناراض ہوتے ہیں۔"
"پاپا کہتے تھے جھوٹ بولنا صرف پہلی بار آسان لگتا ہے'
اس کے بعد بہت مشکل ہوتی ہے اور سچ بولنا صرف ایک
بار مشکل لگتا ہے' اس کے بعد آسان ہی آسان ہوتی
ہے۔"
وہ اس کی بیٹی کی کہی ہوئی بات تھی' کیا وہ یہ بات اس
ایک مہینے میں نہیں دیکھ پایا؟ اگر وہ جو رشتوں میں بری تھی
تو اسے ماں کے رشتے میں بھی بری اور خود غرض ہی ہونا
چاہیے تھا۔
اپنے کو [illegible] میں بھی اس نے بیٹی کو کتنے ناز و نعم میں
پالا تھا۔ جو لباس خود پہنتی تھی اور جو حریم کو پہناتی تھی اس
کے معیار میں موجود نمایاں فرق یہ صاف ظاہر
کرتے تھے کہ اپنی ضروریات کو ضرورت سے محدود کر کے اس
نے بیٹی کو ہر ممکن حد تک اچھی زندگی دینے کی کوشش کی
تھی۔
عصر کا وقت ہونے میں ابھی کچھ دیر باقی تھی جب اس نے
حور کو کافی دور سے آتے دیکھا۔ وہ گراؤنڈ کے آخری
سرے سے چلتی اسی سمت آرہی تھی جہاں وہ اسے آتا دیکھ
رہا تھا۔ وہ اس کے پاس آکر رکی۔ "کیسی طبیعت ہے
تمہاری؟ سر کا درد ٹھیک ہوا؟"
"ٹھیک ہے۔ حریم کیسی ہے؟ میں اسے دیکھ آؤں؟" وہ
اس کے برابر سے نظریں گراتی [illegible] بولی۔
ظہر کی نماز کی ادائیگی کے لیے وہ مسجد چلا گیا تھا اور وہاں
سے واپسی پر وہ سیدھا اپنے اور حور کے لیے چائے
ساتھ لے کر آیا تھا۔ وہ بھی نماز پڑھ کر واپس وہیں پہنچی۔
تھکی ہوئی تو بہت تھی اس نے [illegible] نماز کے [illegible] اپنا
ہوا تھا اور تسبیح ہاتھ میں لیے وہ کچھ ورد کر رہی تھی۔ وہ اس

[illegible] اگر [illegible] اس نے اپنی گود میں لی تھی
رکھی ہوئی تھی۔ اس میں [illegible]
اور چائے رکھی تھی۔
"ناشتہ کر لو۔" [illegible] سر ہلا کر اس نے تسبیح [illegible]
پھر اس سے دور [illegible] اس کی آنکھوں میں اس کے لیے
نفرت نہیں تھی' حقارت اور انکار نظر آتا تھا [illegible]
شخص اس کی بیٹی کا علاج کروا رہا ہے' تو [illegible]
کے ساتھ کھانے کو گئی۔
"نہیں کھا سکتی؟ یہ پورا کیک اکیلے لے لو۔" اس نے
سنجیدگی اور نرمی سے اصرار کیا۔ اس نے کیک لے لیا۔
وہ اسے پاس لانے' اپنائیت اور محبت سے بات کرنے کا کوئی
موقع نہیں دے گی' اس کی احسان مندی [illegible]
مجبور تھا۔
وہ دونوں ناشتہ کر چکے تب وہ آہستہ آواز میں انتہائی
سنجیدگی سے اس سے بولی۔
"آپ پوری رات جاگتے رہے ہیں۔ اب کچھ دیر گھر
جا کر آرام کر لیں۔ حریم کے پاس میں ہوں۔"
سوائے اس جملے میں محبت اور اپنائیت کا کوئی شائبہ
رنگ شامل نہیں تھا۔ یہ صرف شائستگی اور اخلاقیات کے
تحت کہی جانے والی ایک بات تھی۔ پھر بھی اسے یہ جملہ اچھا
لگا۔
"ٹھیک ہے میں جا رہا ہوں۔ [illegible]
کہ تمہارے لیے کچھ لاؤں گھر سے؟ تمہیں کچھ منگوانا
ہے؟"
اسے سنجیدہ نگاہوں سے دیکھتے حور نے نفی میں سر ہلایا
تھا۔ اپنے سے تھوڑے سے فاصلے پر بیٹھی اس لڑکی کو دیکھ
رہا تھا جو درحقیقت اسے خود سے صدیوں کے فاصلے
کھڑی نظر آرہی تھی' [illegible]
وہ اس سے اپنے لیے کچھ بھی نہیں چاہتی [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
کرتی تھی۔ وہ اسے شاپنگ کرانے لے جاتا [illegible]
شاپنگ کرتی [illegible]
[illegible]
[illegible]
اب اس کی کسی بھی چیز پر اپنا کوئی حق نہیں [illegible]

اس [illegible] اس کی خودداری' اس کی غیرت کا سوال ہے کہ وہ
اپنا [illegible] حسن کا کوئی احسان نہ لے۔ لیکن حریم کے
ساتھ جو کچھ وہ کر رہا ہے وہ اسے قبول کرنا پڑ رہا ہے تو اس پر
ان کا احسان مند [illegible] بے انتہا شکر گزار بھی ہے۔
وہ ٹیکسی سے [illegible] اس کے لیے خریدے [illegible]
میں سے ایک [illegible] تبدیلی کرنے کے
[illegible]
کبھی قبول نہیں کرے گی۔ گاڑی اپنے اپارٹمنٹ کے
آگے [illegible] ایک اسٹور کے پاس روک کر اس نے کچھ
اشیا وہاں سے خریدی تھیں اور انہیں لے کر وہ اپنے
اپارٹمنٹ آیا تھا۔ [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] کھانے پینے کی اشیاء اور [illegible]
آئسکریم کی خریداری کے لیے اس نے [illegible]
رکھ دیا تھا۔
شیو بنا کر نہا کر کچھ آرام کر لینے کے بعد کچھ دیر لیٹنا
چاہتا تھا مگر لیٹنے سے پہلے کچھ خیال آنے پر وہ کمرے میں
موجود الماری کی طرف آیا۔ الماری جو حور کی اور حریم
کے کپڑوں سے بھری ہوئی تھی۔ [illegible]
[illegible] اشیاء رکھی ہوئی تھیں۔ [illegible]
[illegible] الماری کے سب سے نچلے خانے میں
[illegible] جو اس اپارٹمنٹ میں آتے
ہوئے اپنے ساتھ لائی تھی۔ ان میں سے ایک [illegible]
[illegible] اس نے اس [illegible] بیگ کی
زپ کھولی تو اس کے اندر [illegible] حور کے کپڑے اور
اس کی [illegible] استعمال کی [illegible] اشیاء نظر آئیں۔ [illegible]
اپنے کپڑوں کو الماری میں [illegible] بیگ میں [illegible] رکھا ہوا تھا۔
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] لیٹ گیا۔
[illegible] چھت کو گھورتا رہا تھا۔
"[illegible] آپ کے حالات اور واقعات [illegible]

ہوتے ہیں اور کچھ آپ کا [illegible]
اور آپ تو حالات و واقعات اور [illegible] سب [illegible]
[illegible] جا رہے تھے کہ ان کی [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] جا رہا ہو گا۔ جن واقعات کو [illegible]
[illegible]
[illegible] سے [illegible] ہو گا۔
"آپ جب واپس آئیں گے میں آپ کو ایک بات
بتاؤں گی۔" ساڑھے چار سال پہلے اس رات اس نے
[illegible] ہوئے کہا تھا۔
"[illegible] ابھی نہیں [illegible] جب واپس آئیں گے تب [illegible]
[illegible] بتاؤں گی۔" [illegible]
"جب میں آپ کے گھر سے گئی تو [illegible]
[illegible] تھی۔ میرے [illegible] کا ثبوت
آپ چاہیں تو آپ [illegible] ڈاکٹر [illegible]
[illegible] آپ کے گھر سے جانے سے [illegible] روز [illegible] نے اپنا
پریگننسی ٹیسٹ [illegible] سے کروایا تھا۔"
"کیا ہو جاتا اگر اس رات وہ [illegible] تھی [illegible]
کہ وہ اس کے بچے کی ماں بننے والی ہے؟ [illegible]
لیکن وہ [illegible] کے ساتھ [illegible] تھی۔"
"[illegible] ڈاکٹر شیراز کے پاس [illegible]
[illegible] کر [illegible] تھے۔"
"آپ کی [illegible] نہیں ہے [illegible]
[illegible]
بات نہیں۔ [illegible] ڈاکٹر شیراز نے [illegible] ضروری ہیں
[illegible] آج [illegible] کھانے [illegible] ہے۔"
اسے [illegible] ساڑھے چار سال [illegible]
[illegible] اس نے [illegible] ہوئے انداز میں اپنے سر [illegible]
پکڑا۔ [illegible] ڈاکٹر شیراز [illegible] ڈاکٹر شیراز [illegible]
[illegible] ڈاکٹر [illegible]
[illegible] کے ساتھ [illegible]
[illegible] انکار کر [illegible] اس رات اور اس صبح
[illegible] جا رہا تھا [illegible]
[illegible] اس نے [illegible] تک کہ اس نے [illegible]
تھا [illegible]
[illegible] اس پر [illegible] کے لیے' اگر وہ

ملک سے باہر اپنی صحت کی طرف سے پریشان نہ ہو۔ اس نے یہ جھوٹ بولا ہو کہ وہ اب ڈاکٹر کے لیے گئی تھیں۔ شاید انہیں ملک سے باہر رہ کر بیٹے بیٹے کو یہ بتانا مناسب نہیں لگا ہو گا کہ ان کی بیوی نے ان کی بات سے ... کے ساتھ ڈاکٹر کے ہاں جانے سے انکار کیا ہے۔ لیکن یہ بات ان کو اسے ذہنی طور پر ... کر گئی اور انہوں نے ایک چھوٹا سا جھوٹ بول کر ہی دوبارہ کلام کیا تھا جو کچھ دار ہوتے ہیں اپنے سے چھوٹوں کے بیچ کے جھگڑے اور اختلافات ختم کرنے کے لیے کیا کرتے ہیں۔

یقیناً "ایسا ہی ہوا ہو گا۔" تو بعد میں امی کو وہ علم ہو گئے اکیلے ان کے پاس گئی ہوں گی۔ انہیں سامنے پا کر ... کی بات کی ہو گی سے بھی بحال کی۔ لیکن یہ بھی ہو شاید خوشی لی۔ تو وہ سب سے پہلے اسے بتانا چاہتی ہوں گی۔ اس

وہ آری سوال اور ... جواب والی ایسی الجھن میں گھر رہی تھا۔ وہ خود کو سمجھانے کا حل ... اس لیے ... زندگی کی الجھی ... کا کوئی سرا اس کے ہاتھ نہیں آ رہا تھا۔

دیکھ کر بھلا کیا بھی کیا بھلی تھی آ رہی تھی؟

... اس کے ... سے ... کر سب سے پہلا کیا ... وہ ... یاد کرنے کی کوشش کی۔

اسے یہ ... ہوتی تھی کہ ... صرف حیران نظر آ رہی تھی۔ جبکہ ... خضر عالم سے بھی زیادہ دکھ ہونا چاہیے تھا۔ وہ ... تھی اسے وہیں رک جانا چاہیے تھا۔

لیکن ... پریشانی سے صرف اور صرف حیرانی سے پہلے اس سے ... پوچھا تھا۔

"خضر! آپ ... آپ کب آئے؟ ... آپ؟"

اس کا ... ادھورا جملہ مکمل نہیں ہو پایا تھا ... بات کاٹ دی تھی۔

"تم ... یہاں کیا کر رہی ہو؟" ... کی اس بات کو سننے کے بعد پریشان اور خوف زدہ ہو گئی تھی۔

اس نے ... کے ... کیوں ... کیا اس سوال کا اس کے پاس کوئی جواب ... اس کے ... آنسو ... کس وجہ سے ... اس نے ... اس کی ...

سے مطلب اخذ کیا وہ شاید خود کے وہم گمان اس کی سوچوں سے بھی آگے کی بات تھی۔

وہ دوسرے کمرے میں آ گئی جہاں بچوں کے بیچ ... ادھورے لفظوں میں کیا کہنے کی کوشش کر رہی تھی، خدا کا ... بچوں ان کی بولی ... آوازیں ... اسے بھی کی آواز ان کا ... بنا تھا ... ادھورے ادھورے لفظ ان میں کا ... ہیں گئے۔

تب وہ اس کے پاس آئی تھی۔ "یہ سب جھوٹ ہے۔ یہ سب جھوٹ بول رہے ہیں، کیوں ایسا کر رہا ہے۔"

اس نے اپنے ہاتھ کی طرف دیکھا، وہ کمرے میں ... تھی ... کی طرح رو رہی تھی۔

"آپ کو یقین ہے نا۔ آپ کو پتا ہے نا میں ایسی نہیں ہوں۔ خدا کی قسم کھا کر کہتی ہوں میں ایسی نہیں۔ میرا یقین کریں میں نے کچھ غلط نہیں کیا۔ میں آپ کی ... ہوں میں نے صرف اور صرف آپ سے محبت کی ہے۔"

وہ اس کے گھٹنوں سے اس کے پیروں سے لپٹی زار و قطار رو رہی تھی۔

"چلو۔"

اسے بلند آواز سے پکارا تو وہ ایک دم بیڈ سے اٹھ کر چلا گیا۔

"تم ایسی نہیں ہو میں جانتا ہوں۔ ... میں جانتا ہوں۔ مگر یہ سب کیوں ہوا میں یہ نہیں جانتا۔ جتنا سوچ رہا ہوں میری الجھن اتنی ہی بڑھتی جا رہی ہے۔"

وہ اپنے گھٹنوں میں چہرہ رکھ کر ... ابھی بھی اس کے پیروں سے لپٹ کر رو رہی تھی۔

کیا ... خضر عالم کی کوئی بات ... اس سب کے پیچھے؟ اس کی اور ... کی محبت بھری زندگی میں آگ لگانے والا ... کا ... انسان تھا ... سوچ ... اسے یاد آیا تھا جب ... نے ... میں ... لیا تب اچانک ہی ... نے ان کے گھر زیادہ آنا جانا شروع کر دیا تھا ... شروع ... صرف ... کر ... سمجھ ... اس سے ... کی کے ساتھ خضر کے سامنے آ کر بیٹھ جایا کرتا تھا۔

وہ ... ان ... کے ... میں ... تھا ... اس سے ... کی تھی وہ ...

ان کا ... کے بجائے اس کے پیچھے پڑا رہتا تھا۔ خود معصوم تھی۔ ... تھی وہ اس کی خواہشوں کو سمجھ نہیں سکی ... اس روز وہ ... انسان ... کو کسی بہانے سے اپنے ... لے ... کے لیے ... لے گیا تھا۔ ... جھوٹ بول کر ... سامنے ... لایا تھا ... جب ... کی طرف سے نکل کر ... کے سامنے ... تھی۔

"کون ہے ... ؟" ... "وہ کیا کہنا چاہتی تھی۔ وہ ... کیا ... جس ... رہی تھی ... خضر عالم ... انسان ... کوئی جھوٹ بول کر اسے اپنے ساتھ لے گیا ... کیا ... چاہتی تھی اس کی ... میں ... آ رہا تھا ... ضرور ... رہا تھا ... کی ... بے ... کے آنے کی ... بات ... تھی ... جھوٹ تھا ... خضر عالم ... سے اسے اپنے ساتھ ... لے کر گیا تھا۔

اس کی ... میں ... کھولنے لگا تھا۔

اگر اس سب کے پیچھے ... خضر عالم کا ہاتھ تھا تو وہ اس شخص کو اپنے ہاتھوں سے ... دے گا ... اس کے پیچھے ... کس طرح ... گی۔

"مگر کیا وہ خود ... ہو جائے گا؟"

خود کے دل میں اس کے لیے ... مزید ... جائے ... اس کے سامنے اس کی ... اور ... کی ... ایک ... کر رہی تھیں۔

وہ ... سے ... کی اس روز کے بعد ... تمام ... سے ... ہو گئی تھیں۔

... نے اس کی ... کا انکار ... نہیں کیا تھا ... اس لیے ... گھر چھوڑ کر ... سے ... کی تھی کہ خضر عالم ... جب وہ اس کے پاس ... کر ... ایسے ... کا ... لیا ... تب اس نے اس کا یقین نہیں کیا تھا اس کے گھر کے ... اس کا ... کون ... تھا؟

... نہیں۔ یہ بات ... نہیں ... سکتی۔ ... اس ... کہ ... سے ... کر ... تھی ... ایک ... اس کے ... چھوڑ کر ... تھی۔ ... نے اپنی ... اور ... ظاہر کرنے کے لیے اس کے ...

کوئی ... کیوں نہیں لکھا؟

اس کے ذہن میں خود کے گھر چھوڑ کر جانے تک ... کی باتیں ترتیب سے آنے لگی تھیں ... میں داخل ہوا تھا ... اور گھر آنے کے بعد ... ظاہر ... کو ... سا ... کے ... نہیں ... کی ... کر دیا تھا۔ تب ... اس کے کمرے میں ... تھی ... اس نے ... اس کی طرف دیکھ کر اس کی ... کی تو اس نے اس کے ہاتھ میں ... رنگ کا ایک لفافہ پکڑا دیا تھا۔

"کیا ہے یہ؟"

"خود ... یہ خط آپ کے ... نہیں ہے۔"

تب یہ ... سنتے ہی اس کی ... تھی اس کا ... خون ... اور ... خط پکڑ ... فوراً ... ایک ... سے ... کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔ ... اس کے ہاتھ میں ... ایک ... رکھ دیا ... اس نے اس خط کو ... پوری قوت ... طاقت ... اس خط ... کیا ... کی ... اس کے ساتھ اس ... شدہ ... زندگی ... کی ... جانے ... حقیقت ... کہ وہ اس کے ساتھ ... خوش نہیں تھی۔ ... طلاق کا مطالبہ ... شاید ... کہ اس بات کو ... گئے۔ جب اس کے ... میں ... آنے والا ... دیکھ ... کہ ... صرف اس کے ... اور ... جانے والا ... تک ... اس پر ایک ... نہیں ... اس ... دیکھی تھی۔ ... جانا ... گا ... کیا ... اسے ... دیکھتے ... گا۔

"... تحریر ... کریں ... ؟" ... کے جواب میں اس نے جو آواز ... اسے وہ زندگی ... بھی ... نہیں چاہتا تھا۔

"... میں اس ... کسی ... کو نہیں جانتا۔"

اس نے اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی ... کاٹ دی تھی۔

... کی یہ ... "یہ جرأت کہ اسے فون کرے۔" اس سے ... زندگی ... نہیں ... اس کے اندر ... آگ ... اور ... کسی ... شدید ... پر مجبور کرنے کے لیے اکسا رہی تھی۔

ابھی وہ اس فون کال کو بھی نہیں بھولا تھا۔ اس کی آواز سن کر تو خود پر اختیار کھونے سے بھی زیادہ برا حال تھا۔ ابھی وہ اس سب پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا کہ اس فون کال کے ٹھیک ایک ماہ بعد اس نے اسے اپنے آفس میں [illegible] وہ اس کی لکھائی کو بہت اچھی طرح پہچانتا تھا۔ [illegible] حق مہر [illegible] کیے جا رہے تھے؟

وہ جانتے تو تھے ہی اور ان ناموں سے نفرت کرتے تھے۔ شدید ترین نفرت۔ اس نے اس لفافے کو [illegible] اپنے آفس میں اپنی میز کے سامنے [illegible] آگ لگا کر جلا ڈالا تھا۔ [illegible] کی کسی عورت سے وہ کبھی واقف تھا وہ بات بھول جانا چاہتا تھا۔ [illegible] قائم کرنے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ [illegible] تیار نہیں [illegible]

اسے منتقل کر دی جائے۔

اور اس بات کے بعد ہی اسے پتا چلا تھا کہ [illegible] آپ کی زندگی کے پیچھے [illegible] اعلان نہ کرتے [illegible] جنہیں آپ چھپانے کی [illegible] ان کے پیچھے پڑ جایا کرتی ہے۔

آپ خود اس موضوع پر [illegible] کسی شرمندگی اور ہچکچاہٹ کے بات کریں تو لوگوں کا اس موضوع میں سارا انٹرسٹ ہی ختم ہو جائے گا۔

تب شدید غصے اور طیش کے عالم میں سوچا نہیں تھا پر اب سوچ رہا تھا [illegible] کہاں سے [illegible] خط کہاں سے لکھا گیا تھا؟ [illegible]

کیا تھا اس کا گھر چھوڑنے کے بعد [illegible] گھر سے جانے کے لیے [illegible] آخر گھر سے کیوں [illegible] تھی؟ مگر کیوں؟ وہ اس طرح مجرموں کی طرح کہاں چلی گئی تھی [illegible]

[illegible] وہ ساری سچائی [illegible]

[illegible]

وہ اپنے سر کو دونوں ہاتھوں میں تھام کر بے بسی سے بیٹھ گیا۔ [illegible] ساری سچائی [illegible]

سوال بے شمار تھے اور جواب اس کے پاس ایک بھی نہیں تھا۔ [illegible] حریم [illegible]

مناسب نہیں تھا۔ نرس خود کو آگے کر کے [illegible] تھی۔ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

◎ ◎ ◎

اس نے [illegible]

◎ ◎ ◎

حریم کو آئی سی یو سے پرائیویٹ روم میں شفٹ کر دیا گیا تھا۔ [illegible]

حریم ابھی [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

گرین کوٹ میں ملبوس وہ زرد رنگت سے خاص طور پر کمزور ہو گیا تھا۔ اس نے اس کی طرف اشارہ کرتے کہا۔ [illegible] جملہ اس کے لبوں سے نکلا تھا۔ بولتے وقت اسے خود احساس نہیں ہوا تھا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ اس بات کو سن کر حریم نے عجیب الجھن اور خاموش نگاہوں سے اسے دیکھا۔ [illegible] اس کی نظر اسے اپنی بات پر خود ہی شرمسار کر گئی تھی۔

وہ ہر پل اس کی ممنون، اس کی احسان مند نظر آتی تھی مگر اس کے باوجود صرف ایک پل کے لیے بھی اسے یہ حق نہیں دیتی تھی کہ وہ اس سے اس کے کھانے پینے، اس کی کسی ذاتی ضرورت، کسی ذاتی چیز کے متعلق کچھ کہہ سکے۔

اب اسے حریم کے ساتھ ساتھ خود کی بھی فکر تھی۔

اس کی آنکھوں کو قریب سے دیکھو تو بالکل سفید نظر آتی تھیں، اس کے ہونٹ بالکل سفید ہو رہے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کے جسم میں خون کی کمی ہے۔

وہ ایک ہاسپٹل میں ہی موجود تھے، اس قابل [illegible] کسی ڈاکٹر کو دکھاتے۔ [illegible] کے باوجود بھی اس کی [illegible] کا اظہار بالکل خاموش آنکھوں [illegible] اس کی وجہ [illegible] مگر اس وقت اسے بہت قریب سے [illegible] بے چین ہو رہا تھا۔

"حریم کی پیدائش نارمل ہوئی تھی؟" [illegible] سوال پوچھنے سے خود کو باز نہیں رکھ سکا تھا۔

"نہیں۔" پلیٹ پر نظریں مرکوز رکھے اس نے یک لفظی جواب دیا۔ [illegible] آج ہر حال میں جاننا چاہتا تھا۔

"سیزیرین؟" اس کے سپاٹ چہرے کو غور سے دیکھتے اس نے پوچھا۔

"ہاں۔"

"کیوں کیا کوئی کمپلیکیشن؟"

"مجھے کیا پتا۔" [illegible] اس کی بات کا جواب نہیں [illegible] پلیٹ پر [illegible] ختم کر لی تھی۔

"تمہیں چار گھنٹوں میں واپس آ جانا ہوگا۔" بظاہر اس کے چہرے پر [illegible] نفرت [illegible] گوارا نہیں کرتی۔

[illegible]

"اچھا میں چلتی ہوں، اللہ حافظ۔" حریم کو آہستہ سے پیار کر کے دروازے کی طرف جاتے ہوئے وہ اس سے بولی۔

"تو کیا میں تمہیں چھوڑ آتا ہوں۔" وہ صوفے پر سے اٹھ کر بولا۔

"میں چلی جاؤں گی، شکریہ۔" اس کی طرف دیکھے بغیر [illegible] وہ بھی اس کے ساتھ باہر نکل آیا تھا۔ [illegible]

"آپ حریم کے پاس رکیے۔ ہم دونوں اس کے پاس سے ہٹ جائیں یہ مناسب نہیں۔" [illegible]

"میں اکیلے زندگی گزار رہی ہوں، اکیلے اپنے سب کام کرنے کی عادی ہوں۔ میں پچھلے ساڑھے چار سالوں سے تنہا زندگی گزار رہی ہوں۔ تم اپنی یہ ہمدردیاں اپنے پاس سنبھال کر رکھو۔" [illegible]

اس نے ایک ٹیکسی والے کو ہاتھ سے [illegible] کہاں جانا ہے [illegible] والٹ سے پیسے نکالتے [illegible] "تین گھنٹوں بعد [illegible]" [illegible]

اس کے دو تین گھنٹوں کے انتظار کے بعد [illegible] ساڑھے چار سال [illegible]

"اس ٹیکسی میں [illegible] صاحب [illegible] آپ کا انتظار کریں گے۔"

[illegible]

"ان دونوں میں [illegible] ساڑھے چار سال [illegible] اگر اس میں میری کہیں کوئی غلطی ہے تو [illegible] مجھے معاف کر دیں [illegible] میں خود اپنے آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گا۔"

وہ ہاسپٹل کے اندر واپس آ گیا تھا [illegible]

✿ ✿ ✿

گھر میں نماز پڑھ کر [illegible] ہاسپٹل جانے کے [illegible]

"تو کیا میں تمہیں چھوڑ آؤں؟"

"ٹھیک ہے [illegible]"

"سوری میں اس نام کی کسی عورت کو نہیں جانتا۔"

مسکراتے مسکراتے ایک دم ہی اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔

"حریم کی پیدائش نارمل ہوئی تھی؟"

"ماں اور بچے دونوں کی جان کو خطرہ ہے، انہیں یہ آپریشن [illegible]"

ایک ظالم شخص کے [illegible] آنسوؤں پر اسے [illegible] کوئی اختیار نہیں تھا [illegible]

"تمہاری بیٹی کو ہوش آ گیا ہے؟"

"تمہاری بیٹی [illegible] ICU سے روم میں شفٹ کر دیا جائے گا۔"

[illegible] "میری بیٹی" [illegible] "تمہاری بیٹی" [illegible]

"تمہیں میرا [illegible] کوئی حق نہیں۔"

"تمہیں میری فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

"تم صرف حریم سے مطلب رکھو، مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔"

[illegible]

باقی ہی کیا رہ گیا؟
مسعود کامیاب بزنس مین تھے۔ آپ نے اسے اشعر کی زندگی سے نکالنے کی۔" عارف نے ان کی بات کا جواب دینے کے بجائے کسی اور طرف نگاہوں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ اسے صرف کیوں نہیں دیا گیا ہے اسے تنہا کیوں کیا گیا ہے۔ اس بات پر اس کا زخم جلتا کئی دنوں کے بعد بھی ابھی تک کم نہیں ہوا تھا۔

"آپ کے بیان کو کام مل گیا ہے جیت گئی۔ آپ کی بیٹی ہار گئی۔ میں سارہ عقیل اس مسعود کے احسان سے ہار گئی۔ میں اب زندہ نہیں رہنا چاہتی۔ میں اس لڑکی سے بچھڑنے کے بعد اب زندہ نہیں رہنا چاہتی ہوں۔"

اس نے پھر چلا چلا کر رونا شروع کر دیا تھا۔ اور اس کی کیفیت سے پریشان ہو کر عارف ڈاکٹر کو بلانے دوڑے تھے۔ انہیں اپنی بیٹی نارمل نہیں لگ رہی تھی۔ انہیں وہ ایک نفسیاتی مریضہ لگ رہی تھی۔ اپنی اکلوتی اولاد کو نفسیاتی مریضہ بنتے دیکھنا ان کے لیے بالکل ہی ناقابل برداشت تھا۔ وہ ڈاکٹر کو بلانے کے لیے بھاگتی ہوئی بری طرح رو رہی تھیں۔

○ ○ ○

ہفتے میں حریم ٹی وی پر بیٹھی تھی۔ وہ آفس جا چکے تھے اور تب سے وہ روم میں اکیلی ہوئی تھی۔ جب سے اس نے تھوڑی دیر کے لیے آفس جانا شروع کیا تھا۔ وہ آفس جاتا اور اپنے ضروری اور اہم کام نمٹا کر جلدی واپس بھی آ جاتا۔

حریم کو روم میں شفٹ ہوئے دس دن ہو چکے تھے۔ اسے روم کے باہر کوریڈور میں چند منٹوں کی چہل قدمی کی اجازت ملنے کے بعد آج اسے ہسپتال کے گارڈن تک جانے کی بھی اجازت مل گئی تھی۔ امکان تھا کہ کل یا پرسوں اسے ڈسچارج کر دیا جائے گا۔

وہ سہ پہر ساڑھے چار بجے حریم کو بتا کر اس سے اجازت لے کر آفس چلا گیا تھا۔ وہاں سے شام ساڑھے چھ بجے واپس آیا تو حریم کچھ بہل گئی تھی۔ خود کچھ دیر کرسی پر بیٹھی اور پھر اس نے کمرے کی حالت درست کر دی تھی۔

وہ حریم کے پاس آیا "کیا کھیل رہی ہو پرنسس؟" "اکیلی بیٹھی بور ہو رہی تھی۔" اس کے انکار کے باوجود دوبارہ کہنے پر اس نے اسے ludo لا کر دیا۔ وہ اس کی بات ماننے کے لیے وہ اس کے ساتھ کھیلنے لگا۔ اس نے گیم میں اس کا جہاز پکڑ کر اسے آؤٹ کر دیا۔ اس نے کھیل میں ہارتے ہوئے بھی اسے خوشی محسوس ہوئی۔

"پاپا حریم کو جیتنے دیں۔ حریم بھی آپ کی طرح جیتے گی۔" وہ اٹھ کر کہنے لگی۔

اس نے ایک دو مہرے کھسکا کر اسے اور بھی جیتنے کا موقع دے دیا۔

اس نے اسے اٹھایا اور بیڈ پر بٹھا دیا۔ اس کے پیچھے تکیے لگائے اور اس کے ہاتھ میں گلاس تھما دیا۔ پہلے اس نے تھوڑا سا پانی پیا پھر گلاس اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا۔

"اب پاپا کا اور حریم کا مقابلہ ہو گا۔ دیکھتے ہیں زیادہ دور تک کس کا جہاز جاتا ہے۔ کون زیادہ دور تک کس کا جہاز اڑائے گا۔ جس کا پہلے گرا وہ ہار جائے گا۔"

حریم کا ہاتھ درست نشانے سے چوکا اور اس نے خود اس کے ہاتھ سے جہاز اڑایا اور اسی وقت اپنے دوسرے ہاتھ میں موجود جہاز کو بھی ہاتھ سے چھوڑ دیا۔ دونوں جہاز ان کے جانی دشمن کی طرح پیچھے سے پیچھا کرتے ایک سیکنڈ ہی میں سامنے میز پر جا گرے تھے۔

"پاپا ہار گئے۔" حریم نے خوشی سے تالی بجاتے ہوئے کہا۔ وہ بے ساختہ ہنسا۔ اسے ہنستے دیکھ کر حریم کی طرف نہیں دیکھ پایا تھا۔ حریم کے چہرے کی طرف نہیں دیکھ پایا تھا۔ اس کی نظریں سامنے میز پر جہازوں پر مرکوز تھیں۔ وہ میز پر کھانے کے خالی باکس میں جس کو کھول کر کھایا تھا اس میں جا کر گرا تھا۔

یادداشت پر پڑا قفل ایک دم سے ٹوٹ گیا۔ اپنے ماضی کی دھند میں لپٹا وہ منظر جیسے ایک دم سے اس کی آنکھوں کے سامنے پوری طرح روشن ہو گیا تھا۔

رات کا ایک بج رہا تھا۔ وہ اس کے کمرے میں آئی تھی۔ وہ اگلے روز آفس جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ اپنا بریف کیس اور فائلیں اپنے ساتھ لے کر گیا تھا۔ اس نے میز پر رکھ دیا تھا۔ بیڈ پر بیٹھ کر اس میں سے کاغذات نکال کر پیپرز کو چیک کرتے ہوئے انہیں دوبارہ بریف کیس میں رکھ رہا تھا۔ شدید غصے اور طیش کے عالم میں اس نے وہ کاغذ ہاتھ سے پوری قوت سے دور پھینکا تھا۔ غصے سے بھری اس کی نگاہیں اس کاغذ کو دیکھتی رہیں جو بریف کیس میں جا گرا تھا۔

دل میں تھی اس کا ملازم اٹھا اس کے کمرے میں آیا تو وہ چیزیں اسے آفس سے لے جانا تھیں اور جو اسے گاڑی میں رکھ کر آنے کے لیے کہہ رہا تھا۔ بریف کیس دفتر جانے کی اپنی تیاری کے دوران اس نے اطمینان سے کمرے میں اپنی الماری میں رکھ دینے کے لیے کہا تھا۔

چند منٹوں بعد وہ کسی ضروری کام سے پھر کیس میں دیکھنا چاہتا تھا۔ اب اس نے اپنی جانے کی تیاری کرتے وہ بریف کیس نکالا تھا کہ کچھ ہی کہیں سے تو اس کے بریف کیس کو خراب ہوا دیکھا۔ اس نے وہ اپنی الماری میں رکھ دیا تھا اور کچھ ہی بریف کیس پر بھی اس کی الماری میں اس انکار میں رہا تھا کہ کب وہ اس کی مرمت اور درستی کا کام کرائے گا اور کب اسے دوبارہ استعمال میں لائے گا۔

اب حریم کے ساتھ کھیلتے ہوئے اس کھیل نے جیسے اس منظر کو اس کے سامنے لا کھڑا کیا۔ ایک دم ہی وہ ذرا قفل ذہن کی بند گرہیں یادداشت پر پڑا قفل ایک دم کھل گیا تھا۔ وہ حریم کے پاس سے فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔

"پاپا کہیں جا رہے ہیں؟" حریم نے اسے اٹھتے دیکھ کر جلدی سے کہا۔

"پرنسس! آپ ماما کے ساتھ کھیلیں۔ پاپا ابھی تھوڑی دیر میں آ رہے ہیں۔" جھک کر اس کے گالوں پر پیار کر کے اس نے اسے تکیے سے ٹکا دیا۔ وہ بہت جلدی میں تھا اور بے قرار تھا۔

تقریباً کچھ ہی دیر بعد وہ اٹھ کر حریم کے پاس بیٹھی آئی تھی۔ اسے کہیں جانے کی جلدی میں دیکھ کر اس نے حریم کا دھیان اپنی طرف کر لیا تھا۔ "پاپا کو ضروری کام یاد آ گیا ہے۔ ابھی آ جائیں گے۔"

تیز رفتاری سے گاڑی دوڑاتا وہ اپنے گھر پہنچا تھا۔

کسی بھی طرف نظر ڈالے بغیر وہ سیدھا اپنے کمرے میں آیا تھا۔ ایک وقت میں کئی کئی سیڑھیاں چڑھ کر اپنے کمرے میں آیا تھا۔ آتے ہی دھڑکتے دل کے ساتھ الماری کی طرف بڑھا۔

وہ پرانا بریف کیس الماری کے سب سے نچلے خانے میں پڑا تھا۔ اس نے ایک جھٹکے سے کھینچ کر اسے باہر نکالا۔ اپنے ہاتھوں سے دل میں دعا کرتے ہوئے اس نے اسے کھولا۔

ٹھیک طرح اس کا جائزہ لیتے ہوئے اس نے اسے کھولا۔ بریف کیس کے اندر اس کے سب ضروری کاغذات پڑے تھے۔ ایک کاغذ بھی رکھا تھا اور ان کاغذوں میں وہ سفید کاغذ بھی رکھا تھا جس کے اوپر کچھ بھی نہیں لکھا ہوا تھا۔ وہ کاغذ بالکل سادہ تھا۔ بیٹی بار اسے دیکھ کر اس پر نظر ڈالے بغیر اسے ہاتھ سے پوری قوت سے دور پھینک دیا تھا۔ سالوں بعد آج اسے نظر آ رہا تھا۔

وہ کاغذ کوئی عام کاغذ نہیں تھا۔ وہ کاغذ کے صفحات کو موڑ کر ہاتھ سے بنایا گیا ایک جہاز تھا۔ بریف کیس میں سے اٹھاتے اس کے ہاتھ بری طرح کانپ رہے تھے۔ کانپتے ہاتھوں سے اس نے کاغذ کھولا۔ کاغذ کے اندر کی تحریر میں ایک ہی ایک بات لکھی تھی جو اس نے پڑھی۔ بار بار پڑھی۔ کاغذ سے اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ اشعر کے ہاتھوں کے لمس کو محسوس کیا۔ آنسوؤں کے ساتھ اس کے ہاتھوں میں رکھے تھے۔ اس کی ملامت اور بے قراری سے ان آنکھوں کی نمی بھیگ رہی تھی۔

اشعر کے گلے لگنے پر اس نے غضب سے دیکھا تھا۔ اس کی اس وجہ سے تالاب اور بے قراری کو دیکھتے ہوئے وہ پیچھے چھوڑ کر حریم کے پاس آ کر بیٹھ گئی تھی کہ وہ جہاں کہیں بھی جانا چاہ رہا ہے وہاں فوراً جا سکے۔ اشعر فوراً آفس چلا گیا تھا۔ اس کے جانے کے بعد سے حریم کے ساتھ کاغذ کے جہاز اڑانے والا کھیل کھیل رہی تھی۔ حریم کے ساتھ اس کھیل کو کھیلتے ہوئے وہ اشعر کے اس عجلت اور بے قراری بھرے انداز کو سوچ رہی تھی۔

انہیں گھر واپس آئے ابھی ایک ہی دن گزرا تھا۔ آتے ہی اپنا سامان رکھ کر وہ کچن میں چلی گئی تھیں۔ شاور لے کر باہر نکلیں تو کچھ ہی دیر بعد ان کا حسب عادت اور ان کے لیے چائے بنا کر لے آئی تھی۔ کمرے سے جانے کا اشارہ کر کے وہ کمرے میں سے چلی گئی تھیں۔ کپ اٹھا کر اپنے بیڈ پر بیٹھ گئیں۔ چائے کے آہستہ آہستہ گھونٹ لیتی وہ کچھ سوچ رہی تھیں۔ ان کے چہرے پر بہت زیادہ ٹینشن اور پریشانی جھلک رہی تھی۔ اب ایک بار پھر انہیں کسی اہم بات کا خیال آ رہا تھا جیسے کوئی چیز انہیں بہت زیادہ پریشان کر رہی ہے۔

باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ

فرحت اشتیاق

ہمسفر

بصیرت حسین کو کاروباری دنیا میں اہم حیثیت حاصل ہے۔ ساری زندگی سخت محنت کے بعد انہوں نے یہ مقام حاصل کیا ہے۔ بیوی فریدہ نو عمری سے ساتھ اور بیٹے اشعر سے ان کا خاندان مکمل ہے۔ بصیرت حسین کی زندگی میں انھیں یہ بھی یاد ہے کہ ان کی اکلوتی بہن میمونہ احسان اور عاشی غربت میں زندگی گزار رہی ہیں۔ کینسر کے آخری اسٹیج میں انتہائی بے بس ہو کر میمونہ اپنی اکلوتی بیٹی کی ذمہ داری بصیرت حسین پر ڈالتی ہیں تو انھیں شدت سے اپنی کوتاہی کا احساس ہوتا ہے۔ وہ بہن کے علاج کے لیے ہر ممکن کوشش کرتے ہیں لیکن وہ جانبر نہیں ہو پاتیں۔ مرنے سے پہلے بہن کی آخری خواہش پوری کرنے کے لیے وہ اپنے بیٹے اشعر کی شادی خرد احسان سے کر دیتے ہیں۔

اشعر اعلیٰ تعلیم یافتہ ایک ذہین نوجوان ہے۔ خرد احسان کو بھی تعلیم سے لگاؤ ہے۔ والدین کی اکلوتی اولاد ہے۔ دونوں کے مزاج میں بھی بہت فرق ہے۔ اس کی دوستی سارہ سے ہے جو شادی کے بعد اشعر کی زندگی میں واپس آ کر الجھنیں پیدا کرتی ہے۔ اشعر بصیرت حسین کے کاروبار میں ہاتھ بٹاتا ہے۔ اس کی خواہش ہے کہ وہ ایک اچھا باپ بن کر دکھائے اور شادی کرتے ہوئے بھی کسی کو پچھتاوا نہ ہو۔

مکمل ناول

[illegible]

[illegible]

۶

[illegible]

ساتھ کوئی مقابلہ نہیں ہوگا لیکن اس کا باپ اسے
پڑھواتے گا اور جس میں صرف امراء کے بچے پڑھتے ہیں۔
بچی کی کوئی معمولی سی فرمائش جو وہ پورا نہیں کر سکتا
کرنے کے بعد تنخواہ ملنے پر بمشکل پوری کر پاتی تھی وہ
اس کا باپ اس کے منہ سے نکلنے سے پہلے پوری
کر دے گا اس کا باپ اسے گھمانے کے لیے ڈزنی
لینڈ امریکہ لے جانے کی بات کرتا ہے اور وہ بہت تیز
سامنے تو شہر کے اندر ہی موجود کسی تفریح گاہ تک اسے
لے جا سکی ہے اور خدانخواستہ خدانخواستہ حریم کی
زندگی میں پھر کوئی مشکل آئے تو اس کا باپ اپنے پیسے
اپنی طاقت کے بل بوتے پر مشکل چٹکی بجاتے حل کر دے
اور وہ اب بھی پہلے کی طرح پیسے کی جوڑ کے رہ جاتی
اور وہ کہیں سے کوئی معجزہ ہو جانے کا انتظار ہی کرتی رہ
جاتی۔ اس شخص کی زندگی [illegible] اپنا
بچی کو اس کے سامنے سے بھی بچا کر رکھتا ہے اسے
نفرت اس سے دور رکھتا ہے یہ ساری وہ جذباتی باتیں
تھیں جن کا حقیقت کی زندگی میں صرف یہ مقصد تھا
تھا کہ حریم کو ان آسائشوں ان سہولتوں سے دور
رکھوایا جائے جن پر اس کا پورا پورا حق ہے۔ حریم کی
بیماری اور اپنی انا کی لڑائی کے بعد اب جب وہ جذباتی
ہوئے بغیر ٹھنڈے دل سے حریم کے مستقبل کا سوچ
رہی تھی تو اسے پتا چل رہا تھا کہ اس کی بہتری اس کی
بھلائی اسی میں ہے کہ وہ اپنے باپ کے ساتھ رہے
باپ کے پاس اسے وہ سب کچھ ہو آرام اور آسائشیں
ملیں گی وہ ہزار چاہنے پر بھی بچی کو نہیں دے
سکتی۔

اشعر نے دوسری شادی کر لی ہوتی اور دوسری عورت
سے بھی اس کی اولاد ہوتی تب تو شاید وہ یہ بات اس
طرح نہ سوچ رہی ہوتی لیکن ایک مہینے تک دن رات
مسلسل ہر وقت جس طرح وہ ہاسپٹل میں حریم
کے ساتھ رہا تھا اور اب اتنے سارے دنوں سے
ہسپتال میں بھی جس طرح تمام وقت حریم کے قریب
گزارا تھا اس سے یہ بالکل واضح تھا کہ اس نے

دوسری شادی نہیں کی ہے بلکہ وہ تو تمام تر اشعر
حریم کو صرف اپنی بیٹی کے طور پر ہی قبول نہیں کر
بلکہ وہ اس سے بے تحاشا اور والہانہ محبت بھی کرتا
تھا۔ اشعر کی حریم سے محبت میں اسے ہرگز کوئی
شبہ نہیں تھا۔ وہ اس کے ایک آنسو ایک ادا پر بھی
اس کے چہرے کے تاثرات سے بے چین ہو جاتا
صرف پیسے کی عیش و آرام کی دولت کی بات ہوتی
شاید وہ اس بات کو اس طرح نہ سوچ رہی ہوتی
شاید حریم کو اشعر کو سونپ دینا اتنا آسان فیصلہ نہ
ہوتا لیکن اب جب کہ یہ بات بالکل واضح اور
روشن کی طرح عیاں تھی کہ اشعر حریم سے اپنی جان
سے بھی بڑھ کر پیار کرتا ہے تو وہ یہ بات کیوں نہ
سوچتی۔ اس [illegible] مہینے میں اشعر نے اپنی جو چاہت
محبت اور بے حساب آسائشیں حریم کو دی تھیں۔ ان
سب کو دیکھنے کے بعد وہ کیسے کہہ سکتی تھی کہ حریم سے
بے انتہا محبت کرنے والا اور ظالم ہو سکتا ہے [illegible]
آسائشیں جو سوچتیں حریم کو اس کی زندگی میں اس
باپ کی بدولت بہت پہلے مل جانی چاہیے تھیں۔ حریم کا
حق تھا اپنے باپ پر اس کی محبت پر اس کی دولت
پر۔

کئی دنوں سے چند دنوں میں اس نے حریم کے آنے
والے کل کو بہت سوچا تھا۔

"اشعر کے پاس وہ ہر صورت پائے گی زندگی کی
تمام خوشیاں دیکھے گی اور اس کے پاس رہ کر دیکھے گی
کہ زندگی جینے کی محنت مشقت کرنی [illegible]
زندگی کے سبھی رنگ دیکھے گی [illegible]
اس کی خواہش پر پورے دنیا کی کسی بہترین [illegible]
بہترین تعلیم حاصل کرے گی اس کے [illegible]
واقف ہو گی [illegible] تمام شادی اور تعلیم
ارادوں کے صرف خواب دیکھا کرے گی جہاں اس کا
باپ اسے پڑھنے لکھنے بھیج سکتا ہے۔ وہ
اور آگے جا کر اس کی شادی کا وقت آئے گا تو اس
کے پاس ہو گی تو اس کے ملنے والوں دوستوں کے اچھے

یہ کہ ان کے پڑھے لکھے قابل اس کی بیٹی کے
قابل [illegible] اس کی بیٹی سوچ نہیں سکتے
[illegible] بہت اچھے قابل لڑکوں کے اس کے لیے
رشتے آئیں گے اور اس کے پاس حریم کی خوب صورتی
[illegible] کی بدولت اسے پسند کرنے والے بہت
[illegible] مڈل کلاس لوگ اسے رشتے کے لیے
[illegible] آئیں گے اور محض اس کی ماں کی کم مائیگی اور
[illegible]
[illegible]

بہت ہی [illegible] اور صلاحیتوں والی اس کی بیٹی
زندگی میں ہر جگہ پیسے کی کمی کی وجہ سے مار کھائے گی۔
اس کی کم حیثیتی اپر مڈل کلاس بیک گراؤنڈ اسے
[illegible] کا اور پھر ایک روز وہ بہت پیاری بچی اس کے
[illegible] کے لیے آ کر جھک جائے گی۔
[illegible] اپنی انا کی جیت۔ اپنی انا کو [illegible]
[illegible] میں اس کی ماں نے اسے زندگی کی کتنی ہی
[illegible] سے محروم کر دیا ہے۔ زندگی کو اس کے
لیے [illegible] مشکل بنا دیا ہے۔

یہ ایک ماں کو سوچ کر بھی [illegible] نہیں ہو گا کہ وہ
[illegible] اس تنگ زندگی کو گزارے جو میری بیٹی کے حق
[illegible] باپ کے پاس سہولتوں سے آسائشوں
سے بھری زندگی گزارتی۔

حریم [illegible] کے پاس رہے گی تو صرف محبت پائے گی
باپ کے پاس محبت اور پیسہ دونوں۔

حریم کی زندگی ہی کے لیے وہ اس شخص کے دروازے
[illegible]
[illegible]
[illegible]
کہ حریم کی محبت اور سہارے [illegible]
[illegible] محبت اس کی [illegible] کہ اس کی بیٹی
[illegible] بہتری تحفظ خوشیاں اور سکون سب باپ
کے [illegible] میں ہے۔

اسے صرف اور صرف حریم کی بہتری اور اس کی

خوشیوں کو سوچنا تھا اپنے آپ کو اپنی ممتا کو نہیں بہت
[illegible] اشعر جس سے حریم محبت کرتی تھی [illegible]
[illegible] جانتا تھا کہ اب وہ حریم کو دور
[illegible] حریم کو اس سے چھین لے گا
[illegible] حریم کی محبت میں اس کی محبت کے صدقے میں
اسے حریم کی ماں کو اپنے گھر میں رہنے کی اجازت دے
[illegible] تھیں۔ لیکن اگر اس نے
اس کے رحم [illegible] قبول کرنے سے انکار کر دیا حریم کو
اپنے ساتھ واپس لے جانے پر اصرار کیا [illegible]
حریم کو اس سے اپنی طاقت کے بل پر چھین لے گا۔ وہ
قانون اور عدالت کے کسی گورکھ دھندے میں پڑے
بغیر اس کے چھیننے سے پہلے خود اپنی خوشی سے [illegible]
رخصت اپنی بیٹی اسے سونپ دینا چاہتی تھی۔ حریم کی
محبت اس کے خوب صورت کل اس کے روشن
مستقبل کی آرزو نے اس کی جدائی کا مشکل ترین
فیصلہ کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ [illegible]
[illegible]
[illegible] عزت صرف اور صرف پیسے کی
اور پیسے والوں کی [illegible] کہ اس کے ساتھ ہوا
[illegible] صاحب حیثیت [illegible]
والے باپ کی بیٹی ہوتی؟

حریم کی آنکھ نہ کھل جائے اس خوف سے وہ اپنی
سسکیوں کو دبا رہی تھی۔

وہ آنکھیں بند کر کے بے آواز آنسو بہا رہی تھی۔
کبھی ایک خوب صورت گڑیا سمجھ کر جو محبت اس سے
[illegible]
[illegible] سارے زخم [illegible]
[illegible] مشکل لمحے [illegible]
[illegible] بہت نازک اور خوب صورت
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

ذلت جو وہ [illegible] چھپا لیا تھا اور ساتھ ہی اس احساس نے کہ اس کے انکار اس کی انا کو مجروح کر دیا تھا کہ جس کی زندگی میں وہ زبردستی شامل ہو رہی ہے وہ اس کے قابل نہیں، وہ اس کے لائق نہیں ہے۔ [illegible] قیمتی ملبوسات، جیولری، امپورٹڈ کاسمیٹکس، عیش و آرام اور بہت شاندار شریک سفر [illegible] کسی بھی قیمت پر [illegible] اس کے قابل نہیں تھی۔ اس کی تمنا [illegible] اس نے اپنی اوقات سے بڑھ کر خواب دیکھنے والی لڑکی نہیں تھی۔ وہ [illegible] خود داری اور قناعت [illegible] زندگی کا شعور رکھنے والی تھی اور اس کے خواب بھی اپنی حیثیت کے مطابق دیکھا کرتی تھی۔

[illegible] اس دن کی اشعر حسین کی آرزو [illegible] اس کا مستقبل جانے پر وہ کیسے خوش ہو سکتی تھی؟ اس کی عزت نفس کس طرح سوالی [illegible] اس شخص کی [illegible] بیوی بنائے جانے پر بے وقعت محسوس کی تھی خود کو بہت کم حیثیت اور [illegible] محسوس کیا تھا۔

ایک بہت امیر گھرانے سے تعلق رکھنے والا وجاہت [illegible] اعلا ترین درس گاہوں سے اعلا ترین تعلیم حاصل کر کے آیا ہوا وہ بہت شاندار شخص [illegible] ہر معاملے میں اس سے برتر تھا [illegible] کم تر انسان کے ساتھ اپنی محدود دنیا اس چھوٹے سے گھر میں [illegible] تھی اور وہ یہاں اس شخص سے ہر لحاظ سے کم تر [illegible] اس کی زندگی میں شامل ہو کر وہ اپنی خود اعتمادی کھونے لگی تھی ایک عجیب سے احساس کمتری میں مبتلا وہ اس شخص سے کترایا کرتی تھی۔

[illegible] کلاس سے تعلق رکھنے والوں [illegible] گھرانے [illegible] اس کے [illegible] تھا اگر وہ وہاں خود کو اجنبی محسوس کیا کرتی تھی۔

اشعر اور [illegible] ان دونوں میں سے کسی نے بھی اس سے کچھ نہیں کہا تھا مگر وہ ان کی نظروں میں [illegible] تو [illegible] اس سے جڑنے والے رشتے [illegible] وہاں سے اٹھیں [illegible] اس شخص کی زندگی میں [illegible] کر دیا گیا تھا۔ اس سے اس کی ذات کا فخر [illegible] لیا تھا۔ اشعر سے تو وہ صرف کترا [illegible] شرمسار [illegible] اس کے مقابل خود کو بہت کم محسوس کیا [illegible] سے اسے صرف [illegible] اور [illegible] محسوس نہیں ہوتی تھی [illegible] سے [illegible] ایک ناقابل [illegible] تھا [illegible] آنکھوں [illegible] کچھ نہیں [illegible] تھا وہ اس سے [illegible] کم [illegible] کرتی تھیں مگر اسے ان کی نگاہوں سے خوف آتا تھا۔ اسے ان کی نگاہوں میں ایک [illegible] خاموش سا [illegible] آتا تھا اس نے [illegible] نہیں بتایا تھا کہ اسے [illegible] کی خاموشی سے اور [illegible] اشعر کی خاموشی [illegible] اس کی [illegible] نگاہوں سے [illegible] کیفیت میں [illegible] اس کے قریب آتی [illegible] جاتی تھیں۔

[illegible] سے نکل کر [illegible] اس شاندار شخص کی زندگی میں شامل [illegible] لیکن [illegible] گزرنے کے بعد اشعر حسین [illegible] تبدیلی ہونے لگی تھی۔ وہ [illegible] اشعر حسین نے [illegible] اپنی طرف [illegible] کی طرف [illegible] شروع کر دیا تھا [illegible] وہ اس کی خوبیوں کو سراہتے [illegible] محبت کا اقرار کرنے [illegible] سے والہانہ محبت کا اظہار کرنے والے ایک [illegible] میں [illegible] لیا تھا۔

"تمہیں پتا ہے [illegible] تم بہت اچھی ہو۔ تم [illegible] اچھی لڑکی [illegible] اپنی پوری زندگی میں نہیں دیکھی [illegible] ایسی ہی رہنا [illegible] تمہاری یہ سادگی [illegible] انمول ہے۔" [illegible] نے کہا۔

"[illegible] اچھی ہوتی ہے جس بھی طرح ہوتی ہو [illegible] ایک [illegible] اگر مجھے انتخاب کا حق [illegible] دنیا کی تمام لڑکیوں میں سے مجھے اپنے لیے کسی ایک لڑکی کے انتخاب کا حق ملتا تو میرا انتخاب [illegible] تم ہی ہوتیں صرف تم۔"

"میں تم سے محبت کرتا ہوں [illegible] تم سے اچھی لڑکی [illegible] اپنی پوری زندگی میں نہیں دیکھی۔"

"[illegible] پتا ہے [illegible] تم میرے لیے کتنی خاص ہو؟ [illegible]"

[illegible] خاص میرے لیے [illegible] کیا ہے۔ [illegible] خاص [illegible] صرف [illegible] اور [illegible] تمہارے ساتھ [illegible] تمہیں کی [illegible] لیے [illegible] اقرار، یہ اظہار اس نے [illegible] اسے [illegible] اس سے [illegible] سوچتی [illegible] خواب [illegible] اس کے بغیر کس طرح گزارتی تھی۔ اب [illegible] ایک [illegible] کی [illegible] ایسی [illegible] اس سے [illegible] کی [illegible] ایک [illegible] سے اس کی [illegible] ایک [illegible] اس کی محبت میں [illegible] کی [illegible] جیسا اس کی شریک [illegible] ہونا چاہیے [illegible] اسے پسند [illegible] سب [illegible] ترک کر دے۔

[illegible] پارٹیز میں [illegible] تقریبات میں [illegible] اپنے [illegible] ساتھ لے کر جاتا تھا۔ اشعر نے اس کی [illegible] میں اور بھی بہت کچھ کہا تھا اسے ان [illegible] سے [illegible] بلند اور [illegible] قرار دیا تھا۔ [illegible] محبت [illegible] کہتا تھا [illegible] جیسا اشعر حسین کی بیوی [illegible] ہونا چاہیے تھا اسے اس [illegible] سے [illegible]

[illegible] ساری [illegible] کسی [illegible] کی [illegible] دکھائی [illegible] قیامت آمیز نگاہوں اور [illegible] سے بہت پہلے سے وہ جانتی تھی کہ وہ اشعر [illegible] اس کی [illegible] سب [illegible] ہے [illegible] وہ اس کے [illegible] میں [illegible] کم ہے۔

[illegible] اشعر کو صرف پسند نہیں کرتی تھی بلکہ وہ اس سے محبت کرتی تھی۔ شادی کے بعد [illegible] ایک [illegible] سے [illegible] ملاقات ہوتی [illegible] اس کی [illegible] اور [illegible] سے [illegible] تھی وہ [illegible] کی نگاہوں میں اپنے لیے حسد اور نفرت سے بھرے جذبات [illegible] محسوس کرتی تھی۔ [illegible] کے ان رویوں میں [illegible] تک اشعر کی بات تھی اس نے [illegible] اشعر کو [illegible] دنیا کی کسی دوسری لڑکی میں کوئی دلچسپی نہیں [illegible] تھی۔

[illegible] کی [illegible] سب [illegible] میں [illegible] اظہار [illegible] گرم جوشی سے [illegible] حسین [illegible] اشعر کے ساتھ [illegible] خوش [illegible] تھا اور [illegible] اشعر کے پاس سے [illegible] کے لیے [illegible] تھی۔

[illegible] اشعر حسین کی [illegible] ہیں [illegible] میں بھی [illegible] لڑکیاں [illegible] دلچسپی [illegible] اور [illegible] کی [illegible] کاش [illegible] ہے [illegible] کچھ ایسا ہی [illegible] ہوا ہے اشعر کے اور ان کے ساتھ۔"

بظاہر مسکراتے ہوئے [illegible] جیسے ایک [illegible] تکلف [illegible] تھا۔ [illegible] اس کی تمام [illegible] کی [illegible] تھیں۔

اسے [illegible] کا احساس ہوا تھا۔

"I Wish [illegible]"

[illegible] سارے [illegible] تھا [illegible] اور [illegible] طرح [illegible] کی [illegible] لڑکیوں کے بیچ [illegible] کے [illegible] ختم ہوتے [illegible] کی [illegible] کسی [illegible]

جب باپ کی بیٹیاں ان کے کیٹیگل ٹیک گراؤنڈ کے متعلق سوالات کرنے لگیں ۔ تبھی لباس، زیور، استعمال اور اشعر کی نام رکھی گئی ہے وہ اس کالج آتا تھا انہیں یہ بتایا گیا تھا کہ وہ ان میں سے نہیں تو ان کی کلاس میں تبدیلی تھی داخل ہوئی ہے ۔ انہیں جب ان کی پہلی بار اس نے انعقل میں بھی شرمندگی محسوس نہیں کی تھی اس وقت بھی نہیں کی جب انہوں نے نفرت سے اپنا ان آنکھوں کے بارے میں بتایا تھا مگر پھر بھی اسے خود میں ایک کمی کا احساس ہوتی شدت سے ہوا ۔ وہ ان کی اعتماد اور بولا لڑکیوں کی طرح پُراعتماد نہیں تھی اس نے کسی دور میں کالجوں کی بھی شکل بھی نہیں دیکھی جن سے ان لڑکیوں نے تعلیم حاصل کر رکھی تھی ۔ ان میں کوئی کانوینٹ کی پڑھی ہوئی تھی کسی نے کسی امریکن اسکول سے تعلیم حاصل کی تھی کوئی IBA سے ڈگری یافتہ تھی تو کوئی LUMS سے پڑھ کر آئی تھی کوئی لندن سے پڑھ رہی تھی تو کوئی NCA میں اور کوئی سارا اسحل کی طرح یو کے کی UK ایک کسی شاندار تعلیمی ادارے کا نام لے رہی تھی ۔ ایک عام سے اسکول میں پڑھی ایک چھوٹے سے کالج سے BSC کی تعلیم احساس ان لڑکیوں کے مقابلے میں بہت کم تر تھی ۔

اس کلاس میں اردو کے چند الفاظ بھی جیسے مجبوری استعمال کرتی وہ تمام لڑکیاں اسے ایسے ہی دیکھ رہی تھیں جیسے کسی کی سی بہت سی سادی کم تر سی لڑکی کو دیکھا جاتا ہے ۔ سارہ نے اس دوران میں بھی حسین کی اس کے ساتھ کی اس سے تعلق ظاہر ہی بات تھی کہ ابھی اس میں ہمت کی ہے ۔ اشعر کی کلاس کی لڑکیوں کی طرح بولڈ اور مغرب زدہ نہیں لیکن کانفیڈنٹ اور سیر سے پڑھ کر اعلیٰ تعلیم حاصل کر نے والی لڑکی ہے ۔

سارہ کے اس انداز نے اس سے کیا محسوس کیا تھا اسے اس کی طرف تھوڑی دیر اور تھوڑا سا اشارہ تھا اس نے یہ سب اشعر کو بتایا تھا اور اشعر حسین کی بیوی ہے اور شوہر کی عزت ہو گی یہ اس کا فرض ہے اس کی ذمہ داری ہے اگر کسی جگہ ہے عزت ہوئی

تو وہ بے عزتی اس کی نہیں اشعر کی ہوگی وہ لوگ اسے معیار اور مرتبے کے مطابق جانے کی اس کے سے ساتھ ہی لیا تھا ۔

آگے پڑھنا MSC کرنا یہ سارے شادی پہلے کے خواب تھے ۔ اب اگر اسے یونیورسٹی میں ایڈمیشن لینے کا اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا شوق وہ اور خود سے کچھ اس عمر کے سبب ہے ۔ وہ اشعر کی صرف محبت نہیں بلکہ اس کے لیے فخر کا باعث بھی بننا چاہتی ہے ۔ اشعر اسے آگے پڑھنے کی خوشی اجازت دے ۔

تھا تو اس نے تو بڑی خوشی خوشی فوراً اس کی یونیورسٹی میں ایڈمیشن لیا تھا اشعر کے ایسے کہنے کی کبھی ہمت وہ اس پر ظاہر کیے ۔ وہ اعلیٰ تعلیم اب اپنے لیے نہیں صرف اور صرف اس کے لیے حاصل کرنا چاہتی تھی ۔

ملک کے ایک مختلف گوشے ، دنیا کی اعلیٰ ترین یونیورسٹیوں میں سے ایک یونیورسٹی میں پڑھتے اعلیٰ ترین تجربوں والے جانتے ہیں کی طلب کبھی آنکھوں کی حسین اکمل اور ذہین اور دولت لڑکیوں سے ملے انہیں تھوڑی سی دیر کے لیے پانے کے بعد کیا اشعر کا نصیب ایک معمولی نظر نہ آنے والی عام سی لڑکی تھی ؟

اشعر سمجھتا تھا اپنی پسند کے مضمون میں ایک اور ڈگری کے حصول کے لیے کہتا ہوا وہ اپنے شوق کی تکمیل کر رہی ہے وہ اس سے کبھی نہیں کہہ سکی کہ وہ اسے حاصل تو وہ اس کی خاطر اور اپنے دل کی تسلی کو وہ اسے اپنی محبت اپنی وفا ثابت نہیں کر سکی بالکل وہ اس کی طرح نہیں اس کی طرح لفظوں کو خوبصورت استعمال نہیں جانتی تھی لفظ نہیں آتے اسے تو اس شخص سے محبت کرنے کے سوا کچھ بھی نہیں آتا لیکن اپنے شوہر کی محبت میں ہر آئی وہ لڑکی والی تو جانتی تھی بالکل نہیں ۔

☆ ☆ ☆

بے وقوف تھی ، احمق تھی ۔ وہ تو واقعی کسی چھوٹے سے گاؤں کی ایک بہت سادہ بہت معصوم

دی تھی ۔ وہ دنیا کے ہر انسان کو اپنے جیسا سمجھتی تھی سیدھا سادا اور سچا ۔ سونے کا اصل روپ تو بالکل اندھی شکل زیادہ ہی اس انجان لڑکی نے پہچانتی تھی جو سامنے ہوتا وہ اچھا لگتا تھا تو اس کے چہرے سے ظاہر ہو جاتا تھا یہ وہ بات ہے جو حق گلتا ہو وہ لگتا ہے ۔

لیے لگتا تھا اسے ناپسند کرنے اور اس سے نفرت کرنے والوں میں سارہ اسحل اور اسی کی طرح کی اشعر کی ہاسٹل میں رہنے والی دوسری غیر شادی شدہ لڑکیوں کے سوا کوئی نہیں لیکن وہ غلط تھی ۔ سارہ اسحل اور دوسری لڑکیوں کی نفرت تو کچھ بھی نہیں تھی اصل نفرت کے آگے تو ایک عورت تھے جب اس پر ظاہر ہوئی تو اس کے تو اس کی زندگی کو ہلا کر ایک پل میں رکھ کر اللہ نے اس عورت کا اس نے بتایا تھا اسے اس سے اتنی شدید نفرت کیوں کرتی ہے تب بھی وجہ نہیں جان پائی ۔ اشعر کی نظروں کے مطابق اس کے معیار کے مطابق خود سا لینے کی خواہش میں یونیورسٹی جانے آگے تعلیم حاصل کرنے کی سعی ہی آئندہ کتنی اس نے صرف دو دنوں اس عورت کی ساری کہانی سن لیے تھے جو اس نے یہ جانا تھا اس کا کمرہ تو وہ آنکھوں سے اس دن سے شروع کر رہا تھا انہیں روز وہ گاڑی اور یونیورسٹی کے گیٹ سے داخل ہوتی تھی ۔ حالانکہ اس کا تو یونیورسٹی جانا تو اس شاطر عورت کے لیے صرف اپنے مذموم ارادوں پر عمل کرنے کا ایک ذریعہ تھا ۔

اس عورت نے روز اول سے طے کر رکھا تھا کہ اپنے بیٹے کی زندگی سے فریحہ اسحاق کو نکال کر رہے گی اس احسان کو بیٹے کی نگاہوں سے گرا کر دم لے گی وہ بیٹے پر ثابت کر جائے گی کہ ہے جس عورت کو اس نے محبت کی ہے وہ اس کے قابل تھی۔

فریحہ حسین اس کی ساس تھی ، تھیں اس کی ماں جیسی تھیں مگر ان کا انداز نہیں جانتی تھی کہ ان میں اس کے لیے اتنا زہر بھرا ہے ۔

اس کی شادی کو بہت زیادہ دن نہیں ہوئے تھے جب اشعر اس کے لیے شوہر سے بڑھ کر محبوب بن گیا تھا اور فریحہ حسین اور اس کی اس کے ساتھ تھے ان کے پاس ان کے گھر کے بیڈ روم میں بیٹا کر جھکتی تو لیا لگ رہی تھی اپنے سسرالی گھر میں سجی بیٹھی تھی ۔ تب سامنے شفقت اور محبت آنکھوں میں لیے ہوئے کہ ان کے سسر نہیں صرف ماموں ہیں ۔ اس فریحہ حسین کے ساتھ اس کا پہلی روز جیسا بے تکلف تعلق تھا ان کا پیار سے ساتھ اور دیکھ کر ان کا وہ پیار تھا جیسے وہ اپنے ماموں اور شوہر کی محبت پر جھک کے ہی ممانی کی بھی محبت پا جائے گی ۔ فریحہ ممانی کے طور پر دل سے قبول کر لیں ۔ ان کے کاموں میں بہو نہیں تو اس سال کا رویہ موقف وہ بھی نظر آنکھ سے اشعر ان کا اکلوتا بیٹا تھا ۔ اور وہ لائق اور بہت شان اور سانپ تھا ۔ جانے کتنے اعلیٰ گھرانوں کی حسین ترین لڑکیاں اور ان کے والدین اشعر کے رشتے کے لیے ان کے شانہ بشانہ منتظر بیٹھے تھے اور ان کے بیٹے کی تقدیر ایک انتہائی معمولی لڑکی کے ساتھ جوڑ دی گئی تھی ۔ اپنے لاڈلے بیٹے کے لیے اگر وہ کسی اعلیٰ بہت اونچے گھرانے کی لڑکی کے خواب دیکھتی تھیں تو ایسے خواب تو ہر ماں اپنی اولاد کے لیے دیکھتی ہے ۔ تقدیر کو منظور نہیں ہو سکا تھا اس کے دل کی شدید آرزو تھی دا رائی ساس کی طرح سے جوڑی ہے ۔ لیکن وہ ان کے قریب جانے کی ہمت نہیں کر پائی تھی ۔ کبھی کوئی ایک لمحے میں انہوں نے اسے یہ احساس کیا تھا کہ وہ اسے ناپسند ہے ۔ جب وہ بے اور مکمل رکھنے والی خاتون تھیں ۔ ایک تکلف تھا ایک فاصلہ تھا ایک دیوار کھنچی تھی اس کے اور فریحہ حسین کے بیچ ۔ مگر یہ فاصلہ یہ دوری اور یہ تکلف بہت زیادہ دنوں تک قائم نہیں رہا تھا جیسے اشعر اپنے ماں سے بے زاری کا اظہار کرنے کے بعد سچ سے پسند کرنے لگا تھا اس سے محبت کرنے لگا تھا ایسے ہی فریحہ حسین بھی اسے پسند کرنے لگی تھیں ۔ وہ خود اس کے قریب ہوئی تھیں انہوں نے اس کے ساتھ محبت اور دوستی کا تعلق قائم کر لیا تھا انہوں نے اس سے کہا تھا وہ انہیں

معاملہ نہیں بلکہ اشعر کی طرح ہی کہا کرتے تھے۔ وہ فریدہ
حسین کو اپنے پیسے اور طاقت پر غرور اور گھمنڈ رکھنے
والی ایک مغرور عورت سمجھا کرتی تھی، جبکہ حقیقت
قطعی مختلف تھی۔ سارا مسئلہ کیا وہ اس کی لڑکیوں
کرنے لگی تھیں جیسے ایک ماں اپنی بیٹی کی کرتی ہے۔
وہ کہتی تھیں ان کی دونوں بیٹیاں بیاہ کر اپنے اپنے
گھروں کو چلی گئی ہیں ایک ملک سے باہر ہے تو دوسری
بصیرت اگر اب اس کے آجانے کے بعد انہیں گھر میں
بیٹی کی کمی کا احساس نہیں ہوتا۔ وہ بصیرت حسین
اور اشعر سے بھی بڑھ کر اس کی خوبیوں کو سراہتیں۔
بصیرت حسین رخصت ہوئے تب وہ بہت بری طرح
ٹوٹ گئی۔ تب اشعر سے بھی زیادہ فریدہ حسین نے
اسے سنبھالا تھا۔ اسے اپنے سینے سے لگا کر رو لیے
بیٹے افسوس سے کہا تھا۔

"بیٹی کی محبت کیا تھی اور میرے ساتھ اولاد چلے
گئے ہیں تھا وہ کہ دل کی بدولت مجھے بصیرت سے
کہتی تھیں اب مجھ سے کیا کہا۔ کیونکہ وہ تھیں
بیٹی صرف زبان سے نہیں بلکہ دل سے مانتی کی بولا
ہے۔"

پھر انہوں نے ایسا کر کے بھی دکھایا تھا۔ بصیرت
حسین کے بعد انہوں نے اس کا پہلے سے بھی زیادہ
خیال رکھنا شروع کر دیا تھا۔ اس کی چھوٹی بڑی ہر چیز ہر
ضرورت کا انہیں دھیان رہتا تھا۔ وہ اس کے کھانے
پینے، اس کے لباس، ایک ایک چیز کا بالکل اسی طرح
خیال رکھتی تھیں، جیسے کوئی ماں اپنی بیٹی کا رکھا کرتی
ہے۔ اشعر کے آفس سے آنے کے وقت سے پہلے
حلیے، بال، میک اپ اور جیولری کے حوالے سے کئی
بار ان کی طرف سے ہدایت و کہ شوہر کو قابو میں رکھنے
کے گن سکھا کر وہ "بیٹی مشورے" کا حکم دیتیں۔
اس پر انہوں کی بدولت کا بہت زیادہ اثر ہوا تھا۔ اس
صورت کے باوجود اس نے یونیورسٹی جانا شروع نہیں
کیا تھا۔ تب انہوں نے ہی اسے یونیورسٹی جوائن
کرنے پر آمادہ کیا تھا۔ وہ اسے اپنے ساتھ اپنے
دوستوں اور ملنے جلنے والوں کے ہاں بھی اکثر لے جایا
کرتی تھیں۔ اپنی این جی اوز، بیگم سوشل ورک سے
متعلق بھی کئی سیمینارز، کانفرنسز میں بھی وہ احباب
ساتھ لے جا کر اس کا ان سے تعارف کرواتی تھیں۔ وہ انہیں اپنے
جاننے والوں سے "یہ میری بہو نہیں بلکہ بیٹی ہے"
کہہ کر متعارف کرواتی تھیں۔

وہ اسے اپنی این جی او فرینڈ افضل کے گھر بھی اپنے
ساتھ لے کر گئی تھیں۔ سارا افضل کی وجہ سے وہ وہاں
جانا نہیں چاہتی تھی مگر فریدہ کے اصرار پر ان کی خاطر
چلی گئی تھی۔ وہاں اس کی خضر عالم سے ملاقات ہوئی
تھی۔ خضر سے پہلے بھی ایک دو بار فرینڈ کے طور پر
یا سارا میں وہ دیکھ چکی تھی اور جب یونیورسٹی میں
تعارف کیا بھی تھا۔ جس ماحول سے نکل کر وہ آئی تھی
وہاں لڑکوں سے دوستی تو کیا بے تکلفانہ بات چیت بھی
بہت معیوب سمجھی جاتی تھی۔ اشعر سے شادی کے
نتیجے میں اس کی کلاس تبدیل ہو گئی تھی۔ اس کا اپنا
بھی اچھائی اور برائی کے معیار بدل چکے تھے، مگر وہ اپنے
ماحول، مزاج اور تربیت کے خلاف کسی لڑکے سے بے
تکلف گفتگو ہرگز نہیں کر سکتی تھی۔

اگلی بار خضر ان کے گھر آیا۔ زینت نے فریدہ کے
لیے کوئی چیز اس کے ہاتھ بھجوائی تھی۔ تب فریدہ کے
بلانے پر اسے وہاں آ کر بیٹھنا تو ضرور پڑا مگر سلام دعا
سے ہٹ کر خضر سے اس کی کوئی بات نہیں ہوئی۔
سارا وقت فریدہ ہی خضر سے بات کرتی رہیں۔ خضر کے
چلے جانے کے بعد انہوں نے اسے اس کی بداخلاقی پر
ٹوکا۔ "گھر آئے مہمان کے ساتھ اخلاق سے بات کرنا
چاہیے۔"

اسے پتا تھا وہ ٹھیک نہیں کہہ رہی تھیں۔ مردوں سے
حد سے بڑھ کر کترانے والی اس کی عادت اشعر کی
کلاس میں بداخلاقی، اپنی کلاس کے خلاف سمجھی جاتی
تھیں۔ مگر اپنی خامی کا ادراک کر لینے کے باوجود کہ
اس کے لیے اپنے مزاج کو تبدیل کرنا مشکل ثابت
ہوا تھا۔

خضر نے کلاس میں اس کے پاس آ کر اس سے
نوٹس اور لیکچر وغیرہ شیئر کیے۔ [illegible]

رشتہ دار سمجھ کر اسے اپنی چیزیں دے تو دیتی ہاں کوئی بھی چیز لی ہو اور ناخوشی اس کی اس سے ہرگز نہ ہوئی۔ وسیم والے ایسے لوگ نہیں تھے بیچنے والے اور مختلف مزاج کی نئی پرانی لڑکی کے اس سے بے تکلف ہو جانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس کی دوستی صرف ساحرہ اور ہمدرت کے ساتھ تھی۔ حماد جو ساحرہ کا فرسٹ کزن بھی تھا اور ان دونوں لڑکیوں کی دوستی کا چونکہ علم تھا وہ کبھی کبھار ساحرہ ہی سے کوئی بات کرنے کچھ لینے یا کچھ دینے ان لوگوں کے پاس آتا۔ ان لوگوں کی کلاسز شروع ہوئے زیادہ دن نہیں ہوئے تھے جب حماد کے ساتھ شعر نے بھی ان لوگوں کے پاس آنا شروع کر دیا۔ حماد تو ان لوگوں سے سلام دعا کے بعد صرف ساحرہ سے مخاطب ہوتا جبکہ شعر ان تینوں لڑکیوں سے لا متناہی باتیں شروع کر دیتا۔ وہ سوائے مسکرانے کے کچھ بھی نہیں بولتی۔ شعر کے بے تکلف اور دوستانہ انداز کی بدولت بہت جلدی ہمدرت اور ساحرہ کی اس کے ساتھ بے تکلفی اور دوستی ہو گئی تھی۔ اب شعر حماد کو کمپنی کرانے ان لوگوں کے درمیان آکر بیٹھ جاتا تھا۔ لائبریری میں ہو یا کینٹین شعر حماد کو بھی وہاں لے آتا۔ وہ ایک کم گو اور سنجیدہ قسم کی لڑکی تھی۔ اس بات کو شعر اور حماد دونوں سمجھتے تھے اور وہ دونوں ہی اس سے مختلف انداز میں گپ شپ کر کے ہی بات کیا کرتے تھے۔ شعر خود ہی ان کے گروپ میں شامل ہونے کی کوشش کرتا تھا حماد کو بھی کھینچ کھینچ کر ان تینوں کے پاس لے آتا تھا۔ اس کے ان لوگوں کے پاس اس طرح آنے کی کوئی اور وجہ سوچی ہی نہیں جا سکتی تھی۔ شعر شادی شدہ تھا" صرف شعر کیا تقریباً" سارے کلاس بلکہ کالج کی تقریباً تک یہ بات جانتے تھے" ساحرہ شادی شدہ تھی اور شعر اس کے شوہر کے ہمراہ ان کے گروپ میں آیا کرتا تھا۔ اپنی ہمدرت تو اس کی بات چیت بھی ایسی ہی ہوتی تھی جس میں [illegible] سنجیدگی ہوتی [illegible] شادی [illegible] اور [illegible] شعر [illegible] ہو سکتی تھا وہ اس کے گروپ کے [illegible] اور [illegible]

کے داخلہ حصول کے لیے ان لوگوں کے گروپ میں شامل ہونا چاہتا تھا۔ کیونکہ بھی ان تینوں سے اس بات سے شعر کا صاف ذاتی انداز تھا جبکہ ساحرہ جس حد تک ہمدرت اور حماد کی لڑائی کے لیے شعر کے منہ تک یہ بات کہہ دی تھی اور اس نے تیاری شروع ہونے سے پہلے [illegible] بات بتا کر اس کے انداز کی تائید کر دی تھی۔ وہ دونوں جیسے ان کے گروپ کے [illegible] ممبر بن گئے تھے [illegible] جس وقت ان تینوں کے پاس لائبریری کلاس روم یا کسی بھی اور جگہ آکر بیٹھتے تو ان دونوں سہیلیوں کے ساتھ بے تکلفی سے ہنستی مسکراتی اور بے تکلف باتیں کرتی تو وہ ایک دم ہی خاموش ہو کر بیٹھ جاتی۔ بچی وہ بہت کم بولتی اور بہت تکلف سے بولتی۔ سوال میں ایسا ہی ہوتا تھا شعر اور حماد کا بھی ہو گیا تھا۔

شعر کچھ زیادہ [illegible] اس سے بے وجہ ہی [illegible] لیتا اور اکثر وہ اسی شام اسے [illegible] ان کے گھر آ جاتا [illegible] شعر کبھی موجود ہوتا کبھی نہیں [illegible] شام کے اس وقت میں [illegible] جب وہ اس کی [illegible] آنکھ [illegible] جانے لگتا تو [illegible] محبت اور اصرار سے [illegible] جلدی سے کسی بھی [illegible] کو آواز لگا کر اس کے لیے چائے اور [illegible] لانے کو کہتیں [illegible] شعر کو بہت زیادہ پسند کرتی تھیں۔ وہ ان کی باتوں [illegible] بہت زیادہ انجوائے کرتی تھیں۔ شعر کو بھی ان کے ساتھ باتیں کرنے میں [illegible] آتا تھا [illegible] وہ اس کے [illegible] اور [illegible] وہ [illegible] دیکھنے کے لیے ان کے گھر اکثر آ جایا کرتا تھا۔ شاید وہ اپنے گھر والوں کی کمی محسوس کرتا تھا وجہ جو بھی تھی بہرحال [illegible] وجہ سے [illegible] کی وجہ سے شعر کی حمایت کرتی [illegible] زیادہ پسند کرتی تھیں [illegible] اس کے ساتھ [illegible] بہت [illegible] شعر بھی [illegible] اور [illegible] بات کیا کرتا تھا۔

لیکن یہ اس شاعر عورت کا کمال تھا جس نے یہ کام [illegible] ہوشیاری سے ترتیب دیا تھا کہ ایسا لگے جیسے اس کی شعر کے ساتھ دوستی ہو گئی ہے۔ اگر وہ اپنے خلاف [illegible] کسی سازش کا [illegible] ہو گئی ہوتی تو شعر پر واضح کر دیتی کہ اس کا شعر عالم سے دوستی کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ وہ [illegible] کو [illegible] کہ بات کر دیتی جبکہ اس کے دل میں کوئی برا [illegible] خیال تھا ہی نہیں۔ مگر اسے علم نہیں تھا کہ [illegible] چھوٹے چھوٹے بظاہر بہت بے ضرر اور عام سے واقعات [illegible] معمولی معمولی باتیں جن کی نہ اس کی نگاہوں میں کوئی اہمیت تھی نہ شعر کی۔ لیکن وہی معمولی باتیں اور بے ضرر واقعات [illegible] شعر کے دل میں اس کے خلاف شک اور بدگمانی کی عمارت کھڑی کرنے کے لیے بنیادوں کا کام کر رہے تھے۔

وہ سوچ بھی کیسے سکتی تھی کہ وہ اس کے ساتھ کتنا گھٹیا کھیل کھیل رہی ہیں۔ ایک بہت چاہنے والی ماں کا روپ دھار کر وہ اسے چوہدری اپنے زیر اثر لے چکی تھیں کہ اسے کوئی بات کہنے کی بھی [illegible] کسی تیسرے کے کہے فیصلے کے خلاف جانے کا تصور تک نہیں کر سکتی تھی۔

شعر سے اس کا تعلق کس کی خاطر اور رشتہ داری کے لحاظ سے تھا پھر بھی شعر کا جو اس کی تھی۔ اس کی معصومیت اس کی سادگی تھے شعر ہمیشہ بہت زیادہ سراہتا تھا اس کی اسی معصومیت اس سادگی کو اس بے انتہا چالاک عورت نے بڑی ہوشیاری سے اپنے حق میں استعمال کر ڈالا تھا۔

وہ اسے اس کے شوہر کی نگاہوں سے گرانے کے لیے تحریر چلا رہی ہیں اس کے دل ایک ایک [illegible] کر رہی تھیں۔ اسے اپنے ایک شاطرانہ جال میں پھنسا رہی تھیں۔ وہ اسے خود اعتمادی کا درس دیتی تھیں وہ ان کے [illegible] اور [illegible] کے پیچھے [illegible] بیٹے کی زبان [illegible] اور [illegible] کو تبدیل نہیں کر پائی تھی سادہ سی تھی [illegible] آگر وہ شعر کے دل میں شک کا بیج بو رہی تھیں تو وہ جانتی تھیں کہ شعر کتنا غلط ان کا ساتھ تھا۔

وہ ایک کیا لیکن اپنی وہی کلاس فیلوز سے دوستی کر لیتی اس کے لیے ان لڑکوں کے ان کے گھر [illegible] آتے [illegible] بھی کوئی غلط بات ایک لمحے کے لیے بھی نہیں سوچ سکتا۔ خود اس کی کئی لڑکیاں اور عورتوں سے بڑی مختلف حوالوں سے بھی اور کسی دوسرے حوالے سے بھی دوستیاں تھیں۔ لیکن بات تو ساری یہی تھی کہ ان کی بہانا کی تھی۔ وہ اس بے وقوف لڑکی کو خوب مہذب تک جان گئی تھیں اور اپنے بیٹے کو تو وہ اچھی طرح سمجھ رہی تھیں۔ اپنے بیٹے اس کے دل میں بیٹے کے دل میں بیوی کے لیے شک پیدا کر ڈالنے کے لیے انہوں نے بڑی ہوشیاری بڑی مہارت سے کام لیا تھا وہ نفسیات کی ماہر تھیں۔

جانی آنکھوں کے سامنے آئی تو جا رہا تھا اس کے چہرے کے بجھے سے ان کا کیا کوئی کلام کوئی عمل کوئی بات یہاں تک کہ ان کے منہ سے نکلا ایک ایک لفظ بے مقصد نہیں تھا۔

وہ اس عورت کے تیار کردہ ڈرامے کے دو مرکزی کردار تھے اس کا تیار کردہ ڈرامہ بہت مضبوط کمال رکھتا تھا۔ شعر کا جنون ملک [illegible] اور شعر کا اکیسویں [illegible] ان دونوں واقعات کا ساتھ ساتھ وقوع پذیر ہونا کیا اتفاق کہہ سکتی تھی اس بات پر کہ شعر کے اکیسویں [illegible] کی سارا تھا اس ڈرامے کا نقطہ تھا اس ڈرامے میں ملے جلتے کیا گیا تھا کہ یہ سارا واقعہ تب ہو جب شعر اپنے معمول کے کسی [illegible] پر گیا ہو تاکہ اس کے واپس آنے کے بعد ان حالات سے کو اپنی مرضی کے رنگ بھر کر اس کے کانوں تک پہنچایا جا سکے۔ تب وہ واقعہ کیا کوئی بھی واقعہ ڈرامے کا حصہ بنا تھا ارادہ کر بعد میں سوچنے پر کہ سکتی تھی کہ اس سارے ڈرامے میں وہ عورت اکیلی تنہا نہیں تھی۔ اس کے ساتھ زرینہ اکمل بھی تھیں۔ شعر عالم بھی تھا زرینہ اکمل کے اس ڈرامے میں شامل ہونے کے عوامل کو سمجھنا کوئی مشکل بات نہ تھی۔ اپنی اکلوتی بیٹی سارہ اکمل کو اس کی محبت تک رسائی دلوانا لیکن شعر عالم؟ وہ کیسے فریدہ حسین یا زرینہ اکمل کے

انھوں نے کمرے میں آ کر پوچھا تھا۔
ایکسیڈنٹ کا یہ سارا واقعہ ایک ڈراما تھا مگر اس ڈرامے میں حقیقت کا رنگ بھرنے کے لیے قمر نے خود کو بھی گرایا تھا، خود کو چوٹیں لگائی تھیں۔ اگر ان کی گاڑی واقعی نہیں جاتی جان بوجھ کر کسی بھی ٹکرائی گئی تب بھی کچھ نہ کچھ ضرور ہوتا کہ کسی بھی ہسپتال میں [illegible] ان کا انتظار کر رہی تھی، لیا جا سکتا ہے مگر بعد میں اتنے سارے دنوں تک شکوانے کی اتنی کامیاب اداکاری مسلسل نہیں کی جا سکتی۔ قمر عالم کے ایکسیڈنٹ پر زرینہ اصل میں دو کر پکڑی ہوئی تھیں۔
قمر کے ایکسیڈنٹ کی اطلاع ملتے ہی زرینہ ہسپتال بھاگی تھیں، فریحہ اس کے ساتھ مسلسل رہی تھیں۔ صبح سے شام ہو گئی تھی اور فریحہ گھر واپس نہیں لوٹی تھی۔ اس نے انھیں ہسپتال فون کیا۔ پتا چلا کہ ایکسیڈنٹ میں قمر کا بہت خون ضائع ہو گیا ہے۔ اسے بہت زیادہ مقدار میں بلڈ کی ضرورت ہے۔ بلڈ بینک سے فوری طور پر بلڈ ملا تو ہے مگر خون کی ضرورت پوری نہیں ہو رہی۔ ان کی آواز میں بہت پریشانی تھی کہ وہ ترس کر رہ جائے، کسی ایسے انجان رشتہ دار کے بارے میں بھی اگر یہ جان لیتی کہ اس کے خون دے دینے سے اس کی جان بچ سکتی ہے تو وہ اسے اپنا خون دے دیتی۔
ان کی اس بے ساختہ فطرت سے اس کی دشمن بخوبی آگاہ تھی، تب ہی اپنے ڈرامے کی تیاری کے آغاز میں جب انھوں نے اس ڈرامے کے تمام مجوزہ ترتیب دیے ہوں گے تب ایکسیڈنٹ کا یہ سین بھی اس میں لازمی طور پر شامل کر لیا ہوگا جہاں اس کی جذباتیت پر انھوں نے پہلے سے ہی کام کر رکھا تھا۔ وہاں انھیں اس کا بلڈ گروپ پہلے سے معلوم کر لینا آسان سا کام تھا۔
اس کے خون کی ضرورت واقعی درست تھی۔ خون کی کمی کی فوری ضرورت، خون کا بہت زیادہ ضائع ہونا اور بچانے کی کوشش، ان کی باتیں سنتے ہی اس نے

اداکاری بات کر رہی تھی تو وہ اس کے منہ سے کہلوانا چاہتی تھیں۔ سب سے پہلے حسین کے ساتھ ہی ایک مرتبہ خون دینے بھی ہسپتال گئی تھی۔ وہاں اس نے اپنا خون بھی دیا تھا اور پھر اس کے بعد فریحہ کے ساتھ ہی قمر کے کمرے میں قمر کی عیادت بھی کی تھی۔ اس ایک مرتبہ کے سوا وہ کبھی قمر عالم کی عیادت کے لیے ہسپتال نہیں گئی تھی۔
زرینہ ہسپتال میں قمر کے ساتھ رکی ہوئی تھیں اور فریحہ گھر پر۔ بس وہ قمر دونوں کے لیے کھانا پکا کر لایا کرتی اور کبھی کے ہاتھ بھجوا دیتی یا پھر خود لے کر جاتیں۔ وہ تین مرتبہ ہسپتال جانے کی تیاری کر رہی تھیں تو انھوں نے اس سے سرسری سے انداز میں قمر کے لیے سوپ بنا دینے کو کہا جو انھیں اپنے ساتھ لے جانا تھا۔
وہ سوپ تیار کر کے ان کے لیے جانے کے لیے پیک کر کے رکھ رہی تھی۔ تب ہی اچانک کسی ضرورت کا تقاضا اشعر کے آنے کے بعد قمر کے ایکسیڈنٹ کی اس کے بلڈ دینے کی بات اشعر کو اس کے سامنے بتائی۔ لیکن انداز میں اظہار کیا جیسے اسے اپنے کسی دوست کی بہت فکر ہو رہی تھی جس نے اداکاری کے بچاؤ کے لیے دوست کو فوراً بلڈ دیا۔ اس کے سامنے ساری بات ہوئی تھی کہ اسے بہت بجھی تکلیف سے دیکھنے میں کی تشویش کی جھلک آئی، اسی حساب سے وہ لاپروا اختیار کر کے شکر ادا کر رہی صرف ہوئی لیکن جیسے شعر کو خبر اس کے لیے ایک بہت اہم بات تھی اور وہ قمر عالم، وہ ان کی سلامتی تک کو اپنے بھروسے بچھانے تب اسے بہت سادہ اور غیر اہم لگنے جملوں سے کسی طرح ظاہر کیا تھا۔
"اچھا ہے صرف میری کلاس فیلو تھیں اب میری قسمت بھی ان کی ہے۔"
"سچی تو پہلے میں سوچا کرتا تھا کہ اپنی اس کلاس فیلو سے کچھ اتنا پیار ہو گیا ہے جیسے مجھے اس کی ہے۔"
"وہ پھول کا کیسا۔ میں تو بہت فکر کر کے گزار کی تھی کے ہاتھوں کا جب صرف سب پہلے سے آ جاتے ہیں"

ابھی مزید ہو کیسے؟ پھر بیٹا بہت ہی بھی ہماری ہوں گی۔"
لیکن غیر اہم گفتگو برائے گفتگو کے طور پر کیے گئے یہ فقرے سننے والی سمجھ نہیں سکی تھی۔
ناراض اشعر بھی ہر دوسری بات کا اظہار کرتا تو لالہ! وہ تو ہم بیٹی کی وضاحت کر رہی تھی اس رات کا اشعر کا زخمی دل دار تھا۔ اس کو ملانے کی میز سے بہت جلدی اٹھ گیا تھا۔ اس نے کھانا برائے نام کھایا تھا وہ کسی بات سے بہت الجھا ہوا اور بہت بے چین لگ رہا تھا۔ اسے الجھا ہوا اور لگا ہے بے چین ساری کہ کمرے سے وہاں رکی رہ سکتی تھی۔ وہ اچانک کمرے سے نکل جانے کا کہ وہ کرے فریحہ اور قمر سے معذرت کر کے اٹھی کمرے میں آئے گی اس نے سے فریحہ کی بات یاد کر کے وہ اسے کال کرنے کے لیے باہر جا کر رک رہی تھیں۔ وہ اپنے کالج اور یونیورسٹی کے دنوں کے کچھ بہت ہی یادگار اور دلچسپ قسم کے واقعات ان لوگوں کو سنا رہی تھیں انھوں نے واقعہ ایسا ہاتھ پکڑ کر اسے پاس زبردستی بٹھاتے ہوئے کہا تھا۔
"انتظار تو ابا کی جلدی کیا ہے۔ بھی تو ابھی تو اتنا مزا آرہا ہے، تم لوگوں کو اپنے کالج کا ایک بہت ہی مزے دار واقعہ سنا رہی ہوں۔"
اس کی پیشانی اور معصومیت تو تھی مگر اسے وہاں بیٹھے میں اس وقت ہر گز کوئی دلچسپی نہیں تھی اس کی سوچ کا مرکز اس وقت صرف اور صرف اشعر تھا۔ وہ جیسی بھی اداکاری رہی تھیں کہ اس کا شوہر کسی پریشانی میں نظر آرہا ہے اور جیسے پتے لگا رہی ہے۔ فریحہ نے اس کے پیچھے جانے کی اداکاری کے مشغلے بھی اور انداز سے بلا بھی کا لگتے تھے، اس رات بہت دیر تک بہت زیادہ اصرار کے باوجود وہاں نہیں رکی تھی، اپنے کمرے میں چلی گئی تھی، تب پہنچا وہ بہت زیادہ جھنجھلایا ہوا تھا۔
وہ کسی بات کی وجہ سے پریشان تھا۔ کیا دفتری پریشانی تھی اس کی طبیعت خراب تھی یا کوئی اور مسئلہ تھا لیکن ہوا یہ شام سے ہی خاموش خاموش لگ رہا تھا۔ اس کے پوچھنے پر اس نے سر درد کا بہانہ بنا کر مزید

سوالات کا سلسلہ روک دیا تھا۔ اس سے بھی زیادہ کیا وہ صاحب نہیں سمجھ سکی تھی۔
وہ اور کچھ نہیں کر سکتی تھی تو اپنے قرب اور اپنی محبت سے اسے اس کی پریشانی میں کچھ تھوڑا سا آرام، تھوڑا سا سکون تو دے سکتی ہے۔ وہ اس کے بالکل قریب جھجھک آہستہ آہستہ اس کا سر دبا رہی تھی اور اس سے جو دباتے دباتے سو گیا تھا۔ اس کے سو جانے کے بعد بھی وہ اس کا سر دبائے ہوئے ہوا میں رہی تھی، اس کے بارے کو محبت اور فکر کے ملے جلے احساس سے تکتی رہی تھی۔ دل ہی دل میں یہ دعا بھی مانگتی رہی تھی کہ اس کی ہر ایک پریشانی ہو جس میں چین ہے وہ خوش اسلوبی کے ساتھ حل ہو جائے۔
رات اپنی خاموشی اور سنجیدگی سے اس لیے اسے پرشاں ہیان کیا تھا کہ اپنے شوہر کی بے پناہ محبت کے اثر سے سے تھا تنہا چھوڑا اور بہت زیادہ خوش تھی۔
"قمر! پلیز مجھ سے ایسی ہی محبت کرنا۔ میری زندگی کی ہر صبح کی روشنی میں آنکھیں کھولتے ہی سب سے پہلے تمھیں دیکھوں، تمھیں اپنے قریب پاؤں۔"
اور اس کی باتوں میں چھپے اس کی محبت سے سرشار ہوتے اس کے جسم کے رویں رویں سے یہی صدا آ رہی تھی کہ وہ ہمیشہ اس سے یونہی محبت کرے گی، ہمیشہ کے لیے اس کی محبت بھی کم ہو جانے سوال ہی پیدا نہیں ہوا تھا۔ وہ اشعر حسین صرف اس کا شوہر نہیں تھا وہ اس کی کل کائنات تھا، وہ اس کی دنیا اس کی دنیا اس کا آسمان سب کچھ تھا اسے سامنے نظر آ رہا اسے کائنات کا ہر رنگ پھیکا لگا تھا۔
اس ایک دن کی پریشانی، بے چینی اور خاموشی کے بعد اشعر پھر سے پہلے جیسا ہو گیا تھا۔ قمر عالم کے حوالے سے جو باتیں جس انداز سے سے لوگ کہنے کی کوشش کی گئی تھیں بظاہر اس نے انھیں نظر انداز کر دیا تھا، اس نے جھٹک دیا تھا کہ وہ باتیں اس کے دل سے نکل گئی تھیں۔ اب اشعر کے لیے جس کی خاطر وہ دنیا کے کسی بھی انسان سے جا سکتی تھی، کہانی کے بیچ کہیں بھی ہو ہر تعلق توڑ سکتی تھی۔ قمر عالم کو کوئی اہمیت

ہی نہیں ہو سکتا تھا۔

کاش وہ اس پر اپنی بدگمانی ظاہر کرتا۔ کسی بھی انداز میں اسے یہ باور کراتا کہ وہ غضنفر عالم کو پسند نہیں کرتا مگر سب پتا ہو کس طرح بدل جاتا جو کچھ ہوا وہ پھر کبھی نہیں ہوتا۔

غضنفر عالم نے بھی کبھی اسے کلاس فیلو سے ہٹ کر کسی اور نظر سے نہیں دیکھا تھا۔ کم عمر اور بہت ذہین سا نوجوان لڑکا تھا جسے آگے بڑھنے اور ترقی کرنے کا بہت شوق تھا۔ اسے امریکا اعلیٰ تعلیم کے لیے جانے کا بے حد شوق تھا۔ وہاں [illegible] ایک امریکن یونیورسٹی میں [illegible] اپنے داخلے کی کوششیں کر رہا تھا۔ اسے ایک امریکی یونیورسٹی میں داخلہ ملنے بھی لگا تھا مگر اس کے والد نے اس کو وہاں جانے کے لیے پیسہ دینے سے انکار کر دیا تو اس کا جانے کا سارا خواب دھرا کا دھرا رہ گیا۔ اس کے والد کی [illegible] اچھی جاب تھی مگر ابھی اس کے چھوٹے تین بھائی بہن اور بھی زیرِ تعلیم تھے اس کے والد کا کہنا تھا وہ اکیلا ان کا لاڈلا نہیں ہے۔ امریکہ پڑھنے بھیج دیں اور دوسرے بچوں کو اچھی اعلیٰ تعلیم بھی نہ دلا سکیں۔ اس سے چھوٹے تینوں بھائی بہن ابھی اسکول میں پڑھ رہے تھے۔

وہاں کے [illegible] میں شامل ہوا تھا اس کی [illegible] شادی کرنی تھی اس کے والد نے اسے کراچی پڑھنے بھیجا تھا۔ وہاں سے یہاں تعلیم اور رہائش کے خرچے بھی باقاعدگی سے بھجوائے جاتے تھے [illegible] علاقے میں دو کمروں کے [illegible] "[illegible]" ہر ایک [illegible] وہ رہا تھا وہ شعر کا [illegible] والد کے بھیجے ہوئے پیسوں میں [illegible] اس جگہ رہائش [illegible] گاڑی۔ یہ رہائش اور یہ گاڑی اس نے آخر کے دوران اپنی محنت اور کوششوں سے حاصل کی تھی۔ وہ کمپیوٹر پروگرامنگ میں ماہر تھا۔ شعر [illegible] تاہم ایک کمپیوٹر انسٹی ٹیوٹ میں بطور "[illegible]" شام کے اوقات میں جاب کرتا تھا اور وہیں سے اس کے تعلقات بڑھے تھے [illegible] براہِ راست [illegible] کے لیے [illegible] اور

کہیں نہ کہیں سے [illegible] وہ سب اس [illegible] جو سنا ہے پوچھ کتابیں اپنے ہاتھ میں لے کر ٹھیک ٹھاک [illegible] کا پیار کرتا تھا۔

غضنفر گروپ میں بیٹھ کر ہر آنے والی اپنی محبت کی داستان بھی سب کو سناتا تھا۔ حورین عالم کی وہ لڑکی غضنفر کے والد کے بچپن کے ایک دوست کی بیٹی تھی۔ غضنفر اسے بچپن سے ہی جانتا تھا اور بچپن ہی سے پسند بھی کرتا تھا۔ اس کے والد کے وہ دوست کینیڈا میں اپنی فیملی کے ساتھ شروع سے مقیم تھے۔ حورین [illegible] غضنفر کی فیملی سے بہت [illegible] تھا۔ اسٹیٹس کے فرق کی وجہ سے غضنفر اب تک اپنی محبت کا کھل کر اظہار نہیں کر سکا تھا۔ حورین بھی اسے پسند کرتی تھی مگر اس پسندیدگی کو آگے بڑھانے کے لیے اس کے گھر رشتہ بھیجنے کے لیے پہل غضنفر ہی کو کرنا تھی۔ لیکن غضنفر کو لگتا تھا وہ اسٹیٹس کے فرق کی وجہ سے اس کے والدین حورین کے ہاں رشتہ لے جانے پر آمادہ نہیں ہوں گے۔ [illegible] سب اس سے اظہار ہمدردی بھی کرتے تھے اور اپنے والدین کو حورین کے گھر رشتہ لے جانے پر آمادہ کرنے کے طریقے بھی سمجھاتے تھے۔ ایک لڑکا [illegible] صبح شام کسی دوسری لڑکی سے عشق کی داستانیں ان لوگوں کو سنایا کرتا تھا وہ اس کے بارے میں یہ سوچ بھی کیسے سکتی تھی کہ وہ اس میں دلچسپی لے رہا ہے اور وہ اس میں دلچسپی لے بھی کیسے رہا تھا۔ [illegible]

اشعر کے سامنے جب اس کا غضنفر سے [illegible] عیاں ہوتا تب [illegible] ایک [illegible] اسے کوئی [illegible] اس طرح ضرور [illegible] جیسے اشعر محسوس کر سکے [illegible] یونیورسٹی میں [illegible] گھر آنے پر [illegible] بھی کر کے احترام سے اس طرح [illegible] جیسے کسی [illegible] ہوتی ہے۔

دوستوں میں [illegible] مگر [illegible] ان سب کا سلسلہ کہاں سے شروع ہوا تھا اور کہاں جا کر ختم ہونے والا تھا۔ جن دنوں اسے کوئی [illegible]

ہوا۔ ایک ٹیسٹ Test ہونے والا ہوتا اور اچانک ہی فریدہ کے مہمانوں کی آمد و رفت بڑھ جاتی۔ اس کی کوکنگ [illegible] شام کی چائے کا اچھا سا انتظام کرنے کو کہتیں [illegible] کوئی کام آ جاتا تو اسے اپنے ساتھ لے جاتیں۔ کسی [illegible] ملنے والے کے ہاں لے جاتیں۔ [illegible] کے اوقات [illegible] لیا کرتی تھی مگر ان مصروفیات میں [illegible] اس کی پڑھائی کا حرج ہوتا۔ اس ٹیسٹ والے دن بھی فریدہ نے [illegible] اسے اتنا زیادہ مصروف رکھا تھا کہ وہ [illegible] سے آکر کتابیں دیکھنے کے بعد اسے رات گئے تک انہیں ہاتھ لگانے تک کا موقع نہیں مل پایا تھا۔

اس نے ان سے معذرت کرتے ہوئے "کل میرا Test ہے۔"

"[illegible] بھی پڑھائی نہیں" کہا تو انہوں نے [illegible] "[illegible] پڑھ لینا۔" اس سے [illegible] کہا کہ وہ رات میں اشعر کی [illegible] دیر تک [illegible]

"کیوں ابھی تمہیں جتنا پڑھنا ہوتا ہے اور جب تک پڑھنا ہوتا ہے [illegible] اشعر کیا اپنے سارے کام تمہیں [illegible] شوہر کو [illegible] سامنے [illegible]"

اپنے [illegible] کے خلاف [illegible] حسیبہ [illegible] نہیں [illegible] ایک [illegible] اور [illegible] کی ماں [illegible] کی محبت میں اسے [illegible] کے خلاف [illegible] یونیورسٹی [illegible] گھر آنے پر [illegible] ساتھ مصروف [illegible] نہیں [illegible]

فریدہ کے ساتھ [illegible] تکلف [illegible] اشعر کی بات تو دوسری تھی [illegible] تکلف [illegible] نہیں تھا اسے [illegible] اگر وہ پوری رات جاگ کر

پڑھنے کی وجہ اس کی ٹیسٹ کی تیاری مکمل ہو سکے گی وہ تو ہرگز نہیں۔ پہلے بھی اس کے کئی ٹیسٹ خراب گئے تھے۔ صبح شام کی فریدہ کے ساتھ [illegible] مصروفیات اس کی پڑھائی پر بہت زیادہ اثر انداز ہو رہی تھیں۔ اشعر اسے سونے کے لیے بلانے آیا تھا۔ اس کے منع کرنے پر اس نے اصرار کیا تو اپنی [illegible] تیاری کو دیکھتے وہ اشعر کے اصرار پر جھنجلا ہی گئی۔ اشعر نے دوبارہ اصرار نہیں کیا تھا [illegible] اس کے پاس سے ہٹ گیا تھا اور اس کے جاتے ہی اس کے اندر شرمندگی اور ندامت پیدا ہوئی تھی۔ اس نے اسے ہرٹ کر دیا ہے اسے احساس ہو رہا ہے۔

اس نے اپنے شوہر کے ساتھ بدتمیزی کی تھی۔ اس نے اسے ہر طرح کی آزادی دی ہوئی تھی [illegible] طرح رکھا تھا اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں تھا وہ شوہر کے حقوق اور اپنے فرائض بھول جائے۔

اپنی بدتمیزی پر وہ کافی دیر تک شرمندگی میں [illegible] بیٹھی رہی تھی۔ [illegible] کے بعد جب [illegible] اٹھ کر اس کے پاس گئی تو وہ سو چکا تھا۔ وہ اس سے ناراض ہو کر سو گیا تھا۔ وہ بیڈ کے دوسرے کونے پر لیٹ کر رو دی تھی۔ [illegible] اشعر [illegible] اس کی [illegible] سونے سے پہلے [illegible] وہ ساری رات اس کے چہرے کو [illegible] دیکھتے [illegible] صبح [illegible] اس کی [illegible] ساری کتابیں [illegible] اس کے [illegible] کوئی ٹیسٹ [illegible] پڑھائی [illegible] اس کے [illegible] سکتا تھا۔ [illegible] ناراض [illegible] اشعر کی ناراضی [illegible]

ہو جاتا کہ آج اشعر بھی پیا بیا کرتا ہے جیسے اس نے اس
دن دیکھا تھا تو سارا آفس ہو کر اس کی طرف دیکھتا اس
سے بات نہ کرنا اور اتنا اجنبی لگ رہا تھا وہ تعجب سے
سوچ رہی تھی کہ کیا زندگی میں کبھی بے تکلفی سے بھی
کسی پیار اور خوف کے اس شخص سے اس نے بات بھی
کی ہو گی آ گیا اس اجنبی کے دل تھا کہ اسے واقعی رسائی
حاصل ہے کہ کیا آ کر سارا اس کے دل میں آ کرتا ہے۔

وہ بار اجنبی اس کی عقل سے ختم ہو گئی تھی مگر
شاید اس ہی شعر کا جو اجنبی وہ پیا اس نے تھوڑی سی
دیر کے لیے دیکھا تھا اس سے اتنا لگا وہ ڈر گیا تھا کہ
اس نے صحت سے بچ دل سے دعا کی تھی کہ وہ زندگی میں
دوبارہ کبھی اس سے ٹکرا نہ سکے۔

اسے اشعر کی خاموشی اور اس کے اجنبی انداز نے
چند لمحوں ہی میں بہت بری طرح ہلا کر رکھ دیا تھا اشعر
کی ناراضی اور اجنبیت کے بعد جب وہ اسے منا لینے
میں کامیاب ہو گئی تو اشعر نے ایک بہت خوب صورت
بات اس سے کہی تھی کہ اس کی اس خوب صورت ترین
بات کو سن لینے کے بعد وہ لمحے بھر میں سارا اس کا غم
کیسے بھی ہوا ہو اس میں اثر نہ لگا تھا۔

"تمہیں خود پر بھروسہ نہ ہو مگر مجھے میری محبت پر پورا
بھروسہ ہے۔"

یہ جملہ اس نے اس کی ٹیسٹ کی چوری کے حوالے
سے کہا تھا مگر اسے اس سارے جملے میں جو لفظ سب
سے زیادہ اچھے لگے سب سے زیادہ پیارے لگے تھے وہ
"میری محبت" اور بھروسہ تھے۔

جس دن وہ بے دلی سے آئی تو اس کے آنے کے
کچھ دیر بعد فریحہ بھی آ گئی۔ اس دن اس نے اس کا
لنچ کیا تھا۔ لنچ کے دوران انہوں نے اس سے اس کے
ٹیسٹ کے بارے میں پوچھا۔ اس کی ٹیسٹ کی جیسی
تیاری تھی ٹیسٹ بھی ویسا ہی ہوا تھا بہت برا مگر اس
نے کہا۔

"اچھا ہوا ہے۔"

اشعر نے رات میں پوچھا تھا؟" انہوں نے کھانا
کھاتے ہوئے سرسری لہجے میں پوچھا تھا۔ وہ اپنی اور

اشعر کی کوئی بات ان سے نہیں چھپاتی تھی۔ اس نے
انہیں اپنی اس بات کی حرکت اور اشعر کی ناراضی بتا دی۔
وہ اشعر کے موقف کو رد کر دینے کے باوجود اپنی بات کی
حرکت پر اب تک شرمندہ تھی اور فریحہ کو ساری بات
اسی شرمندگی کے لیے بتا رہی تھی۔

فریحہ نے اس کی شرمندگی پر اسے فوراً ٹوکا تھا۔
"آخر اتنا شرمندہ ہو کس بات پر رہی ہے؟ میاں بیوی کی
لڑائی کے درمیان رہتا ہے ایک جاکر ایک [illegible]
یہ کون سا طریقہ ہے۔" وہ ایک [illegible] تھیں لگی
اس کی [illegible] تھیں۔ عورتوں کے حقوق کے لیے
انہیں مردوں کے مساوی حقوق دلانے کے لیے کوشش
نہیں کرتی تھیں اور ان کا کہنا تھا کہ ہر شعبے میں عورت کی
حیثیت اور صحت کے لحاظ سے معاملہ کیا جائے
ساتھ ان کا [illegible] عورت کی طرف کی
بات کرتی تھیں۔

اس دن بھی اور اس دن کے بعد بھی [illegible] باتوں
میں انہوں نے اس کا اور اشعر کا [illegible]
اسی طرح کی باتیں کی تھیں۔ [illegible]
حسین کی زندگی کی مثال دیتیں کبھی [illegible] کسی جاننے
والی کے حوالے سے کوئی بات بتاتیں۔

وہ اپنی شادی شدہ زندگی کی مثال اسے پیش کرتیں۔
انہوں نے اور ان کے شوہر نے ایک دوسرے کے
اعصاب پر سوار ہوئے بغیر ایک بہت خوش گوار [illegible]
خوش گوار شادی شدہ زندگی گزاری تھی وہ اپنی کسی
جاننے والی کا کوئی حوالہ دیتیں جو شوہر کی نقالی کرتی اور
اس کی ہر بات میں ہاں ملا کر [illegible] اپنا غلام بنا
کر رکھا کرتی تھیں۔

"اصل قصور ان عورتوں کا ہوتا ہے جو مردوں کو
آسمان پر چڑھا کر اپنی عزت نفس کو مار دیتی ہیں۔ اپنی
شناخت ختم کر دیتی ہیں۔ عورت صرف بیوی یا ماں بن کر
رہ جاتی ہے اس کے علاوہ اس کا اپنا کوئی تشخص، کوئی
وجود ہی نہیں رہتا [illegible]
[illegible] شادی کے بعد عورت کو شوہر
کے موڈ کے مطابق اس کی پسند ناپسند کو دیکھتے رہنا تک

پھر کیسے کر قدم بڑھا پاتا ہے۔"

مختلف موضوعات پر کی گئی ان کی باتیں دوسرے فریق کو کر
بے بس کر دیتیں اور وہ لاجواب ہو جاتا اس کے اندر اٹھنے والی
کوششیں کی جاتی تھیں۔ فریحہ [illegible] اس کے ساتھ
اور ساتھ ان کی بڑی چالاکی سے بڑی واضح کرنے کی
کوشش کر رہی تھیں۔

وہ اشعر سے برابری کرنے لگے [illegible] کرنے لگے
اس کے لیے فریحہ نے اپنی طرف سے پورا کامیاب اور
اثر انگیز کام کیا تھا۔ وہ ان خیالات کا شکار ہو بھی جاتی
اگر اسے اشعر سے اتنی شدید اور والہانہ محبت نہ ہوتی۔

مگر اشعر کی محبت کے آگے اس کا وہ [illegible]
تشخص پر [illegible] بہت خوش تھا جس [illegible]
کا [illegible] کے لیے [illegible] اہم [illegible] تھی۔

[illegible]

اشعر اس سب کا کیا مطلب نکالے گا۔ اشعر کے دل
میں شک [illegible] کیسی [illegible]
کے بیچ [illegible] کے رشتے میں دراڑ
آجائے۔

ان کے آزادی اور برابری کے نظریات و خیالات
کے [illegible] نہیں ہوتی تھی سب [illegible]
سب [illegible] محبت کرتا اور محبت جتانا بہت اچھی
طرح جانتی تھی۔ [illegible] جب ان کے ان نظریات کا
[illegible] اس کی سمجھ میں آیا تو اس [illegible]
اس بات پر [illegible] کہ وہ ان کی ان
باتوں میں آئی نہیں۔ [illegible]
[illegible]

[illegible]

عدم موجودگی کے سبب ہوا ہے اس کے گھر والے [illegible] بیٹے اس کا ارادہ کر شاید ٹیکسی سے گھر پہنچے جائے گا تھا۔ لیکن اسی وقت غضنفر [illegible] اس کے پاس آ گیا تھا۔

وہ اس سے کہہ رہا تھا کہ اس کے پاس ابھی ابھی فریدہ آنٹی کی کال آئی ہے۔ وہ کہہ رہی ہیں کہ وہ خود کو گھر واپس کر دے۔ تب وہ ممی کی اپنے لیے محبت اور چاہت پر پھولی نہیں سما رہی تھی۔ ممی کی محبت پر سرشار وہ غضنفر کے ساتھ گھر آ گئی تھی۔ جب غضنفر کا اسے چھوڑنے آنا [illegible] تھا۔ وہ اسے چھوڑ کر گیٹ سے واپس کس طرح جا سکتا تھا۔ اسے کوئی کتاب چاہیے تھی اور وہ لینے اس کے ساتھ اندر آ گیا تھا۔ اسے [illegible] میں بٹھا کر وہ اپنے کمرے سے کتاب لینے چلی گئی تھی۔ ایک دو منٹ میں ہی اس نے اسے کتاب لا کر دے دی تو بجائے صوفے پر سے اٹھنے کے وہ کتاب کے اوراق پلٹتا اس سے کسی اسائنمنٹ کے متعلق پوچھنے لگا تھا۔ اسی وقت دوسرے کمرے میں فون کی کال آئی تھی۔ [illegible] ریسیو کر لیا تھا۔ اس کال کے آنے کے بعد غضنفر تو واپس جانے کے لیے کھڑا ہو گیا تھا۔ [illegible] کچھ دیر بعد [illegible] انتظار [illegible] کال [illegible] غضنفر اسی وقت واپس چلا گیا تھا مگر اشعر کی اس روز اس کے پاس کال نہیں آئی تھی۔ روز وہ اس کے گھر میں قدم رکھتے ہی وہ اسے فون کر کے اس کی خیریت پوچھتا تھا۔ اس کا یہ انداز اسے بہت اچھا لگا کرتا تھا۔ کچھ دیر اس کی کال کا انتظار کرنے کے بعد اس نے اسے خود فون کر لیا تھا۔ [illegible] سے کہہ [illegible] میں مصروف [illegible] نہیں ہو رہا تھا۔ [illegible] اس کی آواز سنتے ہی [illegible] سی بات کرتا آج اس کا انداز [illegible] تھا۔ وہ بے تحاشا سنجیدہ تھا۔ شاید وہ اس وقت کسی [illegible] کی وجہ سے الجھن میں تھا۔ [illegible] اس کے مزاج کو سمجھتی تھی [illegible] تب بھی بات [illegible] اس سے ادھر

ادھر کی ہلکی پھلکی باتیں اس کا موڈ خوشگوار بنانے کے لیے کہنے لگی تھی۔ اس کی کوشش کامیاب رہی تھی وہ چند ہی لمحوں میں اس کے ساتھ ہنسنے لگا تھا۔

اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ ہوا کیا تھا۔ وہ ندرت کی منگنی میں اشعر کی اجازت سے گئی تھی نہ ہر جگہ ہی اس کی اجازت سے جایا کرتی تھی۔ بلکہ اس رات جب اس نے اشعر کو ندرت کی منگنی کے بارے میں بتایا اس سے وہاں جانے کی اجازت لینا چاہی تو وہ اس سے اجازت لینے پر ناراض ہوا تھا۔

"تمہیں کہیں پر بھی جانے آنے کے لیے اس طرح اجازت لینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ تمہاری دوست کی آج منگنی ہے [illegible] سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" اس نے اسے خوشی سے وہاں جانے کی اجازت دی تھی۔ وہ خود اسے اتنی خوشی خوشی وہاں چھوڑنے جا رہا تھا [illegible] اسے اچھا نہیں لگ رہا تھا کہ وہ [illegible] اسے تقریب میں چھوڑنے اور پھر واپس لینے پہنچے۔ اس نے اسے منع کر دیا تھا اور وہ اس کی تیاری کو محبت پاش نگاہوں سے دیکھتا مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا کہ [illegible] خوب صورت [illegible] آج لگ رہی ہو۔ وہ اسے چھوڑنے اور لینے کے لیے گاڑی کے چار چکر لگا آیا [illegible] سارا وقت ندرت کے گھر کے باہر کھڑا ہو کر اس کا [illegible] انتظار بھی کر سکتا ہے۔ وہ اس روز [illegible] تعریف کر رہا تھا۔ وہ بیڈ پر ٹیک لگا کر بیٹھا اسے تیار ہوتا دیکھ رہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ وہ آج اپنی شادی اور ولیمہ کے دن سے بھی زیادہ خوب صورت لگ رہی ہے۔

اس نے اپنے ہاتھوں سے اس کے اوپر پرفیوم اسپرے کیا تھا۔ آہستہ سے اس کے کانوں میں سرگوشی کی تھی کہ ان کی شادی کو ایک سال ہو چکا ہے تو کیا ہوا۔ آج بھی اتنی حسین لگ رہی ہے کہ [illegible] شادی شدہ [illegible] کی طرح پوری رات جاگنا چاہیے [illegible] وہ راستے بھر اسی طرح کی باتیں کرتا آیا تھا۔

اس نے راستے میں اسے پھولوں کے گجرے خرید کر

اپنے ہاتھوں سے پہنائے تھے اور اس روز وہ آخری بار تھی کہ "آخری بار" اشعر نے اسے سراہا تھا۔ آخری بار کوئی پیار بھری سرگوشی اس سے کی تھی۔ آخری بار اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لیا تھا۔

اس روز کے بعد اس کی زندگی ایسی اجڑی تھی کہ [illegible] زندگی میں وہ بھی [illegible] جو خود کو منوا لیتیں [illegible] تھا۔ جس کے لیے خود کو چاہتی اور سنوارتی تھی اس نے اس روز کے بعد سے اسے اپنے دل سے نکال کر باہر پھینک دیا تھا۔ اس روز کے بعد [illegible] اشعر کے جسم پر نہیں سجا تھا۔ [illegible]

وہ اس سے رخصت ہو کر خوش خوش دوستوں کے پاس پہنچی تھی۔ ماریہ اسے مسکراتے ہوئے بتا رہی تھی کہ غضنفر نے اس کے انتظار میں ان لوگوں کو باہر روک کر رکھا ہوا تھا اور غضنفر بتا رہا تھا کہ اسے سب کے آ گئے ہونے کا انتظار اس لیے تھا کہ آج اس کے پاس سب کو سنانے کے لیے دو خوش خبریاں ہیں۔ [illegible]

وہ سب لوگ ان دو باتوں کو [illegible]

کر کے ندرت کی منگنی کے فنکشن کو بھرپور انداز میں انجوائے کر رہے تھے۔ وہ بھی وہاں بہت انجوائے کر رہی تھی تب کھانا لگنے [illegible] کباب اور بھنے گوشت کی خوشبو سے اس کا جی متلانے لگا کھانا تو دور اسے اس خوشبو سے متلی سی ہوتی محسوس ہو رہی تھی۔

آج دوپہر میں بھی اسے کھانے کی رغبت نہیں ہوئی تھی [illegible]

وہ سوفٹ ڈرنک کی بوتل ہاتھ میں لے کر [illegible] اس کونے میں جہاں کھانے کی خوشبو اسے کم سے کم آ رہی ہو [illegible]

وہ کھانا کیوں نہیں کھا رہی؟ [illegible]

کے لبوں پر ایک گہری مسکراہٹ ابھری ہوئی تھی۔
"جلدی سے آجائیں۔ میرے پاس آپ کے لیے ایک سرپرائز ہے۔"
وہ ابھی اسے اشعر کو میسج کیے چند سیکنڈز ہی ہوئے تھے کہ حنا جو باہر اپنی گاڑی سے کچھ لانے گیا تھا اس نے اسے آکر بتایا کہ اس کی گاڑی باہر کھڑی ہے۔ وہ موبائل واپس میز پر رکھ کر فوراً اٹھ گئی۔ شاید اشعر اس کے میسج کرنے سے کافی پہلے ہی اسے لینے گھر سے نکل چکا تھا۔ اس وقت اشعر کے پاس جانے کی اسے اتنی زیادہ ایکسائٹمنٹ ہو رہی تھی کہ وہ نوٹس کیے بغیر ہی گاڑی کی طرف بڑھ گئی۔ اسے اشعر کے پاس فوراً پہنچنے کی بہت جلدی تھی۔ یہ احساس ابھی ابھی اس نے پایا تھا وہ اسے اس کے ساتھ شیئر کرنا چاہتی تھی۔ وہ آج پہلے ہی سے اتنے خوشگوار اور رومینٹک موڈ میں تھا یہ بات سن کر تو پتا نہیں کس طرح سے خوشی کا اظہار کرتا۔
وہ باہر نکلی تو گاڑی میں اشعر کی جگہ ڈرائیور کو دیکھ کر تھوڑی پریشان ہو گئی۔ پھر وہ اسے لینے کیوں نہیں آیا۔ سب خیریت تو تھی۔ کچھ پریشان سا ہو کر اس نے ڈرائیور سے اشعر کا پوچھا۔ تو وہ کہہ رہا تھا اسے اشعر نے کہا تھا وہ اسے لینے چلا جائے۔ وہ اشعر کی طبیعت کی طرف سے فکر مند ہو کر واپس پہنچی تھی۔ گھر میں سناٹا تھا۔ فریحہ اپنے کمرے میں سونے جا چکی تھیں اور اشعر بھی شاید کمرے ہی میں تھا۔ وہ کمرے میں آئی تو تمام لائٹس آف کیے وہ سو رہا تھا۔ اس کی تشویش مزید بڑھ گئی۔ اسے آج ساری رات جگائے رکھنے کی پیار بھری دھمکیاں دینے والا خود کس طرح اتنی جلدی سو گیا تھا۔ وہ اس کے پاس آئی اور جھک کر اسے دیکھا۔ اس کی پیشانی آہستگی سے چھوئی۔ بخار ہو تو ... اس کی طرف جھکی، اسے نزدیک سے دیکھا تو ایک عجیب سا احساس ہوا ... وہ گہری نیند سو رہا تھا اگر وہ اٹھ جاتا ... کے ہاتھ لگاتے ہی اس کی آنکھ کھل گئی۔ وہ تھوڑا سا جاگا، اس کے چہرے پر ... کی جھلک تو ہوئی۔
وہ گہری نیند کے عالم میں غنودگی کی سی کیفیت میں ایک پل کے لیے تو آنکھیں کھول کر اس کی طرف دیکھا تھا۔ پھر وہ بالکل ساکت لیٹا رہا تھا۔
وہ لباس تبدیل کر کے خاموشی سے بیڈ کے دوسرے کونے پر آکر لیٹ گئی تھی۔ اس نے کروٹ اشعر کی طرف لی ہوئی تھی اور وہ غور سے اس کو دیکھ رہی تھی۔ جو ایک خوشی اسے دستک دیتی محسوس ہو رہی تھی وہ اسے بتانا چاہتی تھی۔ اس کے شک کو کنفرم کرنے کے لیے وہ اسے کل ہی ڈاکٹر کے پاس لے جائے گی۔ آج رات ہی اس کے ساتھ کل ڈاکٹر کے پاس جانے کا پروگرام طے کرنا چاہتی تھی۔ وہ اسے جگانا ہوا لگ رہا تھا مگر خود کو یقین دلا رہی تھی کہ وہ گہری نیند سو رہا ہے۔ وہ اشعر کے لیے کتنی زیادہ اہم تھی وہ جانتی تھی۔ اس کی اشعر کے موبائل پر نظر پڑی جو اس وقت ہمیشہ کی طرح اشعر کے پاس والی سائیڈ ٹیبل پر نہیں بلکہ ڈریسنگ ٹیبل پر پڑا تھا۔ پتا نہیں کیوں وہ ایک دم بیڈ پر سے اٹھی۔ ڈریسنگ ٹیبل پر جا کر اس نے موبائل کو دیکھا تو اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ اشعر کا موبائل آف تھا۔ اس نے موبائل اپنے ہاتھ میں لیا، اسے آن کیا۔ وہ اس کے inbox میں آیا تو سب سے پہلے بھیجا ہوا میسج دکھتا جاتی تھی۔ اس نے میسج میں اسے سرپرائز دینے کی بات کی تھی اور اس نے اس کے میسج کو اہمیت دیے بغیر موبائل آف کرکے سونے کو ترجیح دی تھی؟ موبائل آن کیے ابھی ایک یا دو سیکنڈز ہی ہوئے ہوں گے جب اس نے موبائل کی اسکرین پر کسی میسج کے وصول کرنے کی اطلاع دیکھی۔ جس انجانی کیفیت میں وہ گھری تھی اس میں گھر سے اس نے اس آنے والے میسج کو کھولنا چاہا اس کا کوئی تعلق نہ تھا۔ message اشعر کے موبائل پر کچھ دیر ہوتے ہی آیا تھا، بھیجا تھا اور وہ سمجھ رہی تھی کہ وہ اس کا میسج پڑھ لینے کے بعد موبائل آف کرکے سو گیا ہے جبکہ اس نے تو اس کے کال یا message کرنے کا انتظار کیے بغیر ہی نجانے کب سے موبائل آف کرکے میز پر ڈالا ہوا تھا۔ اشعر

نے اس کی کال کا انتظار کیے بغیر ہی نجانے کب سے موبائل آف کرکے میز پر ڈالا ہوا تھا۔ آخر کیوں؟ اور دل بری طرح پریشان، بری طرح مضطرب تھی۔ اشعر کو کیا ہوا تھا؟ اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔
وہ صبح ہونے کا بے چینی سے انتظار کر رہی تھی۔ اسے نیند بالکل بھی نہیں آرہی تھی۔ وہ موبائل آف کرکے بھی نہیں رکھتا تھا تو ایسے وقت میں جب وہ گھر سے باہر کہیں گئی ہوئی تھی اور اسے بلانے کے لیے اسے اس کے موبائل ہی پر اس سے رابطہ کرنا تھا وہ اسے آف کیسے کرسکتا تھا؟ وہ پوری رات جاگتی رہی۔
صبح ہوتے کہیں جا کر اس کی آنکھ لگی تھی۔ وہ اشعر ساڑھے آٹھ بجے ہوتے ہوئے کمرے سے نکل رہا تھا جب سوئی جاگی کیفیت میں اس نے اسے کمرے سے نکلتے دیکھا۔ آج تو پوری رات جاگتی رہی تھی اس کی بھی طبیعت پر اثر تھا اور پچھلے کئی دنوں کی طرح صبح اٹھتے ہی طاری ہونے والی تھکاوٹ، متلی کی سی کیفیت، سر گھومتا اور چکر آتے محسوس ہونے لگے تو وہ اور اتنی قوت پیدا کرلی کہ بیڈ پر سے کھڑی ہو سکے۔ اس کے پیچھے کمرے سے باہر جا کے اور اس کیفیت سے بستر لیٹ کر چھٹکارا پانے کی کوشش کرتے وہ اشعر کے کمرے میں لوٹنے کا انتظار کرنے لگی۔ اس کا انتظار کرتے کرتے اس کی پھر آنکھ لگ گئی تھی۔ اس بار آنکھ کھلی تو باتھ روم سے پانی گرنے کی آواز آرہی تھی۔ وہ نہا رہا تھا۔ چند منٹ بستر پر لیٹے رہنے کے بعد وہ اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔ اس وقت اس کی طبیعت کچھ دیر پہلے کے مقابلے میں بہتر تھی۔ وہ نہا کر تولیے سے بال خشک کرتا باتھ روم سے باہر نکلا تھا۔ وہ بیڈ پر جاگی ہوئی بیٹھی تھی۔ اسے دیکھ کر خوشگوار انداز میں مسکرا رہی تھی مگر وہ اس پر نظر ڈالے بغیر تولیہ کندھوں پر پھیلائے وارڈ روب کی طرف بڑھ گیا تھا اس طرح جیسے وہ کمرے میں تھی ہی نہیں۔ وہ اندر ہی اندر بے چین ہوئی تھی۔ اشعر اسے روز جیسا نہیں لگ رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ اس وقت اس سے کوئی بات کرنا ہی نہیں چاہتا۔ لیکن کیوں؟ آخر ہوا کیا تھا؟ وہ اس کے کمرے میں آنے کے بعد بھی جب
اس کی آنکھوں کی اہمیت اور چاہت سمجھ سکتی تھی تو اس وقت اس کی آنکھوں میں موجود غصہ، ناراضی اور اجنبیت اسے کیوں نظر نہیں آئی۔ وہ اس سے برہم تھا، غصے میں تھا۔ اجنبیت اور لاتعلقی کا اظہار کررہا تھا مگر کیوں؟ اندر ہی اندر بری طرح الجھتے اور پریشان ہوتے وہ اس کے پاس آگئی تھی۔ وہ اس سے خوشگوار موڈ میں بات کررہی تھی اور وہ اس کی بات کا جواب نہیں دے رہا تھا۔ ایک آدھ بات کا جواب دیا بھی تھا تو اس کی طرف دیکھے بغیر یوں جیسے شدید جبر کرکے خود کو بولنے پر آمادہ کر رہا ہو۔ وہ اتنا اجنبی کیوں لگ رہا تھا؟ وہ لگ رہا تھا کہ وہ جو اس کا دل خوف سے تیز تیز دھڑکنے لگا تھا۔ وہ کیا کرے، کس طرح اس کے اس اکھڑے اور خراب موڈ کو ٹھیک کرے۔
اسے لگا کہ اگر اپنے مزاج کے برخلاف وہ تھوڑا سا بولے، تھوڑا سا رومینٹک اور خوش مزاجی کا اظہار کرنے لگی تو اس کا خراب موڈ خود ہی ٹھیک ہو جائے گا۔ وہ کبھی اس کے بلانے سے پہلے خود اس کے پاس آجاتی، خود کو ... ایک محبوبہ کی طرح اپنا اظہار کرتی تو اس کی آنکھوں میں ہمیشہ ... خوش کیا کرتی تھی۔ اسے اپنے وجود کے اندر ایک خوشگوار تبدیلی محسوس ہو رہی ہے۔ ایسی اچھی، ایک خوشی کی بات وہ اس انتہائی برے موڈ میں اسے بتا کر خوشی کی اس خبر کی اہمیت کم ہوتی نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔
"ابھی نہیں، رات میں جب وہ اچھے موڈ میں ہوگا" ایک رومینٹک سی جگہ وہ کینڈل لائٹ ڈنر کر رہے ہوں گے تب وہ اسے یہ بات بتائے گی۔ تب وہ اپنی خوشی کا اس طرح بھرپور ہوکر اظہار کرے گا جیسے اظہار کرنا چاہیے۔ وہ محسوس کرنا چاہتی ہے۔
"یہ چونچلے ہر وقت اچھے نہیں لگتے ہیں۔ ہر بات کا ایک وقت ہوتا ہے۔ ایک موقع ہوتا ہے۔"
اس نے بہت روڈ ہو کر، بڑی نخوت سے اس کا ہاتھ اپنے کندھے پر سے ہٹایا تھا۔ اتنی قوت سے ... کہ ایک سیکنڈ کے لیے اس کا پورا سر گھوم گیا تھا۔

وہ حیرت سے ' بے یقینی سے ' صدمے سے اسے دیکھ رہی تھی۔ جو ابھی اس نے کیا اس پر دل کو ابھی تک یقین نہیں آ رہا تھا۔

"ہر وقت کیسے چمٹا اور تھوپا کال ادھو میٹنگ سے کر کے آئی ہوں۔ [illegible] شوہر کو کس وقت کیا موڈ ہے بیوی میں اتنا حس ہونا چاہیے کہ اس کے موڈ کو سمجھ سکے۔" اسے لگا جیسے اشعر نے اس کے منہ پر کھینچ کر ایک تھپڑ مارا ہے۔ اسے کوئی بہت بری گالی دی ہے۔ ذلت اور بے عزتی کا ایسا احساس کہ وہ سن سی ہو کر بیٹھی کی بیٹھی رہ گئی۔ وہ کمرے سے تیزی سے باہر نکل گیا تھا۔ وہ محسوس کر رہی تھی کہ اسے پتا تھا بس ایک ذرا سے اس کی آنکھوں سے آنسو نکلنے جا رہے تھے۔ اپنا آپ اسے اتنا بے وقعت لگ رہا تھا کہ اس کا دھاڑیں مار مار کر رونے کو دل چاہ رہا تھا۔

اس نے اسے کبھی سخت اور غصیلی نگاہوں تک سے نہیں دیکھا تھا اور آج بغیر کسی غلطی بغیر کسی قصور کے وہ اس کی اس بری طرح انسلٹ کر کے گیا تھا کہ وہ ذلت اور دکھ زیادہ محسوس کر رہی تھی یا بے یقینی زیادہ تھی اسے سمجھ تک نہیں آ رہا تھا۔

لاؤنج میں لائٹ جلی فون کی گھنٹی لگاتار ہو رہی تھی۔ کمرے کا دروازہ کیا تو جلدی سے وہ اٹھ کر بیٹھی ہتھیلیوں اور دوپٹے سے رگڑ رگڑ کر چہرے کو جلدی جلدی صاف کیا۔ آواز کو بمشکل نارمل کر کے آنے والے کو اندر آنے کی اجازت دی۔ اس کے چہرے پر ابھی بھی آنسوؤں کے نشان تھے کیا ہوا تھا اور لہجہ بھرایا ہوا تھا۔ اندر آنے والی امی تھیں۔ وہ بری طرح گھبرا کر فوراً "امی" کی [illegible] کے سامنے خود کو نارمل ظاہر کرنے کی کوشش میں بدقت مسکرائی تھی۔ مسکرانے کی اس کوشش میں وہ ناکام تھی مگر وہ پہلے آ گئی تھیں کسی اور ہی بات پر کچھ پریشان معلوم ہو رہی تھیں۔ بس انہوں نے اس کے روتے ہوئے چہرے اور بھرائی آواز کو محسوس نہیں کیا۔ انہوں نے آتے ہی تشویش سے اس سے اشعر کے متعلق پوچھا تھا۔

"اشعر کو کیا ہوا تھا؟ اپنا ناشتہ کیے بغیر چلا گیا۔ مجھے بھی کچھ اکھڑا اکھڑا لگ رہا تھا۔ تم سے تو کوئی بات نہیں ہوئی؟"

لیکن جو سوال وہ کمرے سے جا کر کرتی وہ وہی سوال تشویش اور پریشانی سے اس کے پاس آ کر کر رہی تھیں کہ کل اس کے جانے کے بعد اشعر کا موڈ جس بات پر خراب ہوا تھا اس بات سے امی کس طرح لاعلم تھیں۔

وہ انہیں کیا بتاتی یہ تو وہ خود نہیں جانتی تھی تو ان سے کیا کہتی سوائے ایک جھوٹی اور زبردستی کی مسکراہٹ چہرے پر لانے کی کوشش کر کے یہ کہنے کی کہ۔

"ان کی آنکھ دیر سے کھلی تھی تو ایک میٹنگ کے لیے لیٹ ہو گئے ہیں۔ ابھی بات پر [illegible] آپ فکر مت کریں۔ آفس جا کر غصہ اترے گا تو ناشتہ وہیں کر لیں گے۔"

فریدہ [illegible] مطمئن ہو کر کمرے سے فوراً ہی چلی گئی تھیں اگر وہ ایک منٹ مزید ٹھہر جاتیں تو وہ انہی کے سامنے پھوٹ پھوٹ کر رو پڑتی۔

ان کے کمرے سے جاتے ہی اس کے بڑی مشکلوں سے روکے آنسو پھر سے بہنے لگے تھے۔ وہ روتے روتے بستر پر لیٹ گئی تھی۔ اب بھی ایک ٹک فون کو دیکھ رہی تھی۔ فون کی یہ گھنٹی شاید اب بجے گی، شاید اب۔

"معذرت خواہ ہوں میں نے تمہارے ساتھ بد اخلاقی کی۔ دراصل اس وقت میرا موڈ [illegible] بات پر خراب تھا۔" وہ اسے اتنی اچھی طرح سمجھتا ہے۔ اسے پتا ہے وہ کتنی حساس ہے۔ کتنے چھوٹے دل کی ہے۔ وہ اس کے ہر صورت رونے کی تلافی کرے گا۔ وہ جانتا ہو گا اور بس ابھی کچھ ہی دیر میں اس کا فون آنے والا ہے۔

وہ صبح سے کمرے سے باہر نہیں نکلی تھی۔ فریدہ آج صبح سے گھر پر نہیں تھیں۔ وہ آج پورا دن کی ورک شاپ میں بہت بزی تھیں۔ فریدہ کے گھر

ہی سے آنے کی وجہ تھی۔ اشعر نے اب تک گھر فون کیوں نہیں کیا تھا؟ وہ کہاں تھا؟ پورا دن اس کے فون کا انتظار کرتی رہی تھی۔ ایک موہوم سی امید اسے [illegible] لگا رکھا تھا۔ محبت سے تو وہ اس کے موبائل پر کال ملانے لگی تھی۔ اس نے موبائل آف کر دیا تھا۔ اس کے کل رات اور آج صبح کے تمام انداز کو ذہن میں رکھتے ہوئے بالکل واضح نظر آ رہا تھا کہ اس نے موبائل جان بوجھ کر آف کر رکھا ہے۔

اپنا قصور ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک چکی تھی۔ وہ اس سے ناراض ہے مگر کس بات پر؟ بہت سوچنے کے بعد صرف یہی سمجھ آ رہی تھی کہ کل رات اسے دیر ہو گئی تھی۔ وہ بہت رومینٹک موڈ میں تھا اور اس کی واپسی کا شدت سے انتظار کر رہا تھا اور جب اسے واپس آنے میں دیر ہو گئی تو اس کا موڈ خراب ہو گیا اور وہ اس سے ناراض ہو گیا۔ اسے غصہ آ گیا۔ [illegible] اسے بہت تھکا ہوا [illegible] پورے دن گھر کے باہر رہنے اور مسلسل بولتے رہنے سے اس کی طبیعت ذرا خراب ہو گئی تھی۔ اسے مسلسل کھڑے رہنے میں کمزوری محسوس ہو رہی تھی۔

آخر رات [illegible] کے قریب اس کی گاڑی گیٹ پر آ کر رکی نظر آئی تھی۔ [illegible] گاڑی اندر لے آیا۔ وہ گاڑی سے باہر اترا وہ اسے وہاں کھڑی دیکھتی رہی۔ وہ اس کی نظروں سے اوجھل ہوا تو وہ تھکے تھکے قدم اٹھاتی کمرے میں آ گئی۔ [illegible] انتظار اس کا محبوب شوہر کمرے میں آیا تو اس کے چہرے پر نہ کوئی [illegible] تھا نہ افسوس نہ ندامت۔ وہاں صبح ہی کی طرح اس کے لیے صرف اور صرف سرد مہری، بے گانگی اور لاتعلقی تھی۔ چند لمحے وہ بالکل خاموش رہی۔ وہ آج اس کے ساتھ کیا کر کے گیا تھا اسے یاد تھا اس کی انا اسے بات کرنے میں پہل کرنے سے روک رہی تھی۔

اس کی وضاحت اسے کرنا چاہیے تھی۔ [illegible]

بھی سہی لیکن بات کرنے میں پہل اسے کرنی چاہیے تھی۔ مگر اس کی محبت اس کی انا پر حاوی تھی۔ وہ بے وجہ اس سے ناراض ہے۔ کیا ہوا؟ محبت میں یہ نہیں دیکھا جاتا کہ محبت میں تو بس اپنے محبوب کو فوراً منا لیا جاتا ہے۔ چاہے اپنی غلطی ہو یا نہیں۔ اس کے چہرے پر صبح کی طرح غصہ اور بے رخی تو نہیں مگر سرد مہری اور اجنبیت ایسی تھی کہ بات کرنے میں پہل کرنے کے لیے اسے اپنے اندر بہت ہمت پیدا کرنا پڑی تھی۔ اس کے پوچھے سوالوں کا اس نے لاتعلقی سے اسے جواب دیا۔ کھانے کو منع کیا اور باتھ روم میں گھس گیا تھا۔ وہ بیڈ پر بیٹھ کر اس کا انتظار کرنے لگی۔ وہ اس سے کوئی شکوہ کرنے والی نہیں، اس کی زیادتی کا احساس دلانے کے لیے نہیں۔ بلکہ صرف اپنا قصور جاننے کے لیے اس کا انتظار کر رہی تھی۔ وہ خود کو بہت سمجھا رہی تھی کہ وہ روئے گی نہیں۔ وہ بس اس سے وجہ پوچھے گی اس کی خفگی کی وجہ جانے گی اور چاہے اس وجہ کو جاننے کے بعد بھی اسے اپنی کوئی غلطی نظر نہیں آئے گی پھر بھی وہ اس سے معافی مانگ لے گی۔ مگر باتھ روم سے نکل کر بجائے بیڈ کی طرف آنے کے وہ کمرے کے دروازے کی طرف بڑھ گیا تھا۔ اسے نظر انداز کر کے۔ "اپنے پیچھے وہ اسے دیکھ رہی نہیں روتی ہے؟ وہ اس سے بات کرنے کے لیے اس کی منتظر بیٹھی ہے اسے یہ نظر ہی نہیں آ رہا ہے۔" وہ کمرے سے باہر چلا گیا تھا۔ اسے اپنے اعصاب ٹوٹ پھوٹ کا شکار لگنے لگے تھے۔ وہ اس کی شکل دیکھنا نہیں چاہتا؟ اس کے بعد وہ اسٹڈی میں اس کے پاس گئی اور اپنا قصور پوچھا تھا۔ چاہت سے، پیار سے، التجائیہ انداز میں۔ وہ اس کی طرف دیکھے بغیر سرد اور بے نیاز لہجے میں اس کے سوالوں کے جواب دے رہا تھا۔ اس کا سرد اجنبی انداز اس کے پورے جسم میں خوف سے بھری ایک سرد لہر دوڑا رہا تھا۔

"مجھے میرا کام کرنے دو۔ مجھے نیند آئے گی تو کمرے میں آ جاؤں گا اور اب پلیز سوال کر کر کے [illegible] بول بول کر میرا وقت مت ضائع کرو۔ میں اسٹڈی [illegible] ہوں۔"

اس نے اس کا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹ کر اسٹڈی سے باہر نہیں نکالا تھا مگر اس کا لہجہ ایسا ہی تھا۔ ایسا ہی سرد تھا کہ گھسیٹ کر اسٹڈی سے باہر نکالا جانا اتنا اذیت ناک نہ ہوتا جتنا یہ لہجہ اسے لگا۔ وہ اپنے قدموں پر کھڑا ہوا تھا اور چلنا مشکل ہو رہا تھا۔ یہ اشعر آفریدی کا رویہ تھا۔

وہ اس کے وجود سے بیزار تھا۔ وہ واپس کمرے میں آگئی اور وہ جو اس وقت تک سے بھی زیادہ جلا اور بے وقعت لگ رہا تھا۔ اسے اس نے بیڈ پر گرا دیا تھا۔ صرف اس کے دل کو نہیں اشعر نے ایک ہی دن میں اس کی روح تک کو زخمی کر ڈالا تھا۔ کچھ نہیں بچا تھا۔

اس کی آنکھوں سے آنسو گر رہے تھے اس لیے کہ دنیا میں وہ واحد شخص تھا جس پر اسے اختیار تھا۔

"تمہیں پتا ہے ثروت! تم بہت اچھی ہو۔ تم سے اچھی لڑکی میں نے اپنی پوری زندگی میں نہیں دیکھی۔ ہمیشہ ایسی ہی رہنا ثروت۔"

"میں آپ کی ایسی ہی رہوں گی اگر آپ ساتھ رہیں گے۔"

"تمہیں پتا ہے ثروت! تم میرے لیے کتنی خاص ہو۔ کتنی خاص ہو۔"

"اگر تم نے مجھے اپنے دل سے نکال دیا تو پھر تو اب میں کچھ بھی نہیں رہی ہوں وہ خاص [illegible]۔" وہ بے آواز آنسو بہاتی رہی۔

رات کے آخری پہر وہ کمرے میں آیا تھا جس پر نظر ڈالے بغیر وہ بیڈ کے بائیں طرف دوسری طرف کروٹ کر کے لیٹ گیا تھا۔ کچھ دیر وہ اس کی پشت کو آنسو بھری نگاہوں سے دیکھتی رہی تھی۔ ہر بات کے باوجود دل میں ایک ہلکی سی آواز تھی کہ وہ اسے آواز دے لے۔ صرف اس کا نام لے لے۔ ایک پل میں اس کے پاس چلی جائے گی۔ سب کچھ بھلا کر سب کچھ فراموش کر کے۔ لیکن اس نے اسے نہیں پکارا تھا۔ وہ اس کی پشت کو دیکھتی رہی۔ وہ بازو جو ہر رات اس کے گرد ہوتے تھے آج اس کے قریب کہیں نہیں تھے۔ وہ جاگ رہا تھا وہ جانتی تھی۔ اپنے آنسوؤں پر اسے اس پل کوئی اختیار نہیں تھا۔ اس نے فوراً ہی کروٹ دوسری طرف کر لی تھی۔ اس نے اپنے گلے میں ڈالا لاکٹ کھول رکھا تھا وہ اس میں موجود اس کی ہنستی مسکراتی تصویر کو دیکھ رہی تھی۔ بالکل خاموشی سے آنسو بہاتے کوئی آواز پیدا نہ کرتے بھی یہ جانتی تھی کہ وہ اس کے رونے کو محسوس کر رہا ہے لیٹا ہوا ہے۔

"میری نیند خراب ہو رہی ہے ثروت۔ آئندہ رات میں آپ کو روتا ہو یا ہنستا ہو، سوتا ہو یا جاگنا ہو آپ کمرے سے اٹھ کر کہیں نہیں جائیں گی۔"

وہ اپنے چہرے پر اس کی نرم سی انگلیوں کا لمس محسوس کر رہی تھی۔ اس کے آنسو صاف کر کے اس نے اسے بازوؤں کے حصار میں لے لیا تھا اور وہ اس کے سینے پر اپنا سر رکھ دیا تھا۔ اسے یاد تھا اس سے شادی کے بعد وہ پہلی رات تھی جب اس شخص کی محبت اس کے دل میں پیدا ہوئی تھی۔ [illegible] سے لہجے میں اسے مخاطب کرتے وہ اس کے آنسو اپنے ہاتھ سے صاف کر رہا تھا۔ وہ اس کے کھردرے لہجے کے پیچھے اس کی نرم انگلیوں کے لمس کو محسوس کر رہی تھی۔

اسے یاد تھا وہ پہلی رات تھی جب اشعر کی محبت اس کے دل میں پیدا ہوئی تھی اور شاید اس کی محبت اشعر کے دل میں۔ اس رات بھی صرف وہ اپنے دل کی خوشی کے ساتھ اس کے قریب گئی تھی۔ صرف اتنا چھوٹا سا احساس پالیا کہ وہ اسے روتا نہیں دیکھ سکتا تھا اسے اس کی محبت میں مبتلا کر گیا تھا۔

آج وہ انگلیاں اس کے آنسو صاف نہیں کر رہی تھیں۔ وہ ہاتھ بازو اس کے گرد نہیں لپیٹے گئے تھے۔ اس کے دل میں آج بھی اس کی ویسی ہی محبت تھی مگر شاید اس کے دل میں اب صرف احسان کی [illegible] محبت نہیں رہی تھی۔

"میری محبت کو اپنے دل سے کبھی مت نکالنا اشعر! اگر تم نے مجھے اپنے دل سے نکال دیا تو میں زندہ کس طرح رہوں گی۔ تمہارے دل کے سوا میرا کوئی ٹھکانا نہیں ہے۔"

صبح ہو چکی تھی۔ وہ ساری رات اس سے رخ موڑے بستر پر لیٹا رہا تھا اور صبح ہونے پر اس سے رخ موڑے ہی بستر سے اٹھ گیا تھا۔

"تم ہمیشہ مجھ سے ایسی ہی محبت کرنا، ہمیشہ میری ایسی ہی پروا کرنا۔ میری زندگی کی ہر صبح یونہی ہو۔ میں آنکھیں کھولتے سب سے پہلے تمہیں دیکھوں۔ تمہیں اپنے قریب پاؤں۔"

اس کی زندگی کی اس نئی صبح میں وہ اس کے قریب تھی مگر وہ اسے دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ بالکل خاموش بیٹھی اسے تیار ہوتا دیکھ رہی تھی۔ اس کے شوہر نے کل اسے بتایا تھا وہ اچھی بیوی نہیں ہے۔ اسے اس کے سوا کچھ نہیں آتا کوشش کر رہی تھی اس وقت اچھی بیوی ہونے کا ثبوت دے۔ جو بھی تھی مگر اس کے شوہر کا رویہ بتا رہا تھا کہ وہ اس سے حد درجہ بیزار اور تنگ آیا ہوا ہے۔ وہ اس کی شکل نہیں دیکھنا چاہتا تھا، وہ اس کی آواز نہیں سننا چاہتا تھا۔ اپنی شکل گم کر دینا اس کے اختیار میں نہیں تو کم از کم وہ اسے اپنی آواز سے تو چھٹکارا دے سکتی ہے۔

وہ اس پر نظر ڈالے اور اسے خدا حافظ کہے بغیر کمرے سے نکل گیا تھا۔ وہ پوری رات رو رو کر تھک چکی تھی اس سے اب رویا بھی نہیں جا رہا تھا۔ وہ نڈھال سے انداز میں بیڈ کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھی تھی۔ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی اور پرسوں رات تک اسے یہ یقین تھا وہ اسے اپنی طبیعت کے بارے میں بتائے گی اور وہ اسے لے کر اسی وقت ڈاکٹر کے پاس جائے گا۔

ایک دکھ سے بھری ہنسی اس کے لبوں پر آگئی تھی۔ [illegible] تمام تر ہمتیں اکٹھی کر کے آئینے کے سامنے آکر کھڑی ہوئی تھی۔ رو رو کر اس کی آنکھیں سوج چکی تھیں وہ [illegible] اپنے بالوں کو برش کرنا چاہتی تھی۔ وہ تین دنوں سے پہنا ہوا شکن آلود لباس تبدیل کرنا چاہتی تھی۔

اس سے بہت محبت کرنے والے اس کے شوہر کو تو اس کی کوئی حالت نظر نہیں آ رہی تھی۔ وہ تین دنوں سے بھوکی پیاسی اپنا قصور ڈھونڈتی پھر رہی ہے وہ کون [illegible] مگر باقی سب لوگ تو آنکھیں رکھتے ہیں [illegible]۔

ملازمین میں سے کوئی اسے اس طرح اس اجڑے حال میں دیکھ کر کیا سوچیں گے اس نے منہ ہاتھ دھو کر الجھے بکھرے بالوں کو اوپر اوپر سے برش کر کے کلپ میں جکڑا اس کے بعد الماری سے ایک دوسرا لباس نکالا مگر لباس تبدیل کرنے کا اس کا بالکل دل نہ چاہا تھا۔

فرید اپنے آفس جا چکا تھا اس نے نور افزاء سے اپنے لیے کمرے میں ناشتہ منگوایا۔ وہ اس کے لیے ٹرے میں سجا کر بہت اچھا سا ناشتہ لے آئی تھی۔ گھر کے تمام ملازمین میں نور افزاء اس کی پرخلوص اور نرم انداز کے سبب اسے سب سے زیادہ پسند کرتی تھی۔ وہ اس گھر کی سب سے پرانی ملازمہ تھی۔

اس نے شکریہ کہہ کر اس ناشتے کی تعریف کی تو وہ مسکرا دی۔ نور افزاء کے کمرے سے چلے جانے کے بعد اس نے ناشتے کی طرف دیکھا تھا۔ [illegible] پراٹھا اس کا فیورٹ اور ساتھ میں ہری مرچ اور پیاز والا آملیٹ اس کا پسندیدہ آملیٹ۔ اس نے پراٹھے کا ایک نوالہ توڑا اسے آملیٹ کی پلیٹ کی طرف بڑھایا "تکلیف ہاتھ میں رکھ کر اس نے نوالہ منہ کی طرف لے کر گئی" اس کی نظر اپنے برابر رکھے بالکل خاموش سیل فون پر پڑی۔ وہ بھوکی ہے تو ہوا کرے۔ بیمار ہے تو ہوا کرے۔ وہ پریشان ہے تو ہوا کرے۔ نوالہ اس کے ہاتھ سے پلیٹ میں گر گیا تھا۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی تھی۔ ناشتے کی ٹرے اپنے سامنے سے ہٹا کر وہ بیڈ پر گر کر رو رہی تھی۔ بدترین [illegible] بدترین [illegible] یوں لگ رہا تھا جیسے سب کچھ چھن چکا تھا۔ [illegible] اپنے دل کا کیا کرتی۔ جب محبت بہت ہو تو پھر امیدیں بھی بہت ہوتی ہیں۔ سیل فون کو ایک ٹک تکتے وہ بستر پر لیٹ گئی تھی۔

"بی بی! [illegible] ٹھیک سے کیوں نہیں کھایا؟" وہ اس سے پوچھ رہی تھی "آپ تو [illegible] کچھ بھی نہیں کھاتی تھیں۔" اس نے [illegible] اسے کھانے کی خواہش نہیں ہو رہی، اس نے اپنے نہ کھانے کی اسے یہ وجہ بتا کر مطمئن کر دیا تھا۔

اس کی شکل دیکھ کر شاید انہیں کچھ شک ہوا تھا تب ہی یہ پوچھ بیٹھی تھیں کہ کیا اس کا اور اشعر کا کوئی جھگڑا ہوا ہے۔

وہ انہیں کچھ نہیں بتا سکی۔ وہ یہ جانتی تھی کہ خواہ دنیا کے کسی بھی فرد یا بے وہ اشعر کی ماں ہی کیوں نہ ہوں اشعر کے خلاف ایک لفظ نہیں سن سکتی۔

اس کے پاس اپنی حالت کے لیے سب سے عجب بہانہ اگیزامز تھے وہ اگیزامز جو اسے یاد بھی نہیں تھے کہ کب ہونے والے ہیں۔ اس کے موبائل فون کا اسکرین روشن ہوا کال اس کی یا شاید کوئی سہیلی پیپرز کے بارے میں بات کرنا چاہتی ہے۔ اس نے اس کی کال ریسیو نہیں کی تھی ایک ضد سی تھی اس کی کہ اشعر نے کال نہیں کرنا تو دنیا کے کسی بھی دوسرے فرد کی کال ریسیو نہیں کرے گی۔

وہ رات کا پورا دن بھی اپنے کمرے ہی میں بند رہی تھی۔

وہ آج بھی دیر سے واپس آیا تھا۔ واپس آکر وہ کہیں جانے کی تیاری کرنے لگا تھا اس کے ساتھ وہی فاصلہ اری ان دیکھی دیوار کھڑی کر کے نہ اسے ہانیہ بھی نظر نہیں آرہی تھی۔ اس کی ہانیہ سے کیسی خوش ہی تھا رہی تھی وہ اتنے دنوں پریشان میں تھی کہ آج تک ہی اس کے دل میں مرنے کی خواہش پیدا ہوئی تھی۔ اگر اشعر اس وقت وہ کہیں بیٹھے مرجاتی تب بھی کیا وہ یونہی اسے نظر انداز کر کے بریف کیس میں اپنی فائلیں رکھتا رہے گا۔ "یہ کیا کل رہے ہیں"۔ اس نے خود اپنے آپ کو جھڑکا۔ میاں بیوی میں لڑائی جھگڑا ہو ہی جاتا ہے آتی ذرا سی بات پر لگتا زیادہ اپ سیٹ ہو رہی زیادہ منفی اور بہت بڑی سوچیں؟

"کل صبح میں دبئی جارہا ہوں۔ وہاں سے واپس آجاؤں پھر کچھ ہیں۔"

وہ اس کی خوب صورت آواز سن رہی تھی وہ اشعر حسین کی بیوی جو اس کے لیے بہت اہم تھی بہت خاص تھی جس سے وہ بہت محبت کرتا تھا اپنے کسی جاننے والے کو اپنے دشمن جانے کا پوچھا تھا تب آنکھ وہ کل تھی اس بات سے کہ کل صبح وہ ملک سے باہر جارہا مگر شاید یہ صرف ایک تاثر تھا جو دیا جارہا تھا کہ وہ نظر نہیں آرہی۔ وہ اسے نظر آرہی تھی تب ہی تو اسے سہارا دینے ذرا آگے بڑھ کر اس کے پاس آیا تھا وہ باتھ روم سے باہر نکلنے کے لیے قدم اٹھا رہی تھی کہ اسے بہت زور سے چکر آیا تھا۔ اسے اپنے سامنے ہر چیز گھومتی نظر آرہی تھی وہ سہارے کے لیے کسی چیز کو پکڑنا چاہتی تھی کہ گر سے رہ اور وہ اس کی بری حد تک نہیں تھیں نظر آرہی تھیں وہ اس کے پاس آیا تھا اس نے اسے ذرا اٹھا دیا تھا اس کے گرد ہاتھ رکھ کر اسے سہارا دیا تھا مگر اپنے گرد رکھا وہ ہاتھ اسے اپنے شوہر کا ہاتھ نہیں لگا تھا بس ایک انسانیت کے رشتے کے تحت رکھا جانے والا ہاتھ تھا۔ اسے بہت شدت سے رونا آ رہا تھا۔ وہ اس کا ہاتھ اپنے اوپر سے ہٹا کر خود بیڈ تک گئی تھی۔ اسے چکر آرہے تھے سانس لگ رہا تھا اور دوبارہ اسے آگے بڑھ کر تھامنے لگا۔ باتھ روم کے دروازے سے بیڈ تک کا فاصلہ اس نے یوں طے کیا تھا کہ جیسے کوئی میلوں چلی ہو۔ وہ بے دم سی ہو کر بیڈ پر گر گئی تھی۔

کچھ دیر وہیں کھڑے اسے دیکھتے رہنے کے بعد وہ لائٹس آف کر کے بیڈ پر آکر لیٹ گیا تھا مگر اس نے اسے مخاطب نہیں کیا تھا۔ اسے کیا ہوا ہے یہ تک نہیں پوچھا تھا۔ وہ پوری رات جاگتی رہی تھی۔ صبح وہ گئی تھی۔ وہ تیار ہو رہا تھا اسے اس کا مقصود تھا بنانے کے لیے اس سے اداس وہ ملک سے جارہا تھا۔

"میں جارہا ہوں آج؟ اگر کچھ ضرورت ہو تو کال کرلینا۔" یقین نہیں آرہا تھا وہ اسے اس طرح چھوڑ کر جارہا تھا۔ وہ بہت دیر سے جانے کی تیاری کرتا نظر آرہا تھا مگر یقین نہیں آرہا تھا کہ یوں چلا جائے گا اسے اس کا افسوس بتائے بغیر صرف سزا سنا کر وہ نہیں جاسکتا تھا اسے یقین تھا وہ واپس آئے گا جس بھی بات پر وہ خفا ہے تو اس کی محبت اسے کھینچ کر واپس کمرے تک لے آئے گی وہ الٹے قدموں بھاگتا ہوا واپس کمرے میں آئے گا اسے اپنے سینے سے لگا لے گا۔

"میں تم سے ناراض نہیں ہو سکتا ہوں ارقم، میرے لیے سب سے خاص ہو تم میرے لیے سب سے اہم ہو۔ میں تم سے ناراض ہو کر تم سے دور ہو کر نہیں جا سکتا۔"

اس نے گاڑی اسٹارٹ ہونے کی آواز سنی اور ایک دم اٹھ بیٹھی۔ وہ تیزی سے اٹھی اور بغیر دوپٹے اور بغیر چپل کے کمرے سے باہر بھاگی۔ دوڑتی ہوئی پورچ تک آئی تو اسے اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہوا۔ لان کے گیٹ سے گاڑی باہر نکل رہی تھی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا اشعر اپنے کنٹرول پر ... ریس دے کر اس نے ... اس نے غصے میں ریورس کر کے گاڑی نکالی تھی۔

گاڑی ایک جھٹکے کے ساتھ اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئی تھی۔ اس کا یقین لوٹ کر کرچی کرچی ہوا تھا۔ اس کی محبت اس کے یقین اور اس کی امیدوں کو اپنے پیروں تلے روند کر وہ اس سے دور اپنے گھر سے دور شکست دل کو لیے جانے کس حالت میں ... کے لیے چلا گیا تھا۔ وہ گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"ممی! میں آپ کے ساتھ ڈاکٹر کے پاس جانا چاہتی ہوں۔ کسی اچھی سی گائناکالوجسٹ کے پاس۔"

قدرے جھجکتے ہوئے اس نے فریدہ سے اپنی بات کی وضاحت کی تھی۔ اشعر کے جانے کے ایک ہفتے بعد وہ ... ساتھ بیٹھی ناشتہ کر رہی تھیں جب اس نے ان سے یہ بات کہی۔

"کیا؟ ڈاکٹر ضرور دکھاؤ۔" یہ بات سب کو ... اشعر حسین کے نزدیک اس کی کوئی اہمیت ہو یا نہ ہو فرح احسان کے نزدیک اس کی اس بات کی بہت اہمیت تھی۔ اس بچے کی اس کی اپنی ذات سے بھی زیادہ اہم تھی۔ اشعر کا ... بے تاثر اور جذبات سے عاری رویہ اپنے دل میں لیے اس کی فکر تھی۔ وہ اس کی

طرف سے فکر کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔

فریدہ اس وقت کسی اخبار کی کسی خبر میں پوری طرح گم تھیں۔ اس کی بات پر بری طرح چونک گئیں۔ انہوں نے اخبار سے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا پھر ایک دم ہی وہ مسکرا دی تھیں۔

"میرے منہ کی بات کہہ دی تم نے۔ میں بھی آج تم سے یہی کہنے والی تھی۔ بہت دنوں سے کہہ تو رہی ہو کہ اتنی عجیب سی ٹینشن ہے کمزوری ہے بھوک نہیں لگ رہی۔ مجھے کمزور بھی بہت لگ رہی ہو۔ لگتا ہے میں دادی بننے والی ہوں۔"

وہ جملے کے اختتام پر بہت خوشی سے بولیں۔ وہ جواب میں ... اس کی زندگی کی بہت بڑی خوشی تھی جو خوشی کی طرح دل میں ... رہی تھی۔

"میں ڈاکٹر طیبہ اور سے آج ہی کا اپائنٹمنٹ لینے کی کوشش کرتی ہوں۔ بہت اچھی گائناکالوجسٹ ہیں۔ شہر کی چند بہترین گائناکالوجسٹس میں سے ایک ہیں۔"

فریدہ نے اس کا ... ہاتھ واپس میز پر رکھتے ہوئے کھانوں اور اخبار دونوں کی طرف سے توجہ ہٹا لی تھی۔ اب ان کی توجہ صرف اور صرف اس پر تھی۔ اس نے ... سیٹ ... پر ... کیا تھا۔

پھر فریدہ اسے اسی شام ڈاکٹر طیبہ ... کے کلینک لے بھی گئی تھیں۔ فریدہ بہت خوش بہت پر جوش تھیں جب کہ وہ سب کچھ جیسے ایک ... سے انداز میں کر رہی تھی۔ اس کے پریگنینسی ٹیسٹ کی رپورٹ Positive آئی تھی تو جب بھی خوش نہیں ہو سکی تھی۔ وہ ... بننے والی ہے یہ اتنی بڑی خوشی کی خبر بھی اسے خوشی دینے میں ناکام تھی۔ وہ ... کیوں کہ جس کے لیے یہ بات اتنی اہم ہونا چاہیے تھی جتنی اس کے لیے وہ کہاں تھا جس کے ساتھ اس خوشی کو وہ شیئر کرتی۔ وہ رپورٹ لے کر فریدہ کے ساتھ گھر واپس جا رہی تھی۔ فریدہ گاڑی ڈرائیو کر رہی تھیں اور وہ ان کے برابر

والی سیٹ پر بیٹھی تھی۔ آج یہ خوش خبری کی تصدیق ہو جانے کے بعد وہ بے حد خوش تھیں۔ وہ دادی بننے والی ہیں اس بات کی انہیں بے حد خوشی تھی۔

"تم نے اشعر کو بتایا؟" ایک موڑ کاٹتے ہوئے انہوں نے اس سے پوچھا تھا۔

"نہیں ابھی سوچ رہی تھی پہلے کنفرم ہو جائے پھر انہیں بتاؤں گی۔"

اب وہ انہیں سچ کیا بتاتی کہ ان کے بیٹے نے پچھلے کئی دنوں سے اس سے سیدھے منہ بات کرنا بند کر رکھی ہے اور وہاں جا کر بھی اس نے اسے کوئی فون نہیں کیا تھا۔ فریدہ کو البتہ وہاں پہنچنے کے اسی روز اس نے کال کر کے انہیں اپنی خیریت بتائی تھی اور اس نے ان سے اپنا بھرم قائم رکھنے کے لیے انہیں یہ تاثر دیا تھا وہ اسے بھی فون کر چکا ہے۔ وہاں سے فون پر رابطہ نہیں کر پاتا مگر فریدہ سے تو اس کا مسلسل رابطہ تھا۔ فریدہ آج یہ خوش خبری اسے سنا سکتی تھیں۔ پتا نہیں کیوں لیکن اس کی چاہت ... تھی کہ اسے یہ اطلاع وہ خود دے۔ اس خبر کو سن کر خوشی سے بھرا ہوا اشعر کا چہرہ اس کی آنکھوں سے ظاہر ہو ... وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ سکے۔

"ممی! آپ کی اشعر سے بات ہو تو پلیز ابھی انہیں یہ بات مت بتائیے گا۔ جب وہ واپس آئیں گے تو میں خود..."

وہ نظریں جھکا کر ذرا جھجکتے ہوئے ان سے کہہ رہی تھی۔

وہ اس کی ادھوری بات کا مطلب سمجھ کر ہنس دی تھیں۔

"بے فکر رہو۔ میں اسے کچھ نہیں بتاؤں گی۔ سچ ہے یہ بات اپنے شوہر کو خود بتانا کسی بھی بیوی کے لیے کتنا اہم اور خوب صورت لمحہ ہوتا ہے۔"

وہ ان کی بات پر شرم سے مزید کچھ اور اپنے آپ میں سمٹ سی گئی تھی اور اگر فرح احسان اس پل نظریں اٹھا کر فریدہ حسین کے چہرے کی طرف دیکھ لیتی تو ان

آنکھوں میں اپنے لیے ... تحریر ضرور پڑھ لیتی۔

"بے فکر رہو فرح احسان! یہ بات میں اپنے بیٹے کو ابھی کیا، مرتے دم تک پتا نہیں چلنے دوں گی۔ اشعر کے واپس آنے پر اسے خود اپنے پریگنینٹ ہونے کی اطلاع دینے کی بات کہہ کر تو تم نے میرا آدھا مسئلہ تم خود ہی حل کر دیا ہے۔ تم جیسی ... ہوتے میرا آدھا مسئلہ تو خود بخود حل کر دیا ہے۔ باقی کا میں خود حل کر لوں گی۔ یہ خبر اشعر سے چھپا کر رکھنا میرے لیے زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔ یہ بات اسے اگر پتا چلے گی تو مجھ سے ... بے وقوف لڑکی دنیا میں ہو گی نہیں۔"

☼ ☼ ☼

اب بات صرف اس کی زندگی کی نہیں تھی۔ اب ایک اور ننھی زندگی اس کی زندگی کے ساتھ جڑ چکی تھی۔ اپنے لیے نہ بھی سہی مگر اپنے بچے کے لیے خود اپنی صحت کا اسے بہت زیادہ خیال رکھنا تھا۔ ڈاکٹر نے اسے سمجھایا تھا فریدہ نے بتایا تھا وہ خود بھی یہ بات سمجھتی تھی کہ پریگنینسی کے شروع کے تین مہینے بہت اہم ہوتے ہیں ان دنوں میں ذرا سی بھی بد احتیاطی بچے کی جان کو نقصان پہنچا سکتی ہے۔ اسے اچھی خوراک لینا چاہیے خوش رہنا چاہیے اپنے آپ کو ہر طرح کی ٹینشن اور پریشانی سے دور کر کے بالکل ... اور ریلیکس رہنا چاہیے۔ سب کچھ سمجھتی تھی مگر کھانے کے لیے لقمہ منہ میں لے کر جاتی تو وہ واپس آنے لگتا تھا۔

فریدہ اس کا بہت خیال رکھ رہی تھیں۔ وہ اس کے لیے اس کی پسند کی چیزیں خود بناتیں اسے اچھی طرح کھانے کو کہتیں اور وہ اپنے بچے کی خاطر خود پر جبر کر کے زبردستی کھانے کی کوشش کرتی تو اسے متلی ہونے لگتی۔ [illegible] ڈاکٹر نے ... اور دیگر ضروری ... [illegible]

اسے تو جو بھی تھیں' وہ ان سب کو باقاعدگی سے لے رہی تھی کر کے شیشے کے سامنے کھڑے ہو کر خود کو دیکھتی تو آنکھوں کے نیچے پڑے گہرے حلقے اور زرد چہرا اسے صدیوں کا بیمار بناتا۔

لو دی لگتے حلق سے اتارنے کی کوشش کرتے ایک بار وہ فریدہ کے سامنے رو پڑی تھی۔ وہ اس کے رونے پر حیران نہیں ہوئی تھیں۔ انہوں نے کہا تھا پہلی پہلی بار جب کوئی عورت ماں بننے کے عمل سے گزر رہی ہوتی ہے تو یاسیت' مزاجی اس طرح کی کیفیات اکثر اس پر حملہ آور ہو جاتی ہیں اور وہ اسی طرح کی اداسی کا شکار ہے اور وہ اشعر کو بھی مس کر رہی ہے۔

وہ اسے مس کر رہی تھی؟ اسے فریدہ کے جملوں اور اندازوں پر ہنسی بھی آئی اور خود پر ترس بھی۔ وہ انہیں کیسے بتاتی کہ اسے گئے چھ ماہ ہو گئے ہیں اور ان تمام دنوں میں اس نے ایک بار بھی اسے فون نہیں کیا ہے۔ اس کے جانے سے پہلے کے تین دنوں کو شامل کر لے تو آج اشعر کو اس سے بات کیے پورے [illegible] ہو چکے ہیں۔ ان تمام دنوں میں سوائے فریدہ کے ساتھ ڈاکٹر کے پاس جانے کے وہ کہیں بھی نہیں گئی تھی۔ فریدہ گھر پر ہوتیں تو وہ نیچے اترتی اور نہ سارا وقت اپنے کمرے میں خود کو ساری دنیا سے کاٹ کر بالکل بند رکھتی۔ وہ امتحان جس میں پوزیشن لینے کی اسے بہت خواہش تھی' شروع بھی ہو چکے تھے اور پیپر دینے کے لیے جانا تو بہت دور کی بات اسے تو یہ تک یاد نہیں تھا کہ وہ کچھ پڑھتی بھی ہے کسی ڈگری کے حصول کی کوشش بھی کر رہی تھی۔ [illegible] پیپرز کیوں نہیں دے رہی؟ فریدہ نے اس سے پوچھا تو اسے وہ پیپرز اور پڑھائی یاد آئی تھی۔

اس نے نظریں جھکا کر سادہ سے لہجے میں انہیں یہ جواب دیا کہ اپنے پریگننٹ ہونے کی خوش خبری پانے کے بعد اب تو بالکل اس کی توجہات بالکل ہٹ گئی ہیں۔ اس رات فریدہ نے کھانے میں اس کے لیے خاص طور پر اس کی پسند کی کئی ڈشیں بنوائی تھیں۔ ٹیبل پر اور بھی تمام چیزیں اس کی پسند کے مطابق تھیں۔

"اور تو میں اتنا سا کھا لیا ہے۔" خود پر جبر کر کے جتنا اس سے کھایا جا سکا تھا اس نے کھا لیا تھا' اب مزید خود پر جبر کرنا یوں لگ رہا تھا کہ جو کھا چکی ہے وہ سب بھی واپس باہر آجائے گا۔

"نہیں بھی اور دل نہیں چاہ رہا۔"

"بہت ستا رہی ہو تم بچے۔" انہوں نے اسے ذرا خفگی سے گھورا۔ "اشعر واپس آجائے' پھر تمہیں بتائے گا۔"

اسے یوں لگا جیسے اس کا مذاق اڑایا جا رہا ہے۔ وہ اس سے بات کرنے کا روادار نہیں' جس کی آواز سننے کو ترس گئی' وہ کیا اس کے کوئی نخرے اٹھائے گا۔ اس نے ایک بار فون کر کے اس کی طبیعت بھی نہیں پوچھی اس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ سو تو جانتا تھا ناں؟ فریدہ کے سامنے اس نے خود پر ضبط کیے رکھا تھا مگر کمرے میں آتے ہی وہ بلک بلک کر رو دی تھی۔

اس کی زندگی میں خوشیاں اور دکھ' ہنسی اور آنسو ہر چیز صرف اور صرف اس شخص سے وابستہ تھی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کا تکیہ اپنی طرف کھینچا' اس تکیے کو اپنے ساتھ لگا کر وہ زار و قطار رو رہی تھی۔ "تمہیں میری یاد نہیں آتی؟ کیا تمہیں ایک پل کے لیے بھی یاد نہیں آتی؟"

اس کے پاس رکھا اس کا موبائل یک بیک ہی بہت زور سے بجا۔ اس نے بے دلی سے موبائل ہاتھ میں لیا۔ اشعر کالنگ' تھا اس نے ایک ساعت کے لیے [illegible] پھر فوراً ہی یس کا بٹن دبا دیا۔

"اشعر!" اس کے منہ سے بے ساختہ اس کا نام نکلا اور اس نام کو لیتے ہی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

اسے لگا جیسے اس کے دل کی چیخ پکار اس تک پہنچ گئی تھی۔ سو وہ اس وقت اسے شدتوں سے یاد کر رہی تھی اور اس کی آواز سن لی گئی تھی۔

"عروہ" صرف اس کے لبوں سے اپنا نام سن کر اسے یہ معلوم ہو گیا تھا کہ وہ اس کا وہی اشعر ہے وہی اشعر جو [illegible]ل سے محبت کرتا ہے۔ اس کے لبوں سے اپنا نام اتنی محبت سے سن کر اس کی آنکھوں سے گرتے آنسوؤں [illegible] تیزی آگئی تھی۔ وہ بالکل خاموش تھی جیسے [illegible] سمجھ میں نہیں آرہا کیا بولے۔

"آپ کیسے ہیں؟" وہ کچھ سمجھ میں نہیں آیا تو اس [illegible] کو توڑنے کے لیے وہ آنسوؤں کو روکتے ہوئے [illegible] سے بولی۔

"تم کیسی ہو؟" اس کے سوال کے جواب میں اس [illegible] بڑی نرمی سے سوال کیا۔

"میں ٹھیک ہوں۔ آپ کب واپس آرہے ہیں؟" [illegible] آنسوؤں کو جتنا روکنے کی کوشش کر رہی تھی وہ اتنا ہی [illegible] بہتے چلے جا رہے تھے۔ وہ اس سے اسی لہجے میں [illegible] کر رہا ہے' وہ اس سے اسی انداز میں بات کر رہا ہے [illegible] وہ اپنے شوہر کے دل سے نکل کر اس کے دل [illegible] اسی مقام پر ہی رہتی ہے۔ وہ اس [illegible] محبت کرتا ہے' یہ لہجہ اسی اشعر کا لہجہ ہے' وہ اس [illegible] محبت کرتا ہے اس کی روح جیسے جسم میں واپس آ[illegible] تھی اس کا مرجھایا ہوا چہرہ [illegible] سے زندہ ہو گیا تھا۔

"میں جلدی بہت جلدی واپس آؤں گا۔ تم میرا انتظار کر رہی ہو ناں؟"

"میں تمہارے بغیر مر رہی ہوں۔ تم آؤ گے تو میں زندہ ہوں گی۔ تم میری زندگی ہو' تم میرا آسمان ہو' تم [illegible] نہیں ہو تو میں خود کو بھری دنیا میں بالکل تنہا محسوس کر رہی ہوں۔ جیسے ابھی ناراض ہو گئے تھے [illegible] پھر کبھی ناراض مت ہونا' جیسے ابھی اجنبی بن گئے تھے ایسے پھر کبھی مت اجنبی مت بننا۔"

[illegible] تھا وہ اس سے کہنا چاہتی تھی مگر اتنی [illegible] ہو رہا تھا وہ اسے اپنے آنسوؤں سے پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"ہاں بہت' بہت زیادہ انتظار کر رہی ہوں' بہت [illegible] سے انتظار کر رہی ہوں۔ پلیز جلدی واپس [illegible] جائیں مجھے آپ سے بہت ساری باتیں کرنی ہیں۔"

اسے اس سے کوئی گلہ بھی تھا' یہ یاد نہیں تھا۔

"میں بہت جلدی واپس آؤں گا مجھے بھی تم بہت یاد آرہی ہو۔ مجھے بھی تم سے بہت کچھ کہنا ہے۔" وہ اس کے لہجے میں اپنے لیے بہت والہانہ پن بہت بے قراری بڑی شدت میں محسوس کر رہی تھی۔ یوں جیسے آج اس پل وہ اس کے سامنے ہوتا تو وہ سچ مچ اسے اپنے سینے سے لگا لیتا۔

"آپ جب واپس آئیں گے تو میں آپ کو ایک بات بتاؤں گی۔" روتے روتے بولتے اس کا ہاتھ خود بخود اپنے پیٹ پر چلا گیا تھا جیسے کسی کے ہونے کو محسوس کرنے لگی ہو۔ کسی کی دھڑکنوں کو سننے لگی تھی۔ اشعر کے بچے کی خوشی کتنی ادھوری تھی اس کے بغیر کتنی نامکمل تھی۔ وہ آنکھوں کے سامنے ہوگا تو وہ اس کو اس کی خوشی بتائے گی تب ہی یہ خوشی اسے خوشی لگ سکے گی۔ وہ اسے کیا بتانا چاہتی ہے وہ پوچھ رہا تھا وہ روتے روتے مسکرا کر نفی میں سر ہلاتے ہوئے بول رہی تھی۔

"نہیں ابھی نہیں۔ جب واپس آئیں گے تب۔ فون پہ نہیں بتاؤں گی۔"

بہاول قریب منظر تھا اس کی آنکھوں سے آنسو گر رہے تھے اور اس کے لب مسکرا رہے تھے۔ زندگی میں چھوٹی چھوٹی خوشیوں کو بہت اہم جاننے والی وہ لڑکی اس ایک چھوٹی سی جان کی خوشی کو پورا کرنا چاہتی تھی۔ صرف ایک چھوٹی سی خواہش آنے والے دنوں میں اس کی زندگی کی سب سے بڑی [illegible] کی گئی۔

بچے سے بہت پیار کرنے والی وہ لڑکی جانتی نہیں تھی کہ شادی کے بعد جب کوئی عورت ماں بننے والی ہوتی ہے تو اگر اس کا واسطہ کسی ایسے شیطان صفت لوگوں سے پڑا ہو تو اسے اپنی کوکھ میں پلتے وجود کو اپنے شوہر کا ثابت کرنے کے لیے گواہیاں بھی لانی پڑتی ہیں ثبوت بھی پیش کرنے پڑتے ہیں۔

وہ اسے اس رات بے اختیار [illegible] زندگی میں جو کچھ ہوا وہ سب تب بھی ہوا مگر [illegible] اس کی [illegible] ایک گولی [illegible] حسن کے اس کے متعلق اندازے غلط تھے۔

اشعر کا فون بند ہو جانے کے بعد بھی وہ موبائل کو سینے سے لگائے ایسی ہی مدہوش سی بیٹھی رہی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ اب بھی اس کے کانوں میں نرم نرم سے لہجے میں محبت بھری سرگوشی کر رہا ہو۔

"قہرو! میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں۔ تم میرے لیے بہت اہم ہو۔ تم میرے لیے بہت خاص ہو یہ بات ہمیشہ یاد رکھنا قہرو!"

اور یہ بات قہرو نے ہمیشہ یاد رکھی تھی گو انہیں کتنے ہی لمحے کر بھول گیا تھا۔ وہ اس پوری رات خوشی سے جاگتی رہی تھی۔ کتنی مختصر سی بات ہوئی تھی اس کی اشعر کے ساتھ۔ مگر وہ چند فقرے کتنے قیمتی تھے اس کے لیے۔ وہ اس پوری رات ان ہی جملوں کو گھڑی گھڑی دہراتی رہی تھی۔

اس کی واپسی کا اس رات ہی سے اس نے لمحہ گن گن کر انتظار کرنا شروع کر دیا تھا۔ وہ واپس آئے گا سب سے پہلے وہ اسے ان دونوں کی زندگی کی سب سے بڑی خوشی کی خبر سنائے گی اور اس کے بعد گھر والوں کی کسی بھی بات کا ذکر کیے بغیر وہ اس کے سینے پر سر رکھ کر بہت سارا روئے گی۔ وہ اس سے کوئی شکوہ کوئی گلہ نہیں کرے گی۔ وہ اس سے [illegible] کی [illegible] وہ اس کے اندر کون سی چیز ہے جو اسے ناپسند ہے وہ اس کے مزاج میں اس کے رویے میں اس کی باتوں میں اس کے انداز میں اس کے ظاہر میں بھی کہ باطن میں بھی جس چیز کو ناپسند کرتا ہے ایسی اپنی ہر عادت ہر بات کو وہ اسی وقت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ترک کر دے گی۔

وہ خود کو سر سے پاؤں تک اس کی پسند کے رنگ میں ڈھال لے گی۔ وہ زندگی میں دوبارہ کبھی ایسا موقع نہیں آنے دے گی۔ جب وہ اس سے یوں خفا ہو جائے کہ یوں اجنبی ہو جائے۔

"قہرو! میں نے اس روز تمہیں بہت غلط باتیں کہی تھیں۔ تم مجھ سے ناراض ہو نا؟" اس نے اس سے پوچھا تھا وہ اسے فون پر نہیں کہہ پائی مگر جب وہ سامنے ہوگا تو اس کے سینے پر سر رکھ کر وہ اس سے

[illegible] کرے گی۔

"تم سے ناراض اشعر کبھی بھی نہیں۔ تم نے جو بھی کہا ٹھیک ہے۔ جس بھی بات پر خفا ہو سکتے تھے تو اس تم سے ہیں اپنے آپ سے ناراض ہو گئی تھی۔ میں نہ کہیں بھی تمہاری امیدوں کے خلاف ثابت ہوئی تھی تب ہی تو تم خفا ہو گئے تھے۔" وہ اس سے اتنی محبت کرنے والا شخص یک دم ایسا کس طرح بدل سکتا تھا بھلا؟ "کہیں نہ کہیں غلطی اس کی رہی ہوگی کہیں نہ کہیں غلطی اس سے ہوئی ہوگی" جسے وہ خود بھی نہیں سمجھ سکی ہوگی۔

"قہرو! میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں۔ یہ بات ہمیشہ یاد رکھنا قہرو۔" اس پوری رات ان جادوئی اثر رکھنے والے لفظوں کو اپنے گرد [illegible] رہی تھی۔ وہ اپنے شوہر کی من چاہی تھی تو صرف اس کے گھر میں نہیں وہ اس کے دل میں بھی رہتی تھی۔

چوتھے دن وہ [illegible] اس کمرے میں ناشتے کی میز پر بڑی امی سے آکر بیٹھی تھی۔ ناشتے میں اس کی پسند کی بہت سی چیزیں تھیں لیکن وہ سب چیزیں بہت اچھی لگ رہی تھیں۔ آج اس کا دل چاہ رہا تھا خوب سیر ہو کر ناشتہ کرے۔ فریدہ نے ابھی اس کے گلاس میں [illegible] اس کا گلاس کو خالی کر دیا تو ڈائجسٹ کا [illegible] اپنے دونوں کے اوپر خود لیٹے ہوئے آنکھیں لگا رہی تھی۔

"بہت خوش لگ رہی ہو۔" فریدہ نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ اپنے اور اشعر کے بیچ ہوئی کسی بھی بات کا ذکر اس نے ان سے نہیں کیا تھا کہ خوشی کی بات دل میں چھپا رہی تھی۔

"کل رات اشعر کا فون آیا تھا کہہ رہے تھے کہ بہت جلدی واپس آ جائیں گے۔" اس نے مسکراتے ہوئے انہیں بتایا۔

"تم نے خوشی خبری سنائی ہوگی اس لیے شاید جلدی واپس آ رہا ہے۔" انہوں نے مسکرا کر [illegible] سے پوچھا۔

"نہیں امی میں نے کوئی بات نہیں بتائی۔ بس وہ

خود سے جلدی واپس آ رہے ہیں۔" اسے اپنی خوشی چھپانا مشکل ہو رہی تھی۔ وہاں بیٹھے [illegible] کہ آپ تو کچھ سمجھ جائے۔ [illegible] اسے خود کو گھورتا [illegible] خوشی اور اس کے وہ سب آنکھوں سے چھلکے جا رہا تھا۔

"اچھی بات ہے پھر تو۔ میں یہ سوچ رہی تھی کہ کہیں اسے وہاں مزید کتنے دن لگ جائیں گے۔ تم لوگوں کی [illegible] سوچ رہی ہوں کچھ لیٹ ہو سکتی مگر ایک پارٹی رکھ لی جائے۔ اس موقع کو سیلیبریٹ کیا جائے اشعر آ جائے تو ہم [illegible] اور کسی کی کو اعتراض کرتا ہے تو [illegible] اپنے [illegible] کو بھرپور انداز میں [illegible] اس نے سر اثبات میں ہلایا۔

(باقی آئندہ)

مکمل ناول



فرحت اشتیاق

ہم سفر

"آج تم نے آملیٹ بہت مزے کا بنایا ہے۔"
نور افزا ٹیبل پر چائے کی کیتلی رکھنے آئی تو وہ اس سے بولی تھی۔ نور افزا اس تعریف پر سادگی سے مسکرادی' دل میں اس بات پر حیران ہوتے کہ آملیٹ تو اس نے روز ہی کی طرح بنایا ہے۔ پھر وہ روز سے زیادہ مزے کا کس طرح بن گیا۔ وہ کیتلی میں سے اپنے کپ میں چائے ڈالنے لگی تھی' اپنے کپ میں ڈال چکی تو اس نے فریدہ کے کپ میں بھی چائے ڈال دی۔ ان کے کپ میں شکر ملائی اور اپنے میں نہیں ڈالی۔ آج دل چاہ رہا تھا ناشتے کی اس میز پر اس کی موجودگی کا احساس پانے کے لیے وہ اسی کی طرح پھیکی چائے پیے۔ اس پھیکی چائے کے مزے سے گھونٹ لیتے ہوئے وہ دل ہی دل میں مسکرا رہی تھی۔ وہ اس وقت یہاں نہیں تھا۔ مگر پھر بھی وہ اس کے ساتھ تھا' اس کی ایک بہت پیاری' نشانی اس کی ایک بہت خاص امانت وہ اپنے وجود میں چھپائے اپنے خون سے سینچ رہی تھی۔
"رات زرینہ کا فون آیا تھا بتا رہی تھی کہ مہران کے پیرنٹس اپنی فیملی کی کوئی شادی اٹینڈ کرنے کراچی آئے ہوئے ہیں۔ شاید آج کل میں وہ خضر سے ملنے اس کے گھر پر آئیں گے۔"
اس وقت اس کی سوچوں کا محور اشعر' وہ خود اور ان کا ہونے والا بچہ تھا' خضر کے رشتے اور اس کے ممکنہ ساس سسر کی کراچی آمد کے ذکر میں اسے کوئی دلچسپی محسوس ہو نہیں رہی تھی مگر فریدہ کی خاطر مروتاً وہ مکمل توجہ سے ان کی بات سننے لگی۔

ساتویں اور آخری قسط



"زرینہ بتا رہی تھی خضر بڑی طرح کونشس ہو رہا ہے اگر انہیں میرا گھر پسند نہیں آیا، اگر انہیں میرے گھر میں کسی چیز کی کمی لگی۔ میں نے زرینہ سے کہا اس پاگل کو سمجھاؤ وہ تمہارے گھر کو نہیں تمہیں دیکھنے، تم سے ملنے آرہے ہیں۔"

اتنا اندازہ تو وہ بھی لگا سکتے ہیں کہ پڑھائی کے دوران جو لڑکا اپنا لائف اسٹائل اور اسٹینڈرڈ اتنا اچھا Maintain کر کے رکھ سکتا ہے 'پڑھائی ختم کرنے کے بعد آئندہ دو' تین سالوں میں وہ خود کو کتنی اچھی طرح اسٹیبلش کر چکا ہوگا۔"

وہ "ہوں" سرہلاتے دلچسپی لیتے جیسا تاثر فریدہ کو مسلسل دے رہی تھی۔ ناشتے کے بعد فریدہ اپنے آفس چلی گئی تھیں۔ ان کی واپسی شام میں ہوئی تھی۔ وہ دونوں لان میں بیٹھی شام کی چائے پی رہی تھیں۔ فریدہ نے تو چائے کے ساتھ صرف ایک بسکٹ ہی لیا تھا جبکہ وہ دو تین بسکٹس کے ساتھ ایک چکن سینڈوچ بھی کھا چکی تھی۔ آج پورا دن اس نے بستر پر لیٹ کر ٹی وی دیکھنے اور کھانے کے سوا کوئی کام نہیں کیا تھا۔

فریدہ کے موبائل پر کسی کی کال آئی تھی' وہ اس کال کو سننے لگی تھیں۔ "اچھا تم ہو" دوسری طرف کی آواز سن کر وہ خوشگوار سے انداز میں ہنسی تھیں۔ وہ خضر کی کال تھی' وہ قدرے لاتعلق سے انداز میں چائے کے گھونٹ لیتی فریدہ کے اس کے ساتھ گفتگو سن رہی تھی۔

"دولہا میاں کو دیکھنے ہونے والے ساس سسر آرہے ہیں' ذرا اچھی طرح تیار دیار ہو جانا۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے اسے چھیڑا تھا۔

"میں بھی آجاؤں؟ کیوں بھئی زرینہ اور اجمل کافی نہیں ہیں کیا مورل سپورٹ کے لیے؟" انہوں نے خضر کی کسی بات کے جواب میں بلند قہقہہ لگاتے ہوئے کہا تھا۔

"اچھا' اچھا فکر مت کرو۔ نہیں رکھوں گی اپنی کل کی کوئی اور مصروفیت' ہاں خرد سے بھی کہہ دوں گی۔" چند سیکنڈز اس کی بات خاموشی سے مسکرا کر سنتے انہوں نے قدرے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے اس سے کہا اور پھر خدا حافظ کہہ کر فون بند کر دیا تھا۔

"خضر کا فون تھا۔ کل شام چائے پر آرہے ہیں مہرین کے ممی' ڈیڈی اس کے گھر۔ زرینہ اور اجمل کل لازمی ہوں گے وہاں' پھر بھی مجھ سے کہہ رہا ہے آپ بھی آئیں۔ میں اکیلے میں مہرین کے ممی' ڈیڈی کے سامنے بہت نروس ہو جاؤں گا۔ اپنا چائے کا کپ دوبارہ میز پر سے اٹھاتے ہوئے انہوں نے اسے بتایا تھا۔

"لنچ اور ڈنر پر تو ان لوگوں کی اپنی کچھ اور مصروفیت ہے' اس لیے شام کی چائے پر آرہے ہیں۔ شاید ساڑھے چھ' سات بجے تک آئیں گے۔ تمہیں بھی انوائٹ کیا ہے خضر نے۔" چائے کے سپ لیتے وہ مزید گویا ہوئی تھیں۔

"میں کیا کروں گی جا کر۔ آپ چلی جائیے گا ممی۔" خضر کے ہونے والے ساس سسر کی اس کے گھر آمد' اتنی غیر متعلق بات میں اسے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی۔

اس پوری رات وہ سوئی جاگی کیفیت میں رہی تھی۔ صبح ہونے سے پہلے اس نے خواب میں اشعر کو دیکھا تھا۔ اس نے اپنی گود میں ایک بہت پیارے سے ننھے سے بچے کو دیکھا تھا۔ اسے آنکھ کھلنے پر باقی خواب کی کوئی بات یاد نہیں رہی تھی ہاں ایسا لگا تھا کہ شاید اس نے اس بچے کو گلابی کمبل میں لپٹا دیکھا تھا۔ لیکن اگر وہ کمبل گلابی رنگ کا تھا تو کیا اس بات کا یہ مطلب تھا کہ اس کے ہاں بچی پیدا ہونے والی تھی؟ ہر ماں کی طرح شاید اس کی خواہش بھی بیٹے کی تھی مگر بیٹی کو سوچنا بھی اسے بہت اچھا لگ رہا تھا۔

فریدہ آج گھر پر ہی تھیں۔ کل رات ہی انہوں نے اس کے ساتھ آج شاپنگ پر جانے کا پروگرام بنایا تھا وہ اپنے اور اس کے موسم سرما کے کپڑوں کی خریداری کرنا چاہتی تھیں۔ ساتھ ہی گھر کے لیے کچھ دوسرا سامان بھی انہیں خریدنا تھا۔ شاپنگ کرتے ہوئے فریدہ نے اس کے اور اپنے لیے سردیوں کے موسم کے لحاظ سے کچھ کپڑے خریدے تھے۔ اب مزید شاپنگ کے لیے وہ ایک ڈپارٹمنٹل اسٹور کی طرف جا رہی تھیں' پھر اس کے بعد اپنی ڈریس ڈیزائنر کے پاس جانا تھا تاکہ اپنے اور خرد کے موسم سرما کے ملبوسات اس سے تیار کروا سکیں۔ ابھی وہ لوگ راستے ہی میں تھے کہ فریدہ کے موبائل پر زرینہ کی کال آگئی۔ گاڑی ڈرائیو کرتے انہوں نے کال ریسیو کی تھی۔ زرینہ انہیں خضر کے گھر سے فون کر رہی تھیں۔ وہ اپنی ایک عدد ملازمہ کو لے کر خضر کے گھر صبح سے پہنچی ہوئی تھیں۔ یہ ساری بات اسے فریدہ کی ان سے گفتگو سے سمجھ میں آئی تھی۔ "ہاں بات تو خضر کی بالکل صحیح ہے' اچھی تو گھر کی بنی ہوئی چیزیں ہی لگتی ہیں۔ باہر سے کتنا ہی کچھ کیوں نہ لے آؤ' وہ اسٹینڈرڈ آہی نہیں سکتا جو گھر کی بنی چیزوں کا ہوتا ہے۔" وہ گاڑی سڑک پر مناسب رفتار سے چلاتے زرینہ کے کسی بات کے جواب میں بولی تھیں۔

"بھئی تمہاری اس بات میں تو کوئی شک ہی نہیں ہے۔ میری بیٹی کوکنگ واقعی لاجواب کرتی ہے۔" انہوں نے اس کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"خرد سے بنوانا ہے؟ ہاں اس وقت وہ ہے تو میرے ساتھ ہی۔ ہم دونوں ساس بہو اس وقت شاپنگ کے لیے گھر سے نکلے ہوئے ہیں۔ اچھا تم ٹھہرو میں خرد سے پوچھ کر تمہیں بتاتی ہوں۔" زرینہ کو ہولڈ کروا کر انہوں نے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"زرینہ کہہ رہی ہے اگر خرد تھوڑی دیر کے لیے اس کے پاس خضر کے ہاں آسکے تو۔ اسے تمہارے ہاتھ کا بنا چاکلیٹ کیک اور چکن پائی بہت پسند ہے۔ کہہ رہی ہے اگر خرد آکر یہ دو چیزیں بنا دے تو بہت اچھا ہو جائے گا۔"

خرد اس کا کسی پر بھی جانے کا کوئی موڈ نہیں تھا۔ اس کا دل چاہا وہ ممی سے کہے کہ خضر کے ہونے والے ساس سسر تو شام سات بجے تک آئیں گے۔ وہ یہ دونوں چیزیں گھر پر جا کر بنا دے گی اور شام میں جب ممی' خضر کے گھر جا رہی ہوں گی تب اپنے ساتھ یہ دونوں چیزیں لیتی جائیں گی۔ مگر یہ ساری بات بہت لمبی تھی جبکہ ممی نے اس وقت زرینہ آنٹی کو ہولڈ کروا رکھا تھا۔ اس وقت اگر وہ ایسی کوئی بات کہتی تو بور ہو سکتا تھا۔

دل نہ چاہتے ہوئے بھی اسے صرف اور صرف ممی کی خوشی کی خاطر اقرار میں گردن ہلانا پڑی تھی۔

"آرہی ہے خرد۔ لیکن خبردار میری بیٹی کو زیادہ تھکانا وکانا نہیں۔ بڑی نازک ہے میری بیٹی' میں اسے زیادہ کام وام کرتا نہیں دیکھ سکتی۔"

اگلے سات آٹھ منٹ ہی میں فریدہ' خضر کی بلڈنگ کے احاطے میں اپنی گاڑی پارک کر رہی تھیں۔ وہ فریدہ کے ساتھ اوپر آگئی تھیں۔

"زیادہ خود کو تھکانا نہیں۔ زرینہ اپنی ملازمہ کو ساتھ لائی ہوئی ہے۔ سب کام اسی کو سمجھا کر اس سے کرواتے رہنا۔ بچن میں کرسی ڈال کر بیٹھ جانا۔ میں ایک ڈیڑھ گھنٹے میں تمہیں لینے آجاؤں گی۔ اتنی دیر میں جتنا کام ہو جاتا ہے ٹھیک ہے۔ باقی رخسانہ کو سمجھا دینا۔"

خضر کے اپارٹمنٹ کے دروازے پر تیل کرتے ہوئے انہوں نے اس سے کہا تھا۔ اس وقت سوا دو بجے رہے تھے۔

زرینہ کی ملازمہ رخسانہ نے آکر ان کے لیے دروازہ کھول دیا تھا' اس کے پیچھے پیچھے زرینہ بھی دروازے پر آگئی تھیں' خضر بھی اندر سے دروازے پر آگیا تھا۔ فریدہ' زرینہ اور خضر سے سلام دعا کر کے دروازے ہی سے واپس جا رہی تھیں۔

"دیکھو بھئی زرینہ میری بیٹی کو زیادہ تھکانا مت۔ میں قریب ہی شاپنگ کر رہی ہوں اور ایک سے ڈیڑھ گھنٹے کے اندر اندر اسے لینے آجاؤں گی۔"

زرینہ سے ایک بار پھر یہی بات کہہ کر فریدہ واپس چلی گئی تھیں۔ اور وہ زرینہ کے ساتھ اندر آگئی تھی۔ "بہت شکریہ خرد آپ آگئیں۔ مائی بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں' واقعی کوکنگ آپ بہت اچھی کرتی ہیں۔ آپ کے ہاتھوں کے بنے سارے ہی کھانے بہت مزے کے ہوتے ہیں۔"

خضر نے اپنے گھر آجانے پر اس کا شکریہ ادا کیا تھا۔

وہ خضر کے گھر پہلی مرتبہ آئی تھی۔

ایک بیڈ روم' ایک مشترکہ ڈرائنگ' ڈائننگ اور کچن پر مشتمل گھر میں' اس کے والد کے بھیجے جانے والے پیسوں کا کم اور اس کی خود کی محنت کا زیادہ عمل دخل تھا۔

وہ' زرینہ اور ان کی ملازمہ کے ساتھ کچن میں تھی۔ مطلوبہ تمام سامان زرینہ نے وہاں منگوا کر رکھا ہوا تھا' سو اس نے جلدی جلدی کام کرنا شروع کر دیا تھا۔ زرینہ نے بھی بیک وقت کئی چیزیں بنانی شروع کی ہوئی تھیں۔ کچن میں نظر آتے ڈھیر سارے لوازمات کو دیکھ کر نظر آرہا تھا کہ زرینہ' خضر کے ساس سسر کے لیے خوب ٹھیک ٹھاک قسم کی شاندار سی ٹی پارٹی کا اہتمام کر رہی ہیں۔

"خضر جب سے کراچی آکر رہنے لگا ہے لگتا ہے اللہ نے میری بیٹے کی خواہش پوری کر دی ہے۔ ڈھائی تین سالوں میں اس کی اتنی عادت ہو گئی ہے کہ سوچتی ہوں یہ پڑھنے امریکہ چلا جائے گا تو میرا اس کے بغیر دل کیسے لگے گا۔"

وہ کام کرتے ہوئے اس سے خضر کے لیے اپنی چاہت کا اظہار کر رہی تھیں۔ ان کی یہ چاہت صرف لفظوں ہی سے

نہیں ان کے عمل سے بھی ثابت ہوتی تھی۔

"میں نے تو کئی بار خضر سے کہا ہے کہ ہمارے گھر کے ہوتے الگ کیوں رہتے ہو مگر اسے اچھا نہیں لگتا ماموں، ممانی کے گھر جا کر رہنا۔ انا بہت ہے اس لڑکے میں۔"

زرینہ نے دہی بڑے بنانے کے لیے پسی ہوئی ماش کی دال میں نمک ملاتے ہوئے اس سے کہا تھا۔ وہ ان سے باتیں کرتی ہوئی تیز تیز کام بھی کرتی جا رہی تھی۔ فریدہ کو ایک ڈیڑھ گھنٹے بعد آجانا تھا اس لیے وہ چاہتی تھی۔ اتنی دیر میں کیک اور چکن پائی بنانے کا کام جتنا کر سکتی ہے وہ کرلے۔

چکن پائی کے لیے زرینہ نے اپنی ملازمہ سے چکن ابلوا کر رکھی ہوئی تھی۔ اس نے اسے مرغی کے ریشے کرنے کو کہا اور ساتھ ہی اس کے بعد مرغی کو کیا چیز ڈال کر پکانا ہے یہ بھی سمجھا دیا تھا۔ وہ خود چکن پائی کے دوسرے مرحلے کے لیے مکھن اور انڈوں کو بیٹ کر رہی تھی پھر بیٹ ہوئے مکھن اور انڈوں میں میدہ ملانے لگی تھی۔

"خضر آج بہت نروس ہے۔ پسند بھی تو بہت کرتا ہے مہرین کو۔ حالانکہ ایک طرح سے ان لوگوں نے ہاں کہہ دی ہے۔ آج کی ساری کارروائی تو محض رسمی ہے مگر یہ لڑکا بلاوجہ اس قدر گھبرایا ہوا ہے۔"

زرینہ ڈرائنگ روم میں خضر کی کوئی بات سننے گئی تھیں۔ وہاں سے چند منٹ میں واپس آئیں تو ہنستے ہوئے بولی تھیں۔ اسے وہاں آئے ایک گھنٹے سے اوپر ہو چکا تھا۔ زرینہ کو کسی ڈش کی تیاری کے لیے فریش کریم اور کسی دوسری ڈش کے لیے مشروم چاہیے تھے۔ وہ کچن سے باہر نکل کر خضر کے پاس ڈرائنگ روم میں گئیں تاکہ اسے یہ دونوں چیزیں لانے کے لیے کہہ سکیں۔ اس نے کیک کی تیاری کا کام بھی شروع کر دیا تھا جبکہ

زرینہ کی ملازمہ اس کے قریب ہی کھڑی چکن پائی کے لیے مرغی فرائی کر رہی تھی۔ زرینہ نے ڈرائنگ روم سے آواز دے کر اپنی ملازمہ کو بلایا تھا۔ وہ ان کی بات سننے ڈرائنگ روم میں چلی گئی تھی۔ اسے ڈرائنگ روم میں فون بجنے کی آواز آئی تھی شاید زرینہ یا خضر کا موبائل بجا تھا۔ دو منٹ بعد اس نے زرینہ کی ہنستی ہوئی آواز ڈرائنگ روم سے آتی سنی تھی۔ وہ بلند آواز میں اسی سے مخاطب تھیں۔

"خرد! تمہاری ساس صاحبہ کا فون تھا۔ کہہ رہی ہیں میری بہو کو تم زیادہ تھکا تو نہیں رہیں۔ میں بس دس منٹ میں اسے لینے آ رہی ہوں۔ میرا خیال ہے وہ اسٹور سے نکل گئی ہے اور اب راستے میں ہے۔ دس منٹ کیا میرے خیال سے وہ پانچ چھ منٹ میں یہاں پہنچ جائے گی۔"

انہیں تو اس کی فکر ویسے بھی بہت رہا کرتی تھی۔ اب جب سے وہ پریگننٹ ہوئی تھی تو انہیں پہلے سے بھی زیادہ اس کی فکر لگی رہا کرتی تھی۔ وہ ممی کی محبت پر مسکرائی پہلے سے بھی زیادہ تیزی سے اپنے ہاتھ چلانے لگی تھی۔ زرینہ کی ملازمہ جو ان کے بلانے پر ڈرائنگ روم میں گئی تھی ابھی تک واپس نہیں آئی تھی اسی لیے اپنے کام کے ساتھ وہ وقفے وقفے سے اس کی فرائی کرنے کے لیے رکھی گئی ریشے ہوئی مرغی میں بھی چمچہ چلانے لگی تھی۔

اس نے اپارٹمنٹ کا دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز سنی تھی۔ یقیناً یہ زرینہ آنٹی کی ملازمہ تھی جسے انہوں نے فریش کریم اور مشروم کا کین لانے بھیجا تھا کیونکہ خضر کی باتیں کرنے کی آواز تو اسے ڈرائنگ روم سے آ رہی تھی۔

وہ سانچے کو اوون میں رکھنے کی تیاری کر رہی تھی اسی وقت ہی اپارٹمنٹ کی بیل بجی تھی۔ یہ زرینہ آنٹی کی ملازمہ بھی ہو سکتی تھی اور ممی بھی۔ اگر یہ ممی تھیں تو وہ واقعی بارہ منٹ میں اسے لینے آ گئی تھیں۔ اس نے دل میں یہ سوچتے کہ وہ ممی سے کہے گی وہ یہاں آدھا پون گھنٹہ زرینہ آنٹی کے ساتھ گپ شپ لگا لیں۔ اس نے فوراً ہی سنک کا نل کھول کر میدہ وغیرہ لگے اپنے ہاتھوں کو کھنگالا اور پھر دوپٹے سے گیلے ہاتھوں کو خشک کرتی فوراً ہی کچن سے باہر نکل آئی۔ اسے دروازے کے پاس سے خضر کی اور کوئی زنانہ آواز آئی جو شاید ممی ہی کی تھی۔

"کون ہے خضر؟ کیا آ گئیں۔" وہ آگے کہنا چاہتی تھی۔ "کیا آ گئیں ممی؟" مگر اپنا جملہ مکمل نہیں کر پائی تھی منظر ہی کچھ اتنا حیرت انگیز، اتنا ناقابل یقین دکھائی دے گیا تھا اس کی آنکھوں کے سامنے فریدہ کے برابر اشعر کھڑا تھا۔ اسے دیکھ کر خوشی تو ہونا ہی تھی مگر خوشی سے بھی زیادہ اسے غیر متوقع انداز میں یہاں دیکھ کر اسے حیرت ہوئی۔ ممی تو پاس ہی ڈپارٹمنٹل اسٹور میں شاپنگ کر رہی تھیں تو وہاں اشعر کہاں سے آ گیا اور اشعر واپس کب آیا؟ اس کی تو کل واپسی کی تو وہ شدتوں سے منتظر تھی مگر اسے یہاں اس

طرح دیکھنے کی ذرا بھی امید نہیں تھی۔ اسے اتنے اچانک، غیر متوقع انداز میں سامنے پا کر وہ خوشی اور حیرت کی زیادتی کے سبب فوری طور پر کچھ بول نہیں پا رہی تھی اگر فریدہ اور خضر یہاں نہ ہوتے تو وہ دوڑتی ہوئی جا کر اس کے سینے سے لگ جاتی، کچھ کہنے سننے کی ہر مشکل ہی سے نجات مل جاتی۔ لیکن یہ ممی اور اشعر اس طرح سے خاموش کیوں ہیں اور زرینہ آنٹی بیل کی آواز سن کر اور پھر ممی کی آواز سن کر بھی وہ ڈرائنگ روم سے باہر کیوں نہیں نکلیں؟ اور ایسا کیوں محسوس ہو رہا ہے جیسے ڈرائنگ روم میں کوئی بھی نہیں ہے۔

اشعر کو غیر متوقع طور پر سامنے دیکھنے کی اس خوشی کے ساتھ ان تمام باتوں نے مل جل کر اسے کچھ الجھن میں بھی مبتلا کر دیا تھا۔ اشعر اور ممی دونوں ان کی طرح خاموش کیوں ہیں۔ ان دونوں کے تاثرات اتنے ناقابل فہم سے کیوں ہیں اور یہ خضر اس طرح سے سر جھکا کر کیوں کھڑا ہے؟ اسے کیا ہوا ہے؟"

"اشعر! آپ کب آئے؟" "ممی آپ۔" اشعر سے مخاطب ہو کر اس نے فریدہ سے کہنا چاہا۔ وہ ان سے پوچھنا چاہتی تھی کہ انہیں اشعر شاپنگ کرتے کہاں مل گیا کیا

انہیں اس کی واپسی کا پتا تھا کیا انہوں نے اچانک اشعر کو اپنے ساتھ لا کر اسے سرپرائز دینا چاہا تھا مگر فریدہ نے اس کی بات پوری ہونے نہیں دی تھی۔ اس کی بات کاٹ کر وہ عجیب سے لہجے میں بولی تھیں۔ "خرد تم؟ تم یہاں؟ تم یہاں کیا کر رہی ہو؟" جیسے وہ شدید شاک کے عالم میں ہوں۔ انہوں نے اس طرح صدمے سے چور لہجے میں یہ الفاظ ادا کیے تھے۔ وہ حیرت سے گنگ ان کی شکل دیکھ رہی تھی۔ ابھی ڈیڑھ گھنٹہ پہلے وہ خود ہی تو اسے یہاں چھوڑ کر گئی تھیں۔ ابھی پندرہ سولہ منٹ پہلے تو ان کا فون آیا تھا کہ وہ اسے لینے آ رہی ہیں اور اب وہ اسے دیکھ کر یوں حیران پریشان کھڑی تھیں جیسے انہیں پتا نہیں تھا کہ وہ یہاں ہے۔

"خرد! تم یہاں خضر کے ساتھ؟ تم یہاں اس طرح؟ میرے خدا۔ اُف یہ منظر دیکھنے سے پہلے میں مر کیوں نہیں گئی۔"

اس کے سر کے اوپر ایک دم ہی جیسے وہ وزنی چھت آ گری تھی۔ اس کے وجود کو جیسے کسی نے بم سے اڑا ڈالا تھا۔ اسے جیسے کوئی زندہ زمین کے اندر دفن کر رہا تھا۔ ممی کیا کہہ رہی تھیں۔

"مم۔ ممی! آپ کیا؟" بے تحاشا الجھے ہوئے سے انداز میں اس نے فریدہ سے پوچھنا چاہا۔ مگر اس کا وہ الجھا الجھا، اٹکتا ہوا جملہ ممی نے مکمل ہونے نہیں دیا تھا۔

"اتنی بے حیائی؟ اتنی بے غیرتی؟ اشعر کے منہ پر یہ کالک ملتے تمہیں ذرا بھی شرم نہیں آئی خرد؟ ایسی گھناؤنی حرکت کرتے یہ بھی یاد نہ رہا کہ تم کسی کی بیوی ہو، ایک عزت دار گھرانے کی بہو ہو۔ پڑھائیوں کے بہانے بنا کر ہماری عزت سے نجانے کب سے کھیل رہی ہو۔"

اس بار اسے لگا نہیں تھا، واقعی اس کے جسم کو بم سے اڑا دیا گیا تھا وہ اپنے جسم کے چیتھڑے بکھرے دیکھ رہی تھی۔ اسے اپنے قریب اپنے ہی جلے ہوئے گوشت کی بو آ رہی تھی۔ وہ فریدہ حسین کا تھپڑ کھا کر زمین پر گر پڑی تھی۔ پوری قوت سے مارا گیا یہ تھپڑ ایسا تھا کہ یک دم ہی لہرا کر وہ دیوار سے ٹکرائی اور دیوار سے ٹکراتی زمین پر گر پڑی تھی زمین پر گرتے ہوئے اس نے اس عورت کو دیکھا تھا۔

"دیکھو بھئی زرینہ میری بچی کو زیادہ تھکانا مت" ڈیڑھ گھنٹہ پہلے اسے یہاں چھوڑ کر جانے والی یہ عورت جسے وہ ممی کہتی تھی جو اسے "میری بچی" کہتی تھی جب یہاں سے

جارہی تھی تو اس کے وجود کے ساتھ ایک ٹائم بم باندھ کر گئی تھی 90 منٹ بعد کا ٹائم سیٹ کر کے' جب وہ واپس آئے گی تو یہ بم بلاسٹ ہو جائے گا۔

اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا اسے زیادہ اذیت' زیادہ تکلیف کس بات سے پہنچ رہی ہے اس کے کردار پر ایک انتہائی رکیک الزام لگایا جارہا ہے اس پر یا اس حقیقت کو جان کر کہ جسے وہ ممی کہتی ہے جسے وہ ماں کا درجہ دیتی ہے وہ اندر سے اتنی پنچ' اتنی گھٹیا عورت ہے۔ اس سے اتنی شدید نفرت کرتی ہے۔

"بہت ستا رہی ہو تم مجھے۔ اشعر واپس آجائے وہی تمہیں دیکھے گا۔"

"خرد اپنا ناشتہ تو ڈھنگ سے کر لو"

"کبھی بھی دل میں اس بات کا ملال مت لانا خرد کہ میرے ماموں چلے گئے میں تنہا رہ گئی۔ اب میرے پیچھے میرا کوئی والی وارث نہیں۔ کبھی اشعر کی جانب سے کوئی زیادتی ہو تو اب شکایت لے کر کس کے پاس جاؤں گی۔ دل کی ہر بات جیسے بصیرت سے کہتی تھیں ایسے ہی مجھ سے کہنا۔ مجھے ممی صرف کہنا نہیں بلکہ دل سے ماں سمجھنا۔ بھی کیونکہ میں تمہیں بیٹی صرف زبان سے نہیں کہتی دل سے مانتی بھی ہوں۔" اور آج ایک ماں اپنی بیٹی پر کتنا گندا' گھناؤنا اور رکیک الزام لگا رہی تھی۔

"کیا نہیں دیا تھا اشعر نے تمہیں؟ محبت' عزت' چاہت' آزادی' اس کی دی آزادی کا ایسا ناجائز استعمال؟ ہماری آنکھوں میں دھول جھونک کر اتنی گندگی' اتنی غلاظت' اتنی پستی۔۔؟"

اس عورت کے منہ پر وہ تھوکتی مگر ہو الٹ رہا تھا۔ اس عورت نے روتے ہوئے نفرت و حقارت سے اس کے قریب زمین پر تھوکا تھا۔ وہ اسے کچھ بولنے کا موقع ہی نہیں دے رہی تھی وہ بولنے کے لیے منہ کھولتی اور وہ عورت چلاتی ہوئی آواز میں اس کی اس آواز کا گلا گھونٹ دیتی۔

"ممی! آپ بالکل۔ اشعر ایسا کچھ نہیں۔" وہ اب بھی اس عورت کو ممی کہہ کر مخاطب کرتے یہ کہنے کی کوشش کر رہی تھی کہ تم بالکل غلط بیانی کر رہی ہو۔ تمہارے کہنے پر تمہارے ساتھ میں یہاں آئی تھی کیوں کر رہی ہو تم یہ گھناؤنا ڈرامہ؟ لیکن اگر وہ عورت اسے یہ بات پوری کہنے دیتی تب نا۔ اس عورت نے زور زور سے روتے پھر چلانا اور بولنا شروع کر دیا تھا۔

"اچھا ہوا آج بصیرت زندہ نہیں ورنہ جس بھانجی کو اتنی چاہت سے بہو بنا کر لائے تھے اس کی یہ شرمناک حرکت دیکھ کر دکھ اور شرم سے مر ہی جاتے۔" اس نے روتے ہوئے اپنے دونوں کانوں پر ہاتھ رکھ لیے تھے۔

"اشعر! خدا کے لیے اس عورت کو چپ کراؤ۔ خدا کے لیے اس کی یہ گندی زبان بند کرواؤ۔ ورنہ میں شرم سے مر جاؤں گی۔"

وہ کئی فٹ گہری زمین میں زندہ دفن کی جارہی تھی اس نے اپنے بچاؤ کے لیے اشعر کی طرف دیکھا تھا۔ اس میں طاقت نہیں اس سفاک عورت کا مقابلہ کرنے کی' اشعر بچا سکتا ہے۔ وہ اس پر کتنے رکیک الزام لگا رہی تھی۔ ایک سوچی سمجھی انتہائی گھناؤنی سازش اور مکروہ جھوٹ کا سہارا لے کر اسے بدنام کرنا چاہتی تھی۔

"تمہاری اور خرد کی دوستی پر میں نے' اشعر نے' ہم نے کبھی ایک لمحے کے لیے بھی شک نہیں کیا۔ ہم نے بہت تمہیں اپنے گھر میں عزت دی اور تم نے ہمارے ہی گھر کی عزت کو۔۔؟"

اس کا دل چاہا زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔

"خضر کیوں چپ ہے وہ کیوں اس عورت کے آگے کچھ نہیں بول رہا کیوں اس کے اتنے گندے' گھٹیا الزام کی تردید نہیں کر رہا کیوں نہیں کہہ رہا کہ یہ عورت جھوٹ بول رہی ہے۔"

"یہ کیسا گندا' کیسا گھناؤنا کھیل کھیلتے رہے ہو تم اس کے ساتھ مل کر؟ تمہارا نفس' تمہاری جوانی اتنی سرکش تھی۔"

اشعر چپ کرواؤ اس عورت کو' اشعر اس کی گندی زبان بند کرواؤ۔

"جس نے گناہ و ثواب کا احساس ہی مٹا دیا۔"

اس عورت کی زہر اگلتی گندی زبان اس کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کیے جارہی تھی۔

"تم دونوں نے مل کر ہمارے منہ پر کالک مل دی۔" زار و قطار روتے اس نے امید بھری نگاہوں سے پھر اشعر کو دیکھا' وہ گم صم سا دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑا تھا۔ وہ ایک ہارے ہوئے شکست خوردہ انسان کی طرح بالکل خاموش کھڑا تھا۔

"ہم کسی کو منہ دکھانے کے قابل۔" وہ یک دم ہی اس عورت کے سامنے آئی۔ اسے مزید کوئی شرمناک بات کہنے

سے روکنے کے لیے۔

"ممی! خدا کے لیے۔"

"ایسی غلیظ اور گھناؤنی حرکت کر کے' اتنا بڑا گناہ کر کے ابھی بھی تم میں اتنی ہمت ہے کہ میری اور اشعر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھ سکو۔" اس عورت نے اسے بہت زور سے اپنی پوری قوت سے دھکا دے کر اپنے سامنے سے ہٹایا۔ اس کے یوں دھکا دینے سے وہ سنبھل نہیں سکی تھی۔ دیوار کے نوکیلے کونے سے ٹکراتی وہ منہ کے بل زمین پر بہت زور سے گری تھی۔ اس بری طرح فرش پر گرنے سے اس کے ہاتھ پاؤں' سر اور پیٹ پر چوٹ لگی تھی۔ اس کے پیٹ پر بڑی شدید چوٹ لگی تھی۔ اس کے سر سے دیوار کے نوکیلے کونے سے ٹکرانے کی وجہ سے خون نکلنے لگا تھا مگر اس کے ہاتھ خون بہتی پیشانی پر نہیں بلکہ اپنے پیٹ پر گئے تھے۔

"میرا بچہ۔" اس کے لبوں سے سسکی نکلی تھی۔

"میرا بچہ۔" وہ بلک بلک کر رو پڑی تھی۔ وہ اس عورت کا تھپڑ کھانے پر نہیں وہ اس عورت کے خود کو اتنی بری طرح ٹھوکر مارے جانے پر نہیں۔ وہ خود پر لگے رکیک الزامات پر نہیں' وہ اپنے بچے کے لیے رو پڑی تھی۔ اس کے پیٹ میں اتنی شدید تکلیف ہو رہی تھی کہ وہ درد سے چلا اٹھی تھی۔ وہاں اس ماں کے سوا کسی کو بھی اس کے بچے سے کوئی ہمدردی نہیں تھی۔ وہاں تو ایک سوچا سمجھا ڈرامہ اس وقت عمل میں لایا جارہا تھا۔

"اچھا ہوا آج احسان زندہ نہیں۔ اچھا ہوا آج میمونہ زندہ نہیں' اچھا ہوا آج بصیرت زندہ نہیں۔ ورنہ تمہارے ماں' باپ اور بہت چاہنے والا ماموں وہ سب بھی اسی ذلت سے گزرتے جس سے اس وقت میں اور اشعر گزر رہے ہیں۔ وہ بھی یونہی زندہ در گور ہو رہے ہوتے جیسے میں اور اشعر ہو رہے ہیں۔"

وہ عورت چپ نہیں ہو رہی تھی' وہ اسے گندی گندی گالیاں دیے چلی جارہی تھی اور اشعر وہ خاموش کھڑا تھا۔

"تم تو نہ بیٹی کہلانے کے لائق ہو نہ بہو نہ بیوی۔ ہر رشتے کی حرمت پامال کر ڈالی ہے تم نے۔" وہ اس مکار عورت کے منہ پر تھوک کر کہنا چاہتی تھی۔

"کہ بیوی' ماں' ساس' دادی کچھ بھی کہلانے کے لائق تو تم نہیں' رشتوں کی حرمتوں کا نام لینے والی تم خود ہر رشتے میں ایک گالی ہو۔" مگر جھوٹی ہو کر وہ عورت اس پر حاوی تھی اور وہ سچی ہو کر اس کی آواز دبانے میں ناکام تھی۔ اشعر بالکل چپ تھا۔ اس کی چپ کہہ رہی تھی کہ وہ اس عورت کی سازش کے جال میں پھنس رہا ہے۔ وہ ہمت کر کے بڑی مشکلوں سے اٹھی' اپنی پیشانی سے بہتا خون اس نے بغیر دیکھے ہاتھ سے صاف کیا۔

وہ چیخ چیخ کر اس عورت کی ساری سازش کا پردہ فاش کر دے گی۔ وہ اشعر کو اس کی ماں کا اصل گھناؤنا چہرہ دکھا دے گی۔ اس عورت کے جھوٹ اس کی سازش کا پردہ فاش کرنے کے لیے تو اتنے لوگ ہیں' اتنی گواہیاں ہیں۔ زرینہ ہیں' ان کی نوکرانی ہے اور سب سے بڑھ کر تو خضر ہے۔

وہ خضر کے پاس آئی تھی۔ "تم چپ کیوں ہو؟ تم سچ کیوں نہیں بولتے؟ بتاؤ سچ۔ بولو خدا کے لیے بولو کہ یہ جھوٹ ہے۔" وہ روتے ہوئے بولی تھی۔ وہ اس کے کہنے کے باوجود بھی نظریں جھکائے چپ کھڑا تھا۔

اس کے رونے' جھنجوڑنے اور التجائیہ انداز کے جواب میں خضر بولا تھا۔ مگر کیا! اس کی آنکھیں صدمے کی زیادتی سے پھٹ گئی تھیں۔ وہ خضر عالم جو کویت میں رہنے والی' اپنے والد کے دوست کی بیٹی مہرین علی سے اپنے بچپن کی محبت کی داستانیں یونیورسٹی میں بیٹھ کر سب کو پابندی سے سنایا کرتا تھا۔ جس کے ہونے والے ساس سسر آج اس کے گھر آنے والے تھے۔ جن کی آمد کے لیے وہ بہت پرجوش تھا۔ اس عورت کے جھوٹ پر مہر تصدیق ثبت کر رہا تھا۔

"مزید جھوٹ اور دھوکے کی زندگی میں نہیں جی سکتا۔ محبت کرنا کوئی جرم نہیں' کسی کو چاہنا کوئی جرم نہیں جو ہم سب سے منہ چھپاتے پھریں' اپنی محبت کو چھپانے کے لیے ہزار جھوٹ بولیں۔ ہم کیوں جھوٹ بولیں خرد! ہم نے محبت کی ہے کوئی گناہ نہیں۔"

یہ جھوٹ' اتنی ڈھٹائی' اتنی دیدہ دلیری اور اتنی مضبوطی سے بولا گیا تھا کہ اس کے پاؤں زمین پر سے اکھڑنے لگے تھے۔

"خضر تم؟ میرے اللہ۔ تم بھی؟" آخر کون کون شامل رہا تھا اس عورت کی اس سازش میں؟۔ اس کے پیروں کے نیچے سے زمین پوری کی پوری کھینچ لی گئی تھی۔ وہ دو جھوٹے اپنے مکروہ جھوٹ کے ساتھ اس کے سامنے تن کر کھڑے تھے اور وہ ایک سچی اپنی تمام تر سچائی اور بے گناہی کے باوجود مجرم اور گناہ گار بنی کھڑی تھی۔

خضر اور اس مکار عورت کے بولے جھوٹ کے بعد اس کے پاس اور کوئی راستہ نہیں بچا تھا' اس کے گرد گھیرا انھوں نے بہت تنگ کر دیا تھا۔ اسے کسی بھی طرح خاموش کھڑے اشعر کو اپنی بے گناہی کا یقین دلانا تھا۔ وہ ساری تکلیف اور سارا درد بھلاتی بھاگتی ہوئی اشعر کے پاس آئی تھی۔

"یہ سب جھوٹ ہے۔ یہ شخص جھوٹ بول رہا ہے۔ بکواس کر رہا ہے۔" اس نے اس کے بازو کو جکڑ کر روتے ہوئے کہا تھا۔ وہ جانتا ہے وہ جھوٹ نہیں بولتی' اشعر جانتا ہے خرد جھوٹ نہیں بولتی' اگر وہ کسی دوسرے کو جھوٹا کہہ رہی ہے تو اس کی بات میں کوئی نہ کوئی صداقت ضرور ہوگی۔ مگر اس نے اس کی بات نہیں سنی تھی۔ وہ بے حس' کسی پتھر کے مجسمے کی طرح کھڑا رہا تھا۔ اسے اس کے بازو سرد اور جذبات سے عاری محسوس ہوئے تھے۔

"آپ کو میرا یقین ہے نا۔ آپ کو پتا ہے نا میں ایسی نہیں۔ میں ایسی نہیں ہوں۔ اشعر۔ خدا کی قسم کھا کر کہتی ہوں میں ایسی نہیں۔ میرا یقین کریں۔"

وہ روتے روتے زمین پر بیٹھتی چلی گئی تھی وہ اس کے پیروں سے لپٹی زار و قطار رو رہی تھی۔

"ہاں میں جانتا ہوں میری خرد ایسی نہیں۔ ہاں مجھے میری خرد پورا یقین ہے۔"

وہ روتی رہی' وہ خاموش کھڑا رہا۔

"میں نے کچھ غلط نہیں کیا' میرا یقین کریں۔ میں نے کچھ غلط نہیں کیا۔ میں آپ کی وہی خرد ہوں' وہی خرد جو صرف اور صرف آپ سے محبت کرتی ہے۔ جو صرف اور صرف آپ کی ہے۔" وہ کسی بھکارن کی طرح اس کے پاؤں پکڑ کر روتے ہوئے اس سے اپنے کردار کی گواہی مانگ رہی تھی' اسے اپنے کردار کی گواہی دے رہی تھی۔

وہ بت کے مانند ساکت کھڑا تھا۔ مگر پھر یکایک ہی اس کے ساکت جسم میں حرکت پیدا ہوئی تھی وہ ایک جھٹکے سے اس سے دور ہٹا تھا ایک ذرا سی جنبش سے اس نے اپنے پیروں سے لپٹی اس لڑکی کو خود سے دور ہٹایا تھا۔ وہ زمین پر گری بے یقینی سے اسے خود سے دور جاتا دیکھ رہی تھی وہ اسے چھوڑ کر جا رہا تھا۔ وہ دیوانہ وار اٹھ کر اس کے پیچھے بھاگی تھی۔ وہ اسے روک لینا چاہتی تھی' وہ اسے اپنا یقین دلائے بغیر کہیں پر بھی جانے نہیں دینا چاہتی تھی۔

"اشعر میری بات سنیں۔ پلیز میری بات سنیں۔ مجھے چھوڑ کر مت جائیں۔ خدا کے لیے رک جائیں۔ میں ایسی نہیں ہوں۔ آپ کی خرد ایسی نہیں ہے۔ اشعر آپ کی خرد ایسی نہیں۔"

اسے بہت زور سے چکر آیا تھا' وہ خود کو سنبھال نہیں پائی تھی' وہ اپارٹمنٹ کے دروازے ہی پر گر گئی تھی۔ وہ دروازے سے نکل کر کب کا آگے جا چکا تھا۔

وہ زمین پر گری روتے ہوئے اسے پکار رہی تھی۔ وہ عورت اسے روتا چھوڑ کر اپنے بیٹے کے پیچھے بھاگی تھی۔ زمین پر پڑے روتے ہوئے اشعر کو پکارتے اس نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا تو خضر بھی اپارٹمنٹ سے جا رہا تھا' وہ اسی کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں نہ شرمندگی تھی نہ تاسف۔

"کیوں بولا تم نے یہ جھوٹ؟ کیوں؟ بولو جواب دو؟ میرے کردار پر اتنی بڑی یہ تہمت تم نے کیوں لگائی ہے؟"

"ایم سوری خرد! تمہارے ساتھ جو ہوا اس کے لیے مجھے واقعی افسوس ہے۔ مگر فریدہ آنٹی کی پیشکش اتنی اٹریکٹو تھی میں انکار نہیں کر سکا۔ تم تو جانتی ہو نا امریکہ پڑھنے کے لیے جانا میری زندگی کا سب سے بڑا خواب ہے۔ فریدہ آنٹی کی بدولت اگر میرا یہ خواب پورا ہونے لگا تھا تو میں بلاوجہ کی کسی اخلاقیات کو گلے کا ہار بنا کر اس موقع کو ہاتھ سے گنوانا نہیں چاہتا تھا۔ زندگی میں کامیابی اور خوشی بار بار دستک نہیں دیتی۔ بہرحال تمہارے ساتھ جو بھی ہوا' اس پر مجھے تم سے حقیقت میں بہت ہمدردی ہے۔"

وہ ایک ترحم بھری ہمدردانہ سی نگاہ اس پر ڈال کر اپارٹمنٹ سے باہر نکل گیا تھا۔ وہ اپنی چیخ کو دبانے کے لیے منہ پر ہاتھ رکھے فرش پر بیٹھی تھی۔

وہ جو اس کے بیٹے کی اولاد کو جنم دینے والی تھی اس کی عزت کا سودا ایک ساس نے' ایک ماں نے' ایک عورت نے چند ٹکوں کے عوض کر دیا تھا۔ میری بیٹی' میری بیٹی کہہ کہہ کر وہ کیسے اسے بے وقوف بناتی آئی تھی اس کے ساتھ کون کون شریک رہا تھا اس ڈرامے میں۔ اس کی رسوائی کا تماشا لگوانے میں' اس کے دامن کو داغ دار کرانے میں۔ خضر عالم' زرینہ اجمل۔ اس اپارٹمنٹ میں اس وقت وہ بالکل تنہا تھی' زرینہ اور ان کی نوکرانی' وہ دونوں فریدہ اور اشعر کے آنے سے پہلے اس اپارٹمنٹ سے نکل چکی تھیں۔

وہ گرتی پڑتی اس بلڈنگ سے باہر نکل آئی تھی۔ اسے

اس کی خود سے بے وجہ ناراضی یاد آرہی تھی۔ وہ لندن گئی تو سب کچھ ٹھیک تھا اور واپس آئی تو اس کے پیچھے اسی عورت نے کوئی زہر اس کے کانوں میں انڈیلا تھا۔ اس کی بنستی بستی زندگی میں آگ لگانے والی' اس کے جان چاہنے والے شوہر کو اس سے دور کر دینے والی وہ عورت اس کی سب سے بڑی ہمدرد' سب سے بڑی چاہنے والی بنی ہوئی تھی۔

اشعر مجھ سے کس بات پر ناراض ہے اور اشعر وہ اس کے کردار پر شک کر رہا تھا۔ اشعر نے اس پر شک کس طرح کر لیا۔ اس کی ماں کی لگائی شک کی آگ اگر بہت زور آور تھی تو کم تو اس کی محبت بھی نہیں تھی۔ اسے ماں کا دکھایا جھوٹ نظر آگیا اور اس کی سچی محبت نظر نہیں آئی۔

اس نے ہاتھ دے کر ایک ٹیکسی کو روکا وہ اس میں بیٹھ کر اپنے گھر جا رہی تھی۔ اپنے گھر؟ پتا نہیں وہاں اس کے ساتھ کیا کیا جانے والا تھا اس کے ساتھ مزید کیا کچھ ہونا رہتا تھا مگر اس ایک گھر کے سوا اس کے پاس جانے کے لیے کوئی دوسری جگہ ہی نہیں تھی۔

اس کا پرس وہیں خضر کے اپارٹمنٹ میں کہیں پڑا تھا اس نے چوکیدار سے ٹیکسی والے کو کرایہ دینے کے لیے کہا۔ وہ اپنے گھر کے اندر آگئی۔ وہ پورے راستے روتی آئی تھی' وہ پورے راستے خود پر لگائے اتنے گندے الزامات' اتنی بدترین تہمت پر سسکتی آئی تھی۔ اشعر نے اس پر شک کیا' اس بات پر ذلت اور کرب سے دل کو کرچی کرچی ہوتا محسوس کرتی آئی تھی۔ مگر اس وقت اپنے گھر کے اندر قدم رکھتے ہی اس کے روتے اور سسکتے دل نے یک دم ہی اشعر کے حق میں دلائل اور گواہیاں پیش کرنا شروع کر دی تھیں۔ وہ عورت خرد کی ساس ہے۔ جب وہ اس عورت کی مکاریوں اور چالوں کا شکار ہو گئی تھی تو اشعر کی تو وہ ماں ہے۔ وہ ماں جسے وہ بہت اچھا سمجھتا ہے۔ جسے وہ دنیا کی بہترین عورت سمجھتا ہے۔ اس نے اشعر کو بھی نجانے کس کس وقت میں کون سی بات کس زاویے سے دکھائی ہوگی' بظاہر سادہ باتیں۔ ایسے جیسے وہ دشمن کی کوئی بات کر رہی ہو۔ ایسی ہی بظاہر معمولی باتیں تو اس کے سامنے کی تھیں۔

"خرد نے خون دیا۔"

"خرد نے سوپ بنایا"

اشعر نے ایک دم ہی اس پر شک نہیں کیا تھا۔ اشعر کا قصور نہیں ہے۔ وہ تو خود اس وقت بہت ٹوٹا ہوا' بہت نڈھال ہوگا۔ وہ اشعر کو شروع سے آخر تک سب کچھ بتائے گی' ایک ایک بات' اس کی ماں کی ایک ایک چال اسے سمجھائے گی۔ اشعر کو دکھ تو بہت ہوگا' ماں کا جو ایک عظیم عورت کا بت اس نے اپنے دل میں بسا رکھا ہے وہ ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جائے گا۔ مگر اس کی ماں کی سچائی اس کے سامنے لائے بغیر اب اس کے پاس دوسرا کوئی راستہ نہیں تھا۔

وہ شکستہ قدموں سے' بے دم سے انداز میں گیٹ کے اندر داخل ہوئی تھی مگر جیسے ہی اس کے دل نے اشعر کے حق میں بولنا شروع کیا۔ اسے بے قصور ثابت کرنا شروع کیا وہ فوراً ہی دیوانہ وار بھاگتی اندر آئی۔ پورچ اور اس کے بعد کا درمیانی تمام راستہ' طویل روش طے کر کے وہ اپنے گھر کے رہائشی حصے کے مرکزی دروازے کے سامنے کھڑی تھی۔

"اشعر! مجھے اپنے دل میں چھپا لو' مجھے اپنی بانہوں میں لے لو' یہ دنیا بہت گندی' بہت خطرناک جگہ ہے۔ میں تمہارے بغیر تنہا اس دنیا کا مقابلہ کر ہی نہیں سکتی۔ مجھے اس دنیا کے ظلم سے بچا لو اشعر۔"

اس نے ابھی دروازے پر صرف ہاتھ رکھا تھا اور اندر سے ٹھیک اسی وقت کسی نے دروازہ کھول لیا تھا۔ دروازے کے سامنے تن کر وہ عورت کھڑی تھی۔ اس عورت کے چہرے پر سے محبتوں کا ماسک اتر چکا تھا۔ وہ فاتحانہ نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کے لبوں پر ایک مکروہ ہنسی تھی۔

"آپ نے میرے ساتھ اتنی نیچ حرکت۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ کوئی انسان اتنا گھٹیا بھی ہو سکتا ہے۔"

"پیر کی خاک کو سر پر بٹھا لیا تھا میرے بیٹے نے۔ مجھے اسے اس غلطی سے روکنے کے لیے کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی تھا۔" وہ عورت حقارت سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"دو کمروں کے کوارٹر سے اٹھ کر آئی۔ سرکاری اسکول ماسٹر کی بیٹی جسے میں اپنے گھر کی نوکرانی رکھنا پسند نہ کرتی۔ کجا کہ اسے میرے اتنے شاندار بیٹے کی بیوی بنا دیا جائے اور وہ احمق اسے سر کا تاج سمجھ کر سر پر سجا لے' میرے جیتے جی تو یہ ہو نہیں سکتا تھا خرد احسان۔"

وہ اپنے اندر کا زہر بے خوف و خطر باہر نکال رہی تھی۔ اس کو یوں دیکھ رہی تھی جیسے زمین پر رینگنے والے کسی حقیر کیڑے کو دیکھا جاتا ہے۔

"میں آپ کے بیٹے کے بچے کی ماں بننے والی ہوں۔ یہ گندا کھیل کھیلنے سے پہلے اتنا تو سوچ لیتیں۔ میرا نہیں تو اس بچے ہی کا خیال کرلیتیں جو آپ کے خاندان کا وارث بنے گا' آپ کے بیٹے کے نام کو آگے چلائے گا۔"

"بچے کی ماں۔" وہ عورت بلند آواز میں قہقہہ لگا کر ہنسی تھی۔ "کون سا بچہ۔ کس کا بچہ۔ میں ایسی کوئی بات نہیں جانتی"۔ وہ استہزائیہ نگاہوں سے اسے دیکھتے حقارت سے بولی تھی۔

"تمہیں میرا کھلا چیلنج ہے۔ خرد احسان! اگر اس زندگی میں تم یہ ثابت کرکے دکھا سکو کہ تمہاری کوکھ میں پلتا بچہ اشعر کا ہے۔ اگر اشعر تمہاری اس بات کا یقین کرلیتا ہے تو تم جیتیں میں ہاری۔"

وہ اسے اس وقت جن چیلنج دیتی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی' وہ نگاہیں اس کے باوجود کو بالکل سن کر گئی تھیں۔ خوف کی ایک انتہائی سرد لہر اس کے پورے جسم میں دوڑ گئی تھیں۔ وہ عورت اب کیا کرنے والی تھی۔ وہ اپنے بچے کو اس عورت کی کسی گھناؤنی سازش کا شکار نہیں ہونے دے گی۔ وہ اشعر کو ابھی اور اسی وقت ایک ایک بات بالکل صاف صاف بتادے گی۔ اس عورت کی ساری سازش وہ اشعر کے سامنے ابھی اسی وقت بے نقاب کردے گی۔ وہ اشعر کی بیوی ہے۔ اس نے ہزار لوگوں کے سامنے اسے اپنے نکاح میں لیا تھا' وہ کہیں سے بھاگ کر نہیں آئی۔ وہ کوئی راہ چلتی لڑکی نہیں اس کے ہونے والے بچے کی ماں ہے' اسے ماں کی لگائی ہر آگ کے باوجود خرد کی بات سننا ہوگی۔

"آپ سامنے سے ہٹیں مجھے آپ سے کوئی بات نہیں کرنی۔ اب میں ہر بات صرف اپنے شوہر سے کروں گی۔" وہ دروازے کے سامنے پوری طرح پھیل کر کھڑی تھی۔ اس کے اندر داخل ہونے کا راستہ روک کر۔ اس نے غصے اور نفرت سے اسے سامنے سے ہٹنے کو کہا۔ "شوہر؟" وہ عورت ایک مرتبہ پھر زور سے ہنسی تھی۔ "میرا بیٹا اب زندگی بھر تمہاری شکل پر تھوکے گا بھی نہیں۔ ہو کس گمان میں تم خرد احسان؟ کسی بدکردار عورت کو کوئی مرد بیوی بنا کر نہیں رکھتا۔" وہ اس پر حقارت بھری نظریں ڈالتے ہوئے بولی تھی۔

"یہ گھر میرا ہے۔ یہاں میرا حکم چلتا ہے اور اس گھر میں صرف وہی رہ سکتا ہے جسے میں یہاں رہنے دوں۔ میرے بیٹے کی حماقتوں اور نادانیوں کے سبب تم جیسی کم ذات لڑکی نے اس گھر میں خوب عیش کرلیے۔ اپنی اوقات سے بڑھ کر بہت کچھ حاصل کرلیا' اب یہاں سے اپنا ناپاک وجود سمیٹ کر چلتی پھرتی نظر آؤ۔ عزت سے یہاں سے خود ہی ہوجاؤ تو اچھا ہے ورنہ مجبوراً مجھے تمہیں دھکے مار کر یہاں سے باہر نکالنا پڑے گا۔"

اسے دھکیلتے اس عورت نے ایک سیکنڈ کے اندر دروازے کے آگے سے ہٹ کر دروازہ زوردار دھماکے سے واپس بند کردیا تھا۔

"اشعر کہاں ہے کیا وہ اس وقت گھر پر موجود ہے۔ کیا اس کی موجودگی میں اس کے ساتھ۔۔۔ نہیں!" اس کے دل نے فوراً اشعر کے حق میں گواہی دی تھی۔ وہ ماں کی سازشوں کا شکار ہوکر چاہے اس وقت اس سے جتنا بھی ناراض ہو مگر وہ اس پر اپنے گھر کے دروازے کبھی بھی بند نہیں کرسکتا۔ اس نے اس بند دروازے کو زور زور سے پیٹنا شروع کیا تھا۔ وہ دروازہ بجاتی رہی' اندر سے دروازہ کسی نے بھی نہیں کھولا۔ اسے اندر سے کوئی آواز نہیں آرہی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اندر اس کی دستک سننے والا کوئی ہے ہی نہیں۔ وہ دروازے کے سامنے سے ہٹ کر لاؤنج کی کھڑکی کی طرف آئی تھی۔ اسے کھڑکی میں سے نور افزا نظر آئی تھی۔ وہ لاؤنج سے نکل کر سیڑھیوں کی طرف جارہی تھی۔

"نور افزا! دروازہ کھولو۔" نور افزا نے سیڑھیوں پر یوں قدم رکھ دیا تھا جیسے اسے پیچھے سے اس کی آواز سنائی ہی نہیں دی ہے۔

"او میرے خدا۔۔" اسے جیسے اب حقیقت میں یہ سمجھ میں آنا شروع ہوا کہ اب تک جو ہورہا تھا' وہ کوئی معمولی سازش نہیں بلکہ اسے اس گھر اور اشعر کی زندگی سے نکالنے کے لیے تیار کیا گیا ایک انتہائی مضبوط منصوبہ تھا۔ وہ یک دم ہی کھڑکی کے سامنے سے ہٹی' وہ بھاگتی ہوئی گھر میں داخل ہونے کے دوسرے راستوں کی طرف گئی تھی۔ ہر دروازہ اندر سے بند تھا۔ اس گھر میں چوکیدار اور ڈرائیور کو ملا کر کل دس ملازمین وہ تھے جو دن رات یہیں رہتے تھے۔ اس وقت اسے کہیں کوئی ملازم نظر نہیں آرہا تھا۔

وہ بھاگتی ہوئی پھر گھر کے مرکزی حصے کی طرف آئی تھی۔ وہ پورچ میں آئی' اس نے اب توجہ سے وہاں کھڑی گاڑیاں

دیکھا تھا۔ اشعر کی گاڑی وہاں نہیں تھی۔ وہ خضر کے [illegible] سے گھر واپس ہی نہیں آیا ہے۔ وہ چوکیدار کی [illegible] آئی تھی۔

"نور بابا! کیا اشعر گھر واپس آئے ہیں۔ کیا وہ گھر پر ہیں؟" چوکیدار سامنے سڑک پر جو گئی نظریں جمائے خاموش لاتعلق یوں بیٹھا رہا جیسے اسے اس کی آواز سنائی نہیں دی جیسے اسے اس کا وجود دکھائی نہیں دیا۔ خوف و دہشت سے کانپتی وہ بے یقین نگاہوں سے چوکیدار کو دیکھتی' وہاں سے پیچھے ہٹی تھی۔ یہ گھر واقعی فریدہ حسین کا گھر تھا۔ یہ سب نوکر واقعی فریدہ حسین کے نوکر تھے۔ مایوسی میں گھری وہ پھر پچھلے حصے میں آئی۔ اس نے کاپیاں کتابیں پھیلائے بیٹھے جمال کو دیکھا۔ اس سال پرائیویٹ میٹرک کے امتحان کی تیاری کرتا نور افزا کا یہ پندرہ سالہ نواسا جو اس کے نرم اور خلوص لیے انداز سے بہت چڑتا' کبھی کبھار اس سے پڑھائی میں مدد لینے کے لیے اس کے پاس آجایا کرتا تھا۔ وہ بھی اپنی نانی ہی کی طرح یہاں پر ملازم تھا اور کاموں سے فارغ ہونے کے بعد گھر کے اس پچھلے حصے میں بیٹھ کر پڑھائی کیا کرتا تھا۔

"جمال! نور افزا میری بات کا جواب نہیں دے رہی۔ تم اپنی نانی کی طرح مت کرنا' پلیز مجھے بس صرف اتنا بتادو کہ کیا اشعر گھر پر ہیں؟" جمال نے کچھ گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا پھر اپنی کتاب ہی پر نظریں مرکوز رکھتا بہت ہلکی اور گھبرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"وہ گھر پر نہیں ہیں۔ ساڑھے تین بجے کے قریب وہ [illegible] سے گھر آئے تھے' آتے ہی بیگم صاحبہ کے ساتھ کہیں چلے گئے تھے' اس کے بعد سے وہ گھر پر واپس نہیں آئے۔"

جمال نے ہچکچاتے ہوئے اس کے سوال کا جواب دے دیا تھا۔ بولنے کے بعد اس نے خوف زدہ نظروں سے دائیں بائیں بار بار دیکھا تھا۔ وہ جمال سے اور بھی کچھ پوچھنا چاہتی تھی مگر وہ اسے اپنے پاس کھڑا دیکھ کر جتنا زیادہ ڈرا ہوا [illegible] ہورہا تھا' اسے دیکھتے وہ اس کے پاس سے ہٹ گئی۔ اس کا دل ٹھیک کہہ رہا تھا۔ اشعر گھر پر نہیں تھا مگر پھر وہ کہاں تھا؟ اس عورت نے اشعر تک پہنچنے کا ہر راستہ [illegible] کے لیے بند کردیا تھا۔ اس کا موبائل اس کے پرس میں تھا اور وہ پرس خضر کے گھر پر۔ وہ عورت اسے گھر کے اندر داخل نہیں ہونے دے رہی۔ آخر وہ اشعر سے رابطہ کس طرح کرے۔ اس کے ہاتھ میں چند روپے تک نہیں کہ وہ اشعر سے رابطے کی کہیں باہر سے کوشش کرسکے۔ صرف چند گھنٹوں کے اندر وہ آسمان سے اٹھا کر زمین پر پٹخ دی گئی تھی۔

وہ اشعر حسین کی بیوی اپنے ہی گھر کے اندر بے سہارا کھڑی تھی۔ اس کے ہاتھ بالکل خالی تھے۔ وہ اس وقت اپنا گھر چھوڑ کر ایک منٹ کیا' ایک سیکنڈ کے لیے بھی کہیں باہر نہیں جانا چاہتی تھی۔ اس عورت کی نیت' اس کے ارادے' اس کے عزائم سب بہت خطرناک تھے۔ اپنا صدمہ' اپنا دکھ' اپنے آنسو سب پس پشت ڈال کر خود کو زندگی میں آئی اس ناگہانی مصیبت سے باہر نکالنے کے لیے اسے خود کو مضبوط بنانے کی ضرورت تھی۔ اسے کسی بھی قیمت پر اور کسی بھی طرح اشعر سے رابطہ کرنا تھا' اسے یہ بات بتانا تھی کہ اس کی ماں نے ان دونوں کو اپنی بہت گندی سازش کا نشانہ بنایا ہے۔ اسے اشعر کے سامنے اس کی ماں کی ساری اصلیت لانی تھی۔ وہ جس انداز میں خضر کے اپارٹمنٹ سے نکل کر گیا تھا' اسے اس کا وہ لٹا ہوا اور ٹوٹا بکھرا انداز یاد تھا۔

وہ اشعر کی کیفیت' اس کے صدمے کو سمجھ رہی ہے تو وہ کیوں اسے نہیں سمجھ رہا' اسے کیوں یہ خیال نہیں آرہا کہ جو کچھ دیکھا ہے' اس پر یقین کرنے یا صدمے میں مبتلا ہونے سے پہلے ایک بار خرد سے تو جاکر پوچھ لے کہ یہ سب آخر تھا کیا۔

وہ مرکزی دروازے کی سیڑھی پر بیٹھی ہوئی تھی' اس کی نگاہیں بہت دور گیٹ پر جمی تھیں۔ گیٹ کے سامنے سے گزرتی ہر گاڑی پر اسے اشعر کی آمد کا گمان ہورہا تھا۔ کسی گاڑی کی رفتار گیٹ کے پاس آکر ہلکی پڑتی اس کی امیدوں کا بجھتا دیا پھر سے روشن ہونے لگتا۔ اس کی آنکھوں سے بڑی خاموشی سے قطرہ قطرہ آنسو ٹپک کر اس کے گریبان میں جذب ہورہے تھے۔

شام کے چھ بج رہے تھے' اس وقت جب وہ خضر عالم کے گھر سے ٹیسٹیں لینے کے بعد اپنے گھر واپس آئی تھی اور اب رات کے آٹھ بج رہے تھے۔ اس پر اس کے گھر کے دروازے پورے دو گھنٹوں سے بند تھے اور اشعر کا دور دور کہیں نام و نشان نہیں تھا۔

گھر کا وہ مرکزی دروازہ کھولا گیا تھا مگر اسے اندر بلانے کے لیے نہیں بلکہ دھتکارنے کے لیے۔ "تم ابھی تک یہاں

ہو؟ کیا میری بات سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ کہ دھکے کھا کر نکالے جانے کا بہت شوق ہے؟"

اس کی آنکھوں میں اس کے لیے نفرت ہی نفرت اور سفاکی بھری ہوئی تھی۔

"میں یہاں سے کہیں نہیں جاؤں گی۔ یہ میرے شوہر کا گھر ہے۔ انہوں نے مجھے یہاں سے جانے کو نہیں کہا۔ جب تک اشعر گھر واپس نہیں آجاتے' میں یہاں سے ہلوں گی بھی نہیں۔" اندر ہی اندر اس عورت کی نفرت بھری نگاہوں سے اس کا دل ڈوبا تھا مگر بظاہر اس نے خود کو مضبوط ظاہر کر کے جرأت سے یہ بات کہی۔

"میں اشعر حسین کی بیوی ہوں کوئی راہ چلتی لڑکی نہیں جسے آپ گھر سے نکل جانے کا حکم سنا سکیں۔"

فریدہ حسین نے نفرت اور غیظ و غضب سے بھری ایک نظر اس پر ڈالی تھی۔

"لگتا ہے میری بات تمہاری سمجھ میں نہیں آرہی۔ میں نے دو گھنٹے پہلے تمہیں یہاں سے نکل جانے کو کہا تھا۔ اب آخری وارننگ دے رہی ہوں۔ ایک گھنٹے کے اندر اندر اپنی یہ منحوس شکل لے کر یہاں سے دفع ہو جاؤ۔ میرا بیٹا جہاں کہیں ہے' وہ اس وقت تک گھر واپس نہیں آئے گا جب تک تمہارے ناپاک وجود سے اس کا گھر پاک نہیں ہو جاتا۔"

فریدہ حسین فیصلہ کن لہجے میں بولی تھیں۔ "اور یہ جو شوہر شوہر کا مسلسل راگ الاپ رہی ہو تو چلو ایک گھنٹے کی میں نے تمہیں اور مہلت دی۔ اگر ایک گھنٹے کے اندر اشعر گھر واپس آگیا تو وہ بے غیرت مرد میرا بیٹا نہیں' تمہارا شوہر ہوگا اور اگر نہیں آیا تو میرا غیرت مند بیٹا ہو کسی آوارہ' بدچلن عورت کو اپنی بیوی کا درجہ دینے کو ہرگز تیار نہیں۔"

وہ دروازے کے اندر واپس جانے لگی تھیں پھر کچھ یاد آنے پر مڑی تھیں۔

"یاد رکھنا خرد احسان! صرف ایک گھنٹے کی مہلت میں تمہیں اس گھر میں اور دے رہی ہوں۔ اگر ایک گھنٹے بعد بھی تم مجھے یہیں پر نظر آئیں تو میں تمہیں چوکیدار سے دھکے دلوا کر گھر سے باہر نکلوا دوں گی۔"

دروازہ بند ہو چکا تھا۔ اسے جو کہا گیا وہ صرف ایک دھمکی نہیں تھی' وہ عورت اپنے کہے ہر لفظ پر عمل کر گزرنے والی تھی۔

"ایک گھنٹہ... صرف ایک گھنٹہ۔" وہ خوف و دہشت سے کانپنے لگی تھی۔ اس کا پورا جسم کانپ رہا تھا۔

اتنی ہوشیاری سے یہ سارا پلان اس عورت نے اسے صرف اشعر کی نظروں سے گرانے کے لیے نہیں بلکہ اس کی زندگی سے باہر نکالنے کے لیے بنایا تھا۔ یہ اس کی سمجھ میں آرہا تھا۔

صرف چند گھنٹوں میں وہ بیس اکیس سال کی کم عمر' نادان اور بھولی بھالی لڑکی سے چالیس پینتالیس سال کی پختہ' سمجھ دار اور لوگوں کے چہروں سے ان کی نیتوں کو پہچان لینے والی عورت بن گئی تھی۔

دنیا کے نجانے کس گوشے میں چھپا اس کا شوہر آنکھوں دیکھے ایک جھوٹ پر یقین کرنے لگا تھا۔ اس کے حق میں کہیں سے کوئی گواہی نہیں آنے والی تھی۔ اسے خود کچھ سوچنا ہوگا' خود کچھ کرنا ہوگا۔

یہ بات سوچتے ہی اس کا دل پھر رونے لگا تھا۔ وہ یہاں سے آخر جائے گی کہاں۔ سوا آٹھ بجے اس کو دھمکی دی گئی تھی۔ 8 بج کر 32 منٹ ہو گئے تھے۔ اس کے پاس اب صرف 43 منٹ باقی بچے تھے۔ اسے اشعر کے نام ایک خط لکھنا چاہیے۔ اس کے ذہن میں یہ خیال بجلی کی طرح کوندا تھا۔ خط۔ لیکن اس کے پاس تو نہ کاغذ ہے' نہ قلم۔ وہ ایک دم ہی سیڑھی پر سے اٹھی تھی۔ اٹھ کر اس نے چوکنی نگاہوں سے دائیں بائیں' آگے پیچھے اور اوپر دیکھا۔

اس وقت سردی' رات' اندھیرا' بھوک' پیاس کوئی بھی چیز محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ آنے والے لمحوں کے خوف نے باقی ہر احساس کو مٹا دیا تھا۔ وہ دبے پاؤں چلتی' چوکنی نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھتی گھر کے پچھلے حصے میں بنے سرونٹ کوارٹر کی طرف آگئی تھی۔

وہ دبے پاؤں اپنے ہی پیروں کی آہٹ سے سہمتی نور افزا کے کوارٹر کے پاس آگئی تھی۔ دروازے کے باہر سے اس نے جمال کو آہستہ سے آواز دی تھی۔ نور افزا یقیناً ابھی بھی گھر کے اندر ہی تھی۔ کمرے میں صرف جمال تھا۔ غالباً سردی کی شدت میں اضافے کی وجہ سے وہ اب کوارٹر میں چارپائی پر بیٹھ کر پڑھائی کر رہا تھا۔ جس نے دروازے کو نیم وا کر کے خوف زدہ سی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"مجھے ایک کاغذ اور پین' پنسل کچھ بھی دے دو' پلیز' پلیز۔"

جمال کچھ کہے بغیر پلٹا' اس نے چارپائی پر سے اپنی ایک کاپی اٹھائی۔ اس کے درمیان سے کئی صفحے پھاڑے اور وہیں پڑا اپنا پین اٹھایا' ایک سیکنڈ میں اس نے دونوں چیزیں خوف زدہ انداز میں اس کے حوالے کردی تھیں۔

"یہ بات کسی کو بھی بتانا مت جمال!" سرگوشی نما آواز میں التجائیہ لہجے میں یہ بات کہتے وہ فوراً" وہاں سے پلٹی تھی۔ کسی اور جگہ بیٹھنے کے بجائے وہ دوبارہ اسی سیڑھی پر پہلے کی طرح آکر بیٹھ گئی تھی۔ اس کے لیے ہر راستہ' ہر امکان بند کردینے کے بعد اندر بہت مطمئن بیٹھی وہ عورت اس وقت اسے دیکھ تو نہیں رہی تھی مگر کسی وقت اٹھ کر دیکھ تو سکتی تھی۔ وہ جگہ بدل کر اسے شک کا موقع نہیں دینا چاہتی تھی۔ کاغذ گود میں رکھ کر اسے اپنی چادر میں چھپا کر اور اپنا چہرہ گھٹنے پر رکھ کر ایسے جیسے وہ گھٹنے پر سر رکھے رو رہی ہے۔ وہ بہت چھپ کر اور ڈر کر اپنے شوہر کو یوں خط لکھ رہی تھی جیسے کوئی چوری کررہی ہو اور پکڑے جانے پر سزا ملنے کا خوف دامن گیر ہو۔

اس کے پاس لفظ سنوارنے اور مضمون ترتیب دینے کا وقت نہیں تھا۔ اس نے اپنا سر جو تک گھٹنوں پر کاغذوں کو چھپانے کے لیے رکھ رکھا تھا اس لیے اس کی آنکھوں سے گرنے والے آنسو باوجود ہزار احتیاط کے کاغذ پر گر رہے تھے۔ پین کی سیاہ روشنائی جگہ جگہ سے پھیل رہی تھی۔ اپنے پریگننٹ ہونے کی وہ ایک بات جو نجانے وہ کتنے خوب صورت انداز میں اپنے شوہر کو بتانا چاہتی تھی' آج ایک کاغذ پر لکھنا پڑ رہی تھی۔ وہ کاغذ جو پتا نہیں اس تک پہنچ بھی پائے گا کہ نہیں۔

اس کی لکھائی بہت خراب اور ٹیڑھی میڑھی ہو رہی تھی۔ اس ٹیڑھی میڑھی اور بہت خراب لکھائی کو اس کے آنسو سیاہی پھیلا کر مزید بدنما بنا رہے تھے۔

اس کی کلائی پر بندھی گھڑی نو بج کر دو منٹ بجا رہی تھی۔ اس نے ایک بار پھر خوف زدہ نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھا تھا پھر اپنے خط لکھے کاپی کے ان کاغذوں کو بڑی سرعت سے ایک سیکنڈ کے اندر تہ کیا تھا۔ کاپی کے درمیانی صفحات میں سے پھاڑے آپس میں جڑے ہوئے جو دو صفحے اس کے پاس ابھی باقی بچے ہوئے تھے۔ اس نے ان کاغذوں کو فولڈ کرکے انہیں ایک لفافے جیسی شکل دی تھی۔ کانپتے ہاتھوں سے خط لکھے کاغذ اپنے بنائے اس لفافے میں رکھے تھے۔ وہ اس خط کو کہاں رکھے' کیسے دے جو یہ خط بحفاظت اشعر تک پہنچ جائے۔

وہ اب بھی اشعر کی واپسی کی منتظر تھی۔ وہ واپس آجائے گا' وہ اسے اس عورت کے ظلم سے بچالے گا لیکن اگر وہ آج رات گھر واپس نہیں آیا۔ اگر واقعی اس عورت نے اسے گھر سے باہر نکال دیا تو وہ کہاں جائے گی' کیسے جائے گی اور اپنے شوہر کے نام اپنا یہ خط جو اس عورت کے گھڑے ہر جھوٹ کے جواب میں اس کی بے گناہی کا واحد ثبوت ہوگا۔ اسے کس کو سونپ کر جائے گی' کس پر بھروسہ کرے گی۔

اب کیا شک کیا ابہام باقی رہ گیا تھا' اسے خود گھر سے نکال کر وہ اشعر سے یہ تک کہہ سکتی تھی کہ خود منظر کے ساتھ گھر سے بھاگ گئی ہے۔ اسے اس عورت کے مزید کسی ناپاک اور غلیظ منصوبے کو کامیاب نہیں ہونے دینا تھا۔

گھڑی نو بج کر گیارہ منٹ بجا رہی تھی اور اس کی سمجھ میں یہ نہیں آرہا تھا کہ وہ اپنے اس خط کو کہاں رکھے' کیسے دے۔ وہ سیڑھی پر سے بے چینی کے عالم میں اٹھی تھی' اسے کھڑکی کے پاس کسی کی جھلک سی نظر آئی تھی۔ شاید کوئی اسے جھانک کر گیا تھا' اسے ایسا لگا تھا جیسے وہ نور افزا تھی۔

وہ دیوانہ وار کھڑکی کی طرف آئی تھی۔ اسے آتا دیکھ کر نور افزا جلدی سے کھڑکی کا پردہ کھینچنے لگی تھی۔ کھڑکی بند تھی۔ اس نے فوراً" سلائیڈنگ کھڑکی کھینچ کر تھوڑی سی کھولی۔

"نور افزا! پلیز میری بات سن لو۔ میرا یہ خط' میرا یہ خط اگر تمہاری مالکن مجھے یہاں سے نکال دے تو اشعر کو دے دینا۔ پلیز دیکھو میرے پاس وقت بہت کم ہے۔"

وہ بہت زیادہ ڈری ہوئی لگ رہی تھی۔ "نور افزا! یاد ہے تمہیں۔ میں جمال کی پڑھائی کے لیے اشعر کے علاوہ الگ سے بھی پیسے دیا کرتی تھی۔ یاد ہے' جب بھی تمہاری طبیعت خراب ہوتی تو تمہیں کچن سے ہٹا کر میں خود کام کرلیا کرتی تھی۔ یاد ہے جب بھی تمہیں پیسوں کی ضرورت ہوتی تو میں فوراً" دے دیا کرتی تھی۔ یاد ہے تم کہتی تھیں' میں بہت نرم دل کی ہوں' میری جیسی مالکن تم نے پہلے کبھی نہیں دیکھی۔"

اس نے روتے ہوئے اپنی ملازمہ سے التجا کی تھی۔ زندگی میں پہلی بار کسی پر اپنی کسی نیکی کا احسان جتانے کی کم ظرف ترین حرکت کی تھی۔

نور افزا نے گھبرا کر ایک نظر لاؤنج کے بند دروازے پر اور پھر اس پر ڈالی تھی۔ ہاتھ بڑھا کر اس نے اس کے ہاتھ سے وہ لفافہ بہت تیزی سے لے لیا تھا۔ بہت بڑی سی چادر جو وہ ہمیشہ اوڑھے رہتی تھی' اس کے اندر ہاتھ ڈال کر اس نے لفافہ اپنے گریبان میں ڈال لیا تھا اور ساتھ ہی بوکھلائے ہوئے انداز میں فوراً" کھڑکی پر پردہ کھینچ دیا تھا۔

بند پردے کے اس پار اندر کا اب کوئی منظر اسے نظر نہیں آرہا تھا۔ اسے اندر سے کسی کے قدموں کی آواز سنائی دے رہی تھی جو شاید حقیقت تھی یا اس کا واہمہ تھی مگر یہ آواز اسے بڑی طرح ڈرا رہی تھی۔ کسی طرح آج کی یہ رات خیریت سے گزر جائے' کل صبح انشاء اللہ اشعر گھر واپس آجائے گا۔ کل صبح تک انشاء اللہ وہ اس صدمے کی حالت سے باہر نکل آئے گا۔ وہ منظر جس طرح اس کی ماں نے اس کے سامنے پیش کیا' اس سے بے شک وہ بہت زیادہ غم و غصے کا شکار ہوا ہوگا مگر اس کے متعلق وہ کوئی غلط بات کبھی نہیں سوچے گا۔

اس نے دروازہ کھلنے کی آواز سنی تھی۔ اس کا دل اندر ہی اندر ڈوبا تھا۔

"میرا دیا ایک گھنٹہ پورا ہوگیا ہے خرد احسان!" اس بار وہ عورت اپنے پیچھے گھر کا وہ مرکزی دروازہ بند کرکے دروازے سے باہر نکل آئی تھی۔ دونوں زینے اتر کر وہ اس کے بالکل مقابل کھڑی تھی۔ "یہ لو اپنے راستے کا کرایہ' جہاں جانا چاہتی ہو چلی جاؤ اور یہ چیک۔ اسے اپنا حق مہر سمجھو یا اتنا عرصہ جو میرے بیٹے کے ساتھ رہی ہو اس خدمت کا معاوضہ۔ لیکن اس میں اتنی رقم لکھی ہے جو تم نے اپنے ماں باپ کے گھر بھی خواب میں بھی نہیں دیکھی ہوگی۔" اس عورت نے ہزار ہزار کے چند نوٹ اور ایک چیک اس کے منہ پر مارا تھا۔

"اب خود یہاں سے جانا پسند کروگی یا میں نور خان کو آواز دوں؟" کوئی لچک' کوئی گنجائش اس کے لہجے میں نہیں تھی پھر بھی وہ اس سے رحم کی بھیک مانگ رہی تھی۔

"ممی! ایسا مت کریں۔ خدا کے لیے مجھے یہاں سے مت نکالیں۔ میں یہاں سے کہاں جاؤں گی۔"

"صرف ایک بار اشعر کو واپس آجانے دیں۔"

"خبردار جو اپنی ناپاک زبان سے میرے بیٹے کا نام لیا' وہ تھوکتا ہے تمہاری شکل پر۔ وہ یہاں ہوتا تو جو میں کررہی ہوں' وہ بھی کررہا ہوتا۔ ایک آوارہ' بدچلن بیوی کو کوئی مرد اپنے گھر میں نہیں بساتا۔ نور خان۔۔۔"

اسے نفرت بھرے لہجے میں جواب دیتے اس نے ساتھ ہی چوکیدار کو زور سے آواز دی تھی۔ چوکیدار اس کے آواز دیتے ہی اپنی جگہ سے اٹھ کر تیز تیز چلتا اس طرف آنے لگا تھا۔

"ممی صرف آج کی رات' صرف آج کی رات مجھے یہاں رہنے دیں۔ اپنی بہو سمجھ کر نہیں' اپنے بیٹے کی بیوی سمجھ کر نہیں' صرف انسانیت کے ناتے۔ میں اتنی رات کو کہاں جاؤں گی۔"

وہ بری طرح روتے ہوئے بولی تھی۔

اس عورت کے سفاک اور ظالم چہرے کی خاموشی کہہ رہی تھی۔ "میری طرف سے تم جہنم میں جاؤ۔ ایک رات کیا' میں تمہیں یہاں مزید ایک منٹ نہیں رہنے دوں گی۔"

"نور خان! اسے گھر سے باہر نکالنا ہے۔ اگر زبان سے کہا مان لیتی ہے تو ٹھیک ہے نہیں تو اسے ہاتھ پکڑ کر گیٹ سے باہر نکالنا ہے۔" چوکیدار اس کا حکم مانتا اس کی طرف بڑھا تھا۔

"چلو بی بی!"

"ممی۔۔۔ صرف آج رات مجھے یہاں رہنے دیں' صرف آج کی رات۔ میں صبح ہوتے ہی چلی جاؤں گی۔"

چوکیدار سے اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کرتے وہ روتے ہوئے گڑگڑا رہی تھی۔

"ممی۔۔۔ صرف آج کی رات۔۔۔ ممی صرف آج کی رات۔۔۔ مجھے اپنے گھر میں رہنے دیں۔ میں اتنی رات کو کہاں جاؤں گی ممی۔۔۔ صرف آج کی رات کی مہلت دے دیں ممی۔۔۔ آپ کو ماموں کا واسطہ ہے' آپ کو آپ کے بچوں کا واسطہ ہے' آپ کو اللہ کا واسطہ ہے۔"

چوکیدار اسے ہاتھ پکڑ کر کھینچتا ہوا گیٹ کی طرف لے جارہا تھا اور وہ پوری طاقت صرف کرکے اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کرتی گردن موڑ کر مسلسل اس عورت سے التجائیں کررہی تھی۔ وہ عورت کسی سلطنت کی ظالم اور مغرور ملکہ کی طرح اپنے غلام کو اپنے حکم کی تعمیل میں اپنے مجرم کو ملک بدری کی سزا دیتا دیکھ رہی تھی۔

اسے باہر نکالنے کے ساتھ ہی ایک زوردار دھماکے کے ساتھ گیٹ واپس بند کرلیا گیا تھا۔ گیٹ کے اندر سے وہ نوٹ اور وہ چیک کسی نے باہر اس کی طرف پھینکا تھا۔ تیز

ہواؤں میں وہ تمام چیزیں اس کے گرد ادھر ادھر بکھری تھیں۔ ایک نوٹ ہوا کے زور سے اچھلتا کچھ دور جا گرا تھا۔

اس کام کے ساتھ ہی اندر گھر کی تمام بتیاں بجھا دی گئی تھیں۔ دروازے' گیٹ ہر چیز بند ہونے اور لاک ہونے کی آوازیں آرہی تھیں۔ ایک منٹ کے بعد اب اندر سے کوئی بھی آواز نہیں آرہی تھی۔ اپنی چوٹوں کو فراموش کیے ہونٹ پر سے بہتا خون صاف کیے بغیر وہ زمین پر سے اٹھی تھی۔ اگلے پل وہ زور زور سے اپنے گھر کی بیلیں بجا رہی تھیں۔ اپنے گھر کا گیٹ پیٹ رہی تھی۔

"ممی... صرف آج کی رات مجھے اپنے گھر میں پناہ دے دیں' صرف آج کی رات۔ آپ سے وعدہ کرتی ہوں' اشعر کی زندگی سے ہمیشہ کے لیے نکل جاؤں گی۔ میں باہر وہیں سیڑھیوں پر بیٹھی رہوں گی جیسے ہی صبح ہوگی' یہاں سے فوراً چلی جاؤں گی۔ ممی... صرف آج کی رات۔"

وہ بیلیں دیے جا رہی تھی' وہ گیٹ پیٹے جا رہی تھی۔

اس کے جسم کے اندر ہمت' طاقت سب ختم ہو گئی تھی' وہ گیٹ کے سامنے زمین پر بیٹھ گئی تھی۔ سڑک پوری سنسان تھی' اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ یہ شہر کی وہ سب سے زیادہ پوش لوکیلیٹی تھی' جہاں دن کے وقت بھی لوگوں کے گھروں کے باہر اور سڑک پر سناٹا رہا کرتا تھا۔

گھڑی بارہ سے اوپر بڑھ چکی تھی۔ آدھی رات گزر چکی تھی۔ اسے اپنی عزت کی حفاظت خود ہی کرنا تھی۔ اس کے کمزور جسم میں مزید آنسو بہانے کی سکت نہیں تھی۔ وہ گیٹ کے پاس سے زمین پر سے اٹھی تھی' اسے بہت زور سے چکر آیا تھا۔

وہ ایک جھٹکے سے سامنے سے ہٹنے کی کوشش میں سڑک کے اوپر جا کر گری تھی۔ ایک سیکنڈ کی بھی دیر کرتی تو گاڑی اسے کچلتی ہوئی گزر جاتی۔

"نہیں' تمہارا کوئی قصور نہیں۔ میں تمہیں کبھی مرنے نہیں دوں گی۔"

وہ سڑک پر سے کھڑی ہو گئی تھی۔ اس بار لڑکھڑاتے قدموں سے نہیں' وہ مضبوط قدموں سے زمین پر چل رہی تھی۔ عورت کمزور ہو سکتی ہے' بیوی کمزور ہو سکتی ہے' بہن کمزور ہو سکتی ہے' بیٹی کمزور ہو سکتی ہے' پر ماں کبھی کمزور نہیں ہوتی۔ ایک جھٹکے سے سڑکوں پر بے سمت چلتی اس لڑکی کو اچانک ہی جیسے کسی نے بیدار کر دیا تھا۔ اس کے مردہ وجود میں جیسے کسی نے جان ڈال دی تھی۔ وہ اب مین روڈ کی طرف جا رہی تھی۔ اسے یہاں سے کہاں جانا ہے۔ وہ رکشہ روکے' ٹیکسی روکے یا کسی بس میں بیٹھے۔ اسے اس شہر سے باہر اس دوسرے شہر میں جانا تھا جہاں سے ایک سال پہلے وہ اپنی مرتی ہوئی ماں کے ساتھ اس بڑے شہر میں آئی تھی۔

اس کے پاس اپنی منزل تک پہنچنے کے پیسے بھی نہیں۔ اس عورت نے اس کی طرف ہزار ہزار کے کئی نوٹ اس کے کرائے کے لیے اچھالے تو تھے' اس کی اوقات اسے یاد دلانے کے لیے وہ چند نوٹ اور ایک چیک اس کے منہ پر مارا تو تھا' وہ اس نے اس کے بیٹے کی خدمتوں کے عوض اسے دی تو تھی۔ ہاں' بہت خدمت کی تھی اس نے اشعر حسین کی۔ ایک سال تک وہ اس کی بیوی کا رول نبھاتی رہی تھی۔ اس کے ساتھ سوتی اور جاگتی تھی۔ اس خدمت کا معاوضہ دے کر اسے رخصت کیا گیا تھا' کل وہ یہ دعوانہ کر سکے کہ میری خدمات مفت حاصل کر لی گئیں۔ ذلت کا شدید احساس رگوں کو کاٹنے لگا تھا۔

"باجی! آپ یہاں کھڑی ہیں۔ میں بہت دیر سے آپ کو ڈھونڈ رہا ہوں۔" کوئی اس کے بالکل قریب آکر بولا تھا۔

اس نے بری طرح چونک کر اپنے برابر میں دیکھا تھا۔ وہ جمال تھا' نور افزا کا پندرہ سالہ نواسا جمال۔ اس کی سانس بری طرح پھولی ہوئی تھی اور اس کا انداز یہ بتا رہا تھا کہ وہ بہت دیر سے اسے تلاش کر رہا ہے۔

"میں بہت دیر سے ہر جگہ پر آپ کو ڈھونڈ رہا ہوں۔ میں سوچ رہا تھا اگر آپ مجھے نہیں ملیں تو گھر جا کر مجھے اماں سے بہت ڈانٹ پڑے گی۔"

وہ گھر کے اندر جس طرح ذرا سہما تھا اس وقت اس کے برعکس اس سے ویسے ہی بات کر رہا تھا جیسے آج سے پہلے ہمیشہ کیا کرتا تھا۔

"تمہیں نور افزا نے بھیجا ہے؟"

"ہاں اماں کو آپ کی بہت فکر ہو رہی تھی۔ انہوں نے مجھے کہا ہے آپ کو جہاں بھی جانا ہے' میں آپ کو وہاں چھوڑ کر آؤں۔ بہت ڈرتے ڈرتے گھر کی پچھلی طرف کی دیوار پھلانگ کر باہر نکلا ہوں۔ گیٹ کھول کر باہر نکلتا تو نور خان دیکھ لیتا۔"

وہ اپنی ساری کارگزاری یوں سنا رہا تھا جیسے ابھی وہ اس کے بہادرانہ اور فلمی ہیرو جیسے انداز پر اسے سراہے گی مگر

اس کی سنجیدگی اور لٹا پٹا انداز دیکھ کر جیسے اسے خود ہی اپنی غلطی کا احساس ہوا تھا۔ وہ یک دم ہی بالکل سنجیدہ ہو گیا تھا۔

"آپ کہاں جائیں گی؟ اماں نے مجھے کرائے کے لیے پیسے دے کر بھیجا ہے۔ آپ کو جہاں بھی جانا ہے' میں آپ کو وہاں پہنچا کر آؤں گا۔"

"نور افزا۔" اس کے دل نے شکر گزاری کے احساس کے ساتھ اپنی ملازمہ کا نام لیا تھا۔

اس نے جمال کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیا تھا۔ اسے اپنے قریب دیکھنے سے' اس کا ہاتھ پکڑنے سے اسے تحفظ کا احساس ہو رہا تھا۔ وہ ہاتھ دے کر ایک ٹیکسی کو روک رہا تھا۔ ساتھ ہی اس سے یہ بھی پوچھا تھا کہ وہ کہاں جائے گی۔

"نواب شاہ۔" اس کے جواب نے اسے حیران پریشان کر دیا تھا۔

رات کے دو بج رہے تھے۔ اور اس کے ساتھ موجود پندرہ سال کا لڑکا جو اس کا کوئی بھی نہیں لگتا تھا اس کی بحفاظت دوسرے شہر تک روانگی کا انتظام کر رہا تھا۔ وہ اسے رکشہ میں بٹھا کر اپنے رشتے کے ماموں غلام قادر کے گھر لے آیا تھا۔ اس غریب بستی میں اس چھوٹے سے گھر میں سوتے ہوئے اپنے ماموں کو اٹھانے اور ساری بات سمجھانے میں جمال نے آٹھ منٹ لگائے تھے۔

"بات سنو جمال!" غلام قادر اور اس کے دوست حیات سے بات کر کے جمال اس کی طرف آیا تو اس نے فوراً ہی اسے مخاطب کیا تھا۔ ان تینوں سے الگ کھڑے ہونے کے باوجود اسے دور سے بھی یہ سمجھ میں آرہا تھا کہ اسے چھوڑنے کے لیے جانے پر آمادگی ظاہر کرتے حیات نے اس کام کے جتنے پیسے طلب کیے تھے اتنے شاید جمال کے پاس نہیں تھے۔ دوستی اور تعلقات تھے تو کیا ہوا بہرحال حیات کو آدھی رات کو دوسرے شہر جانے اور پھر واپس آنے کے اپنی مرضی کے مطابق پیسے چاہیے تھے۔ فی الحال پیسے غلام قادر نے دے دیے تھے مگر ظاہر ہے اپنے رشتے کے اس ماموں کے ادھار دیے یہ پیسے جمال کو لازمی لوٹانے تھے۔ جمال نے شاید غلام قادر سے وہ پیسے اسے کل تک لوٹا دینے کا وعدہ کیا تھا۔ ان دونوں سے بات چیت کرنے کے بعد جمال اس کے پاس آیا تو اس نے اسے ہاتھ سے مخاطب کیا تھا۔ جمال اس کی بات سننے کے لیے توجہ سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"یہ رکھ لو جمال۔" اس نے اپنے جسم پر سجا واحد زیور اپنا نیکلس گلے سے اتار کر مٹھی میں دبا کر اسے جمال کو دینا چاہا تھا۔ اس کے پاس اس وقت کوئی پیسے نہیں تھے اور وہ اس کم سن لڑکے اور اس کی بوڑھی نانی پر اپنے جانے کے کرائے کا بوجھ ڈالنا نہیں چاہتی تھی۔ جمال بدک کر ایک دم یوں ہٹا تھا جیسے اسے کرنٹ لگا ہو۔

"آپ یہ کیا کر رہی ہیں۔ آپ یہ مت کریں۔ اسے پہن لیں۔" ایک دم یوں ہٹا تھا جیسے اسے کرنٹ لگا ہو۔

"اسے رکھ لو جمال! منع مت کرو۔ میں تمہاری بڑی بہن بن کر کہہ رہی ہوں۔"

"اگر آپ میری بڑی بہن کی طرح ہیں تو کیا میں آپ کا زیور لوں گا؟ کیا بھائی بہنوں کا زیور لیتے ہیں؟" الگ الگ لوگوں کے لیے غیرت کے الگ الگ معنی و مفہوم ہوتے ہیں۔ پتا نہیں پندرہ سال کے لڑکے کا وہ اس وقت کس کے ساتھ موازنہ کر رہی تھی۔

"آئیے۔ گاڑی میں بیٹھیں۔ حیات' قادر ماما کا بہت اچھا دوست ہے وہ ہمیں وہاں تک پوری حفاظت سے پہنچا دے گا۔" اسے مزید اصرار کا موقع دیے بغیر وہ اسے پک اپ کے قریب لے آیا تھا۔ چند ہی سیکنڈز میں حیات نے آکر ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی تھی۔ گاڑی چلنا شروع ہوئی تھی۔ یہ خود احسان کی واپسی کا سفر تھا۔

اس کے برابر بیٹھا جمال بہت سنجیدہ اور متفکر سا نظر آرہا تھا۔ وہ سارے راستے جمال کا ہاتھ پکڑے رہی تھی اور اس وقت بھی گاڑی سے باہر اترنے سے پہلے اس نے اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے ہی اس کا شکریہ ادا کیا تھا۔

"نور افزا سے میرا بہت شکریہ کہنا جمال اور تمہارا بھی بہت شکریہ۔ شکریہ کا لفظ بہت چھوٹا ہے مگر میں اور کیا کہوں؟ میں اللہ سے دعا کرتی ہوں کہ وہ تمہیں زندگی میں بہت کامیابیاں اور بہت عروج دے۔"

وہ تنہا و بے سہارا لڑکی اپنی عزت اور آبرو کی سلامتی کے ساتھ بحفاظت اس گھر تک آگئی تھی۔ جہاں غربت تھی' پیسے کی تنگی تھی مگر دلوں میں وسعتیں تھیں۔

بتول بانو ان کے تینوں بیٹے' دونوں بہوئیں سب اس کے گرد جمع ہو گئے تھے۔ اس کے ساتھ کیا ہوا یہ بتانے کی کوشش کرتے کرتے وہ بتول بانو کی گود میں بے ہوش ہو کر گر پڑی تھی۔

وہ اشعر کا انتظار کر رہی تھی۔ اس سے گلے شکوے'

ناراضیاں سب کچھ تھیں۔ مگر اس کا انتظار ان سب سے کہیں بڑھ کر تھا۔ اسے بہت گلے تھے' اسے بہت شکوے تھے۔

بتول بانو کے گھر آکر تیرہ چودہ دن تو وہ پلنگ سے کھڑی ہی نہیں ہو سکی تھی۔ وہاں آتے ہی پناہ کا احساس ملتے ہی جو وہ گری تو لگتے کئی دن اس کی حالت سنبھل نہیں سکی تھی بتول بانو اپنی بہو' بیٹے کے ساتھ اسے بمشکل ڈاکٹر کے پاس لے جا سکی تھیں۔ ان کے بڑے دو بیٹے شادی شدہ بیوی بچوں والے معمولی نوکری پیشہ لوگ تھے جن کی آمدنی سے ان کے بیوی بچوں کے اخراجات بمشکل پورے ہوا کرتے تھے۔ تیسرا بیٹا پڑھ رہا تھا اور اپنی پڑھائی' خرچا نکالنے کے لیے اسے دو' دو جگہ پرائیویٹ نوکریاں کرنا پڑ رہی تھیں۔ ایک لوئر مڈل کلاس گھرانے کے حالات جیسے ہو سکتے تھے' ویسے ہی ان کے گھر کے حالات تھے۔ اس کی حالت ٹھیک نہیں تھی۔ اس کی پریگننسی میں پیچیدگیوں کے خطرات بہت زیادہ بڑھ گئے تھے۔ ڈلیوری کے وقت پیچیدگیوں کے خطرات پیدا ہو گئے تھے مگر اتنا تو تھا کہ اس کا بچہ سلامت تھا۔ وہ بستر سے بغیر سہارے کے سیدھی کھڑی نہیں ہو پا رہی تھی۔ وہ لیٹے لیٹے کبھی بے بسی سے اور کبھی روتے ہوئے مسلسل اشعر ہی کو پکار رہی تھی۔ پلنگ پر لیٹے اس کی نظریں ہر پل اس چھوٹے سے گھر کے دروازے کو تکتی رہتی تھیں۔

اسے یہاں آئے پورے بیس روز ہو گئے تھے اب تک تو اشعر شاک کی حالت میں گھر سے دور نہیں ہو گا' اب تک تو وہ گھر واپس آ گیا ہو گا' اب تک تو اسے نور افزاء سے وہ خط مل چکا ہو گا۔ اس کی ماں نے جو بھی گھٹیا کہانی خرد کی غیر موجودگی کی اسے سنائی ہو' پر وہ وہاں اس کے لیے ایک خط چھوڑ کر آئی ہے اب تک تو وہ خط نور افزاء اسے دے چکی ہو گی۔ اب تک تو وہ اس خط کو پڑھ چکا ہو گا۔ پھر وہ اس سے رابطہ کیوں نہیں کر رہا۔

کہیں ایسا تو نہیں وہ خط اشعر کو ملا ہی نہیں ہے۔ نور افزا نے وہ خط اشعر کو دیا ہی نہیں ہے۔

نور افزا کے خلاف سوچنے کے لیے اس کا دل نہیں مان رہا تھا۔ بتول بانو کے گھر آنے کی اس اکیسویں رات میں لیٹ کر بے چینی سے ادھر ادھر کروٹیں بدلتے اس نے سوچا تھا۔ اسے اشعر سے خود رابطہ کرنا چاہیے۔ مزید وہ اس انتظار اور اس کشمکش میں بیٹھی نہیں رہ سکتی تھی کہ پتا نہیں اشعر کو خط ملا یا نہیں' وہ شاک سے باہر نکلا یا نہیں۔

وہ اشعر سے اس کے موبائل پر رابطے کی کوششیں کر کر کے تھک گئی تھی۔

مگر موبائل پر رابطہ کسی قیمت پر نہیں ہو پا رہا تھا۔ گھر فون کرنے کی کوشش کرنا گیا' ایسا سوچنا بھی حماقت تھا۔

آفس؟ ہاں اسے اشعر کے آفس میں اس سے رابطہ کرنا چاہیے۔ آفس میں رابطے کا خیال آتے ہی اس کے اندر ایک نیا جوش اور تیا ولولہ پیدا ہو گیا تھا۔ اس نے اشعر کے آفس میں اس کے ذاتی نمبر پر کال کی۔ بیل بالکل ٹھیک جا رہی تھی۔ پہلی بیل اور پھر دوسری بیل پر کال ریسیو کر لی گئی تھی۔

"ہیلو۔" اشعر کی آواز یوں لگا تھا جیسے صدیوں بعد اس نے یہ آواز سنی ہے۔ اس کا دل ایک دم ہی بہت تیز تیز دھڑکنے لگا تھا۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھیگنے لگی تھیں۔

"تمہیں پتا ہے اشعر! تمہاری ماں نے میرے ساتھ کیا کیا ہے۔ میں مرتے مرتے بچی ہوں اور ہمارا بچہ۔"

وہ پتا نہیں کیا کیا کہنا چاہتی تھی۔ اس کی آواز سنتے ہی دل چاہا تھا اسے خود پر ہوا ایک ایک ظلم روتے ہوئے بتا ڈالے' مگر جو وہ بولی تو صرف اتنا سا۔

"ہیلو اشعر! میں خرد بات کر رہی۔" اسے اس کا جملہ مکمل نہیں کرنے دیا گیا تھا۔ اس کی بات دوسری طرف سے آتی سرد آواز نے یکلخت ہی کاٹ دی تھی۔

"سوری میں اس نام کی کسی عورت کو نہیں جانتا۔" سرد و سپاٹ لہجے میں بات پوری کرتے ہی دوسری طرف ریسیور بہت زور سے پٹخا گیا تھا۔

"ریسیور کان سے لگائے وہ ساکت کھڑی رہ گئی تھی۔

"میرا بیٹا اب زندگی بھر تمہاری شکل پر تھوکے گا بھی نہیں۔ ہو کس گمان میں تم خرد احسان۔ کسی بدکردار عورت کو کوئی مرد بیوی بنا کر نہیں رکھتا۔" فریدہ حسین اس کے سامنے کھڑی قہقہے لگا لگا کر ہنس رہی تھی۔ اس کا شوہر اسے آوارہ' بدچلن' بدکردار سمجھتا تھا۔ اسے تمہیں دیکھی ہر بات پر یقین آ چکا تھا۔ ماں کی لگائی ہر آگ کو وہ سچ مان چکا تھا اس کی طرف کی بات سنے بغیر اسے صفائی کا موقع دیے بغیر وہ اسے مجرم قرار دے چکا تھا۔ اس کی آنکھوں سے دو آنسو بڑی خاموشی سے گرے۔ اسے خود پر ترس بھی آ رہا تھا اور غصہ بھی۔ آج سب امیدیں دم توڑ گئی تھیں۔

خوش گمانیاں ختم ہو گئی تھیں وہ نہ محبت کرنا جانتا تھا' نہ نبھانا۔

محبت کرنے والی لڑکی خرد احسان مر چکی تھی مگر ابھی یہ بیوی زندہ تھی' ابھی ایک ماں زندہ تھی۔ اس بیوی کو اپنے لیے' اپنے ہونے والے بچے کے لیے اس شخص کی بہت ضرورت تھی۔ اب صرف عزت کا سوال تھا۔ ایک ہی تو اپنے ہونے والے بچے کے باپ سے اپنے کردار کی گواہی چاہیے تھی' اس پر اپنی بے گناہی ثابت کرنی تھی۔ وہ اپنے بچے کی زندگی کو ایک گالی بھی نہیں بننے دے گی۔

اس نے اشعر کے آفس کے اسی پرسنل نمبر پر دوبارہ کالز کرنے کی بے شمار اور ان گنت بار کوششیں کی تھیں۔ لیکن نمبر اس کا اپنے شوہر سے رابطہ نہیں کرا رہا تھا۔ "میں اس نام کی کسی عورت کو نہیں جانتا" یہ کہنے والا کوئی اس نمبر پر موجود نہیں تھا۔ اس کی طبیعت ہر گزرتے دن کے ساتھ خراب ہوتی چلی جا رہی تھی۔

اس کی پریگننسی میں اتنی زیادہ پیچیدگیاں پیدا ہو چکی تھیں کہ ابتدا "لیڈی ڈاکٹر کے پاس بتول بانو اس کی چھوٹی سی کلینک میں اسے لے جاتی رہی تھیں "اس نے ممکنہ خطرات سے آگاہ کرتے انہیں مشورہ دیا تھا کہ اسے کسی تمام سہولیات والے بڑے ہسپتال میں لے کر جائیں تاکہ جب ڈلیوری کا وقت آئے اور خدانخواستہ کوئی پیچیدہ صورت حال پیدا ہو جائے تو اس سے با آسانی نمٹا جا سکے۔ مگر ایک' ننھا' دوا ان چیزوں کا وہاں ہوش کہاں سے کرتی۔ وہ اپنے بچے کی ولدیت ثابت کرنے کے لالے پڑے ہوئے تھے۔ وہ اس کے موبائل اور اس کے پرسنل فون نمبر ملانے کے جتن کر رہی ہوتی اور وہاں اس کی پکار کا جواب دینے والا کوئی بھی نہ ہوتا تو اسے اپنا آپ کسی بازاری عورت جیسا ہی لگتا۔

وہ جن کے گھر میں رہ رہی تھی۔ ان تک سے نظریں چرا یا کرتی تھی۔ ترس' ہمدردی سب اپنی جگہ مگر شوہر کی دہلیز سے گری' ان لوگوں پر مالی بوجھ بن کر آ بیٹھی وہ لڑکی اب بتول بانو کے سوا اس گھر کے تمام مکینوں کے لیے ایک اور صرف ایک بوجھ ہی بنتی جا رہی تھی۔ ایسا بوجھ جس کو اپنے تعلقات کے لحاظ میں اٹھا تو رہے تھے مگر دل کی خوشی سے ہرگز نہیں۔ جہاں اپنے اخراجات بمشکل پورے ہوتے ہوں وہاں یہ اضافی بوجھ ان سفید پوشی کا بھرم رکھے لوگوں کے لیے کوئی خوشگوار چیز نہیں تھا۔ یہ اس کی پریگننسی کا پانچواں مہینہ تھا اور اب اسے اشعر حسین کو اس کے دفتر کے پتے پر خط بھیجے بھی ایک مہینہ ہو چکا تھا۔ ہر گزرتا دن اسے فریدہ حسین کا چیلنج یاد دلا رہا تھا۔ وہ اس زندگی میں اپنے بچے کو اشعر کے بچے ثابت نہیں کر سکے گی۔ وہ خوف سے نئے سرے سے کانپنے لگتی۔

پھر یہ اس رات کی بات تھی جب چھٹا مہینہ پورا ہو کر اس کی پریگننسی کا ساتواں مہینہ شروع ہونے ہی والا تھا کہ اس رات اسے شدید درد محسوس ہونا شروع ہوا۔ وہ اس گھر کے لوگوں کو پہلے ہی بہت زیادہ پریشان کر رہی تھی' آدھی رات کے وقت وہ سب کو سوتے سے اٹھا کر مزید پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس نے وہ پوری رات درد سے کراہتے' درد کو تھامتے گزاری تھی۔ اسے کسی پل قرار نہیں تھا۔ تنہا درد سہنے کی وہ رات اتنی طویل تھی جیسے کبھی اس کی سحر ہو گی ہی نہیں۔ پھر آخر کار طلوع ہو ہی گئی تھی۔ صبح ہونے پر بجائے اپنی حالت بتول بانو کو بتانے کے وہ ہمت کر کے بمشکل اٹھ کر ٹیلی فون تک آئی تھی۔ اسے اس وقت فوراً" ہسپتال جانا چاہیے۔ وہ جانتی تھی مگر وہ ایک آخری کوشش ہسپتال جانے سے پہلے کر لینا چاہتی تھی۔ اسے اتنا شدید درد ہو رہا تھا کہ وہ اپنی چیخوں کو مشکلوں سے روک رہی تھی دیوار کا سہارا لے کر وہ بمشکل فون نمبر ملا پائی تھی۔ اس کا وہی ذاتی نمبر۔ کیا پتا آج وہاں اس کی پکار سن لی جائے۔ مگر نہیں اس نمبر پر آج بھی وہ اس شخص تک رسائی پانے میں ناکام تھی۔ اس کی ہمت جواب دے رہی تھی۔ اس سے اب مزید بالکل بھی کھڑا نہیں ہوا جا رہا تھا۔ اسے لگ رہا تھا وہ کسی بھی لمحے گر پڑے گی۔

"میری اشعر سے بات کرا دیں۔" اپنی چیخ کو دباتے اس نے بمشکل کہا تھا۔ لبوں کو دانتوں سے کچلتے وہ اپنی چیخوں کو دبا رہی تھی۔ "سر اس وقت آفس میں نہیں ہیں۔" غالباً" فون بند کر دینے والی تھی جب اس نے سیکریٹری کی آواز کے پیچھے کہیں بہت دور اشعر کی آواز سنی۔ وہ اس آواز کو میلوں کے فاصلے پر بھی پہچاننے میں کبھی دھوکا کھا ہی نہیں سکتی تھی۔

"وہ آفس ہی میں ہیں۔ آپ میری ان سے بات کرائیے۔" وہ اس بار درد سے چلائی تھی۔ وہ اپنی چیخ کو دبا نہیں پائی تھی۔ دیوار پر رکھا اس کا پسینے میں بھیگا ہاتھ دیوار پر سے تیزی سے پھسلنے لگا تھا۔ اس کے پیر اس کے جسم کا

بوجھ مزید اٹھانے سے انکاری ہو رہے تھے' وہ کسی بھی لمحہ گر پڑنے والی تھی' وہ رو پڑی تھی۔

"سوری میم! سر بزی ہیں' وہ آپ سے بات نہیں کر سکیں گے۔" اس کی روتی ہوئی آواز سے پریشان ہو کر سیکریٹری نے بے بس سے لہجے میں کہا تھا۔

"آپ پلیز میری ان سے بات کرا دیجیے' پلیز۔ ان سے کہیے۔" درد کی ایک شدید لہر اس کے اندر سے ایسی اٹھی کہ وہ اپنی بات مکمل نہیں کر سکی' وہ رو رہی تھی۔ اس کا لہجہ منت بھرا تھا۔ وہ اشعر حسین کی بیوی جو آنے والے چند گھنٹوں میں اس کے بچے کی ماں بننے والی تھی۔ اس کی چند ہزار روپے ماہوار پر ملازم ایک سیکریٹری کی روتے ہوئے منت کر رہی تھی۔

"آئم ویری سوری میم! آپ کی کوئی بھی کال ریسیو کرنے سے سر نے سختی سے منع کر رکھا ہے۔"

اس کے رونے اور گڑگڑانے سے بوکھلا کر سیکریٹری نے مزید جھوٹ بولنے کے بجائے صاف بات کرنا مناسب سمجھا تھا اور پھر اس کی مزید التجاؤں سے بچنے کے لیے بات پوری کرتے ہی کھٹاک سے فون بند کر دیا تھا۔

دیوار پر پھسلتا اس کا ہاتھ نیچے آتا چلا گیا تھا' ریسیور اس کے ہاتھ سے چھوٹا تھا اور وہ چلاتی ہوئی زمین پر گر گئی تھی اور اس کی چیخ سے پورا گھر گونج اٹھا تھا۔



بتول بانو اسے لے کر اسی سرکاری ہسپتال کے گائنی وارڈ میں پہنچی تھیں جہاں پچھلے چند ماہ سے اسے لے جاتی رہی تھیں۔ یہاں طبی عملے کا وہی برتاؤ تھا جو سرکاری ہسپتالوں میں حالات کے ستائے پسے پسائے غریب لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ اگر ماں کمزور ہو اس کی جسمانی حالت زیادہ اچھی نہ ہو تو 12 گھنٹے سے اوپر لیبر پین ماں اور بچے دونوں کے لیے نقصان دہ ہوتا ہے اس دوران نارمل ڈلیوری نہ ہو سکے تو۔ آپریشن کیا جائے۔

پورے اٹھارہ گھنٹے لیبر پین میں رہنے کے بعد جب نارمل ڈلیوری نہ ہو سکی جب ماں اور بچے دونوں کی جان مکمل طور پر خطرے میں جا چکی' ان کے بچنے کے امکانات بہت کم ہو گئے تب وہ گائناکولوجسٹ ڈیوٹی پر پہنچیں جن کی آمد کا کئی گھنٹوں سے انتظار تھا کہ وہ آئیں گی تو سیزیرین آپریشن کیا جائے گا۔ اس کے پاس اپنے آپریشن کے لیے کیا کسی بھی چیز کے لیے ایک پیسہ تک نہیں تھا۔ بتول بانو بے چاری یہاں وہاں بھاگتی پتا نہیں اپنے کس جاننے والے سے قرض لے کر آئی تھیں۔ اس کا آپریشن ہو سکا تھا۔ اس کی اور اس کے بچے کی جان بچ سکی تھی۔ اس کی بیٹی کی پیدائش ہو سکی تھی۔ اس کی بیٹی نے جب آنکھ کھولی جب اس دنیا میں پہلی سانس لی تو اسے عزت' ناموس اور اپنا نام دینے والا اس کا باپ اس کی زندگی میں کہیں نہیں تھا۔ اس کی بیٹی حریم حسین وہ ایک ایسے گھٹیا ترین باپ کی بیٹی تھی جس نے اپنی بیٹی کے وجود ہی کو ایک گالی بنا دیا تھا۔ جس گھڑی حریم حسین نے جنم لیا تھا اس گھڑی ایک نئی خود احسان نے بھی جنم لیا تھا۔ وہ خود احسان جو اشعر حسین نام کے اس شخص سے انتہائی حدوں تک نفرت کرتی تھی جس نے بیوی پر ننگی تہمتوں کو تو کیا سنایا ہوتا اس نے تو اپنی اولاد' اپنی بیٹی کو بھی ایک بہت گندی گالی بنا دیا تھا۔

ہوش میں آنے کے بعد اس نے اپنی بیٹی کو گود میں لے کر پیار کیا۔ تب اس روز وہ اس شخص کے نام پر آخری بار روئی تھی۔ آخری بار اس نے اس شخص کے نام پر بچے اپنے تمام آنسو بہا ڈالے تھے۔ "دعا کرتی ہوں اس زندگی میں اب عمر بھر تم کبھی میرے سامنے نہ آؤ۔ تم سے سامنا اب میں صرف روز حشر چاہتی ہوں اشعر حسین اس دنیا میں نہیں۔ اس زندگی میں نہیں۔

جب تک میں تمہیں معاف نہیں کروں گی میرا اللہ بھی تمہیں معاف نہیں کرے گا۔ اور اشعر حسین اپنی بیٹی کی قسم کھا کر کہتی ہوں اس روز میں تمہیں معاف نہیں کروں گی۔ اپنے لیے معاف کرنے کا حوصلہ کر بھی لوں لیکن اپنی بیٹی کے لیے' اسے جو ذلت تم نے اس دنیا میں آنکھیں کھولتے ہی بخشی اس کے لیے ہرگز معاف نہیں کروں گی۔"

اس کی کمزور' لاغر اور بیمار بچی وہ جن حالات میں اور جس طرح پیدا ہوئی تھی اسے کمزور اور بیمار پیدا ہونا ہی چاہیے تھا۔

اسے تنہا اپنی بچی کی پرورش کرنا تھی۔ اسے پالنا پوسنا تھا۔ اسے زندگی کی ہر سہولت فراہم کرنا تھی۔ اور یہاں زندگی کی بنیادی ضرورتوں کے لالے پڑ رہے تھے۔ اس کی بیمار اور کمزور بچی کو درکار مناسب علاج اور دواؤں کی فراہمی کے لالے پڑ رہے تھے۔ اس کی کیا حالت ہے اور کیا

نہیں اس پر سوچنے، دھیان رہنے کی اس کے پاس مہلت نہیں تھی۔

وہ حریم کی پیدائش کے ساتویں روز گھر کے قریب واقع اس اسکول چلی گئی تھی جہاں اگر اسے فوراً" ملازمت مل جاتی تو اس کی بچی کو فوراً" درکار بہت سی دوائیں خرید کر لائی جاسکتی تھیں۔ اس کی بچی کی پیدائش پر بتول بانو جہاں جہاں سے قرض لے کر آئی تھیں، اس قرض کو کسی کے تقاضے سے پہلے لوٹا دینے کے لیے اس کے پاس کچھ پیسے آسکتے تھے۔ اسے ہر حالت میں وہ ملازمت درکار تھی۔

فی الحال اس کی اپنی حالت ایسی نہیں تھی کہ وہ ملازمت کی تلاش میں ماری ماری پھر سکتی، اس کی چند دن کی بیمار قسمت نے جہاں اس کا ساتھ دیا تھا اسے بہت معمولی تن خواہ پر ہی سہی بہرحال اس اسکول میں ملازمت مل گئی تھی۔ یہ پہلا قدم بہت چھوٹا اور معمولی سہی لیکن کم از کم اس نے اپنے بل بوتے پر زندگی کو خود گزارنے کا آغاز تو کیا تھا۔

بتول بانو یہ جان کر کہ وہ ملازمت شروع کر رہی ہے قدرے پریشان ہوئی تھیں۔ وہ اس رات پلنگ پر اس کے برابر بیٹھی اسے سمجھانے لگی تھیں۔ وہ حریم کو فیڈ کر رہی تھی۔ حریم ماں کی چھاتی سے لگی بہت پرسکون، بہت مطمئن ہونے کے قریب تھی اور بتول بانو آہستہ آواز میں بولتی اسی کی محبت میں اسے یہ سمجھا رہی تھیں کہ۔

وہ اشعر سے کراچی جا کر ملے فون پر بات کی وہ اہمیت نہیں ہو سکتی جو اس کے خود جانے کی ہو سکتی ہے۔ اسے یہ آخری کوشش ضرور کر دیکھنا چاہیے۔ اس کے لیے تب اشعر کا دل گداز نہیں ہوا تھا لیکن کیا پتا اب ایک باپ کا دل اپنی بچی کے لیے گداز ہو جائے۔ اور پھر وہ ساری آگ تو اس کی ماں کی لگائی ہوئی تھی۔ ورنہ کیا وہ اس سے محبت کیا نہیں کرتا تھا۔

"محبت..." وہ طنزیہ انداز میں ان کی بات پر ہنسی تھی۔ "محبت نہیں کی تھی بتول خالہ! میں اس کا من پسند کھلونا تھی پھر ایک روز اس کی ماں نے اسے اس کے پسندیدہ کھلونے کے کچھ عیب دکھائے تو اس عیب دار کھلونے کو اٹھا کر اس نے سڑک پر پھینک دیا۔"

"تمہارے ساتھ بہت زیادہ زیادتی ہوئی ہے بیٹا! میں مانتی ہوں یہ بات لیکن..."

"زیادتی نہیں ہوئی ہے بتول خالہ! مجھے میری حیثیت بتائی گئی ہے جسے میں نے ساری دنیا میں سب سے زیادہ پیار کیا تھا، اسی شخص نے میری ہستی خاک میں ملا دی، میری روح کو مار ڈالا، مجھ سے سر اٹھا کر زندہ رہنے کا حق چھین لیا، میری بچی کے وجود کو ایک شرم ناک گالی بنا دیا۔"

اس کی آواز بھرا گئی تھی۔

"اشعر تم سے بدگمان، تم سے ناراض، اس طرح ایک دوسرے سے دور ہو کر تو تم دونوں اشعر کی ماں کے منصوبے کو کامیاب بنادو گے۔ تم دونوں کو الگ کروانا ہی تو اس کا مقصد تھا۔"

ماں کا دودھ پیتے پیتے حریم سو چکی تھی، وہ اب اسے آہستگی سے اس کی جگہ پر لٹا رہی تھی۔ اسے لٹا کر کمبل اوڑھاتے ہوئے اس نے بتول بانو کی طرف دیکھا تھا۔

"فریدہ حسین کون تھی اور اس نے میرے ساتھ کیا کیا تھا، مجھے یاد نہیں۔ مجھے یاد ہے تو صرف اتنا کہ مجھے بے اعتباری، ذلت اور رسوائی اس شخص نے دی ہے جو ساری دنیا میں میرا واحد اپنا تھا۔

"حریم کے پیدا ہونے کا لمحہ اشعر حسین کے انتظار کا آخری لمحہ تھا بتول خالہ! اب نہ میں زندگی بھر کبھی اس کی شکل دیکھوں گی، نہ اسے اپنی دکھاؤں گی۔"

اس کا لہجہ بہت مضبوط تھا، اس میں چٹانوں جیسی سختی تھی۔ بتول بانو اس کے اتنے واضح اور صاف انکار کے باوجود اسے زندگی کے سرد و گرم اور اونچ نیچ سمجھانے لگی تھیں۔

"زندگی میں اور کتنا برا وقت آئے گا بتول خالہ! جب اپنی بچی کو اپنی کوکھ میں لیے رات کے اندھیرے میں کھلے آسمان تلے بے اماں اور بے سائبان بالکل تنہا میں بھی سروائیو کر گئی۔ میری بچی بھی سروائیو کر گئی تو میں اور میری بچی ہماری باقی زندگی بھی اس شخص کے بغیر گزار سکتے ہیں۔"

مضبوط، مستحکم اور دو ٹوک لہجے میں بتول بانو کو جواب دے کر وہ حریم کے برابر سونے لیٹ گئی تھی۔ اسے اس کے فیصلے میں اتنا مضبوط دیکھ کر وہ بھی خاموشی سے لیٹ گئی تھیں۔

اور شاید اس کا وہ جملہ "میں اپنی بچی کو تمہارے بغیر، تمہاری مدد، تمہارے سہارے کے بغیر خود پال لوں گی۔"

اس بڑے بول کی سزا دینے کو تقدیر نے وہ داؤ چلایا کہ اسے لا کر اسی شخص کے در پر پھر پٹخ دیا۔

حریم کے علاج کے لیے پیسہ مانگنے جب اس شخص کے در پر آئی تھی، اس روز اپنی اوقات زندگی بھر کے لیے بہت اچھی طرح پہچان لی تھی اور اب جب حریم کی سرجری ہو چکی تھی، وہ بہت تیزی سے روبہ صحت ہو رہی تھی۔ شاید کل اسے ہسپتال سے ڈسچارج ہو جانا تھا۔ تب وہ ہر بات کو ایک طرف رکھ کر یہ فیصلہ کر چکی تھی کہ حریم کی بہتری کے لیے اسے حریم کو خود سے جدا کرنا ہوگا۔

"کبھی اپنی ماما سے بدگمان مت ہونا بیٹا! کبھی یہ مت سوچنا کہ میری ماما مجھے پیار نہیں کرتی تھیں۔ وہ مجھے چھوڑ کر چلی گئی تھیں۔ تمہاری محبت ہی تمہاری ماما سے یہ فیصلہ کروا رہی ہے حریم!"

حریم کو اشعر کے پاس چھوڑ کر اسے واپس اپنی دنیا میں لوٹنا ہوگا۔ یہ فیصلہ کر چکی تھی مگر اسے پتا تھا حریم سے جدا ہو کر اب وہ ساری عمر اس کی جدائی کے غم میں روتی رہے گی۔

☆ ☆ ☆

وہ اپنے کمرے میں شدید پریشانی کے عالم میں بیٹھی تھیں۔ یہ ہوا کیا تھا؟ یہ سب ہوا کیا تھا؟ وہ خرد احسان واپس اشعر کی زندگی میں آگئی؟ نہیں، یہ ناممکن ہے۔ ہر بات کی سامنے تصدیق موجود تھی پھر بھی یقین نہیں آرہا تھا۔ زرینہ کی دی یہ بھیانک اطلاع کہ سارہ نے خود اپنی آنکھوں سے خرد اور اس کی بچی کو اشعر کے ساتھ کسی ریسٹورنٹ میں لنچ کرتے دیکھا ہے۔ یہ خبر شہلی علاقہ جات میں ان کے سوشل ورک کے دوران انہیں ملی اور ان پر بجلی گرا گئی۔

ان کی آنکھوں کے سامنے وہ چٹ پڑی تھی، جس پر اس اپارٹمنٹ کا پتا اور فون نمبر درج تھا جس میں پچھلے ایک ماہ سے بھی اوپر کے عرصے سے خرد اپنی بچی سمیت اشعر کے ساتھ رہ رہی تھی لیکن اب بھی دل کو اس ناممکن ترین بات کو یقین دلانا مشکل ہو رہا تھا۔ اشعر اس سے شدید نفرت کرتا تھا، وہ اس کی شکل دیکھنا تو کیا اس کا ذکر تک سننا گوارا نہیں کرتا تھا پھر اس لڑکی نے آخر ایسا کیا کیا جس سے اشعر کی کایا پلٹ گئی۔ اشعر اتنے دنوں سے ان کی آنکھوں میں دھول جھونک رہا تھا، ان سے جھوٹ بول رہا تھا؟ وہ دن کے کسی بھی وقت گھر کا حال احوال معلوم کرنے کراچی اپنے گھر فون کرتیں، ملازمین سے بات کرتیں، اشعر گھر پر بھی موجود نہ ہوتا لیکن اس میں تعجب کی کیا بات تھی۔ وہ تو ان کی موجودگی میں بھی اب ایک طویل عرصے سے گھر سے دور بہت دور بلکہ دنیا ہی سے بہت دور دور رہنے لگا تھا۔

انہیں اشعر کے ساتھ اپنی کچھ دن پہلے کی وہ فون کال یاد تھی جس میں انہیں اس کے لہجے میں بے تحاشا خوشی کی جھلک محسوس ہوئی تھی اور اشعر کی وہ خوشی کیا اس بات کی تھی کہ اس کی زندگی میں اس کی بیوی اور بچی لوٹ آئی ہیں؟

وہ خرد احسان اشعر سے اپنا اور اپنی بچی کا وجود بھی تسلیم کروا گئی تھی۔ کیا خرد نے اشعر کو سب کچھ بتا دیا۔ ساڑھے چار سال پہلے جو کچھ ہوا، وہ سب اور اشعر نے اس کا یقین بھی کرلیا؟

یہ سوچتے ہوئے ان کا دل اندر ہی اندر ڈوبنے لگا۔ "نہیں، ایسا نہیں ہو سکتا، ایسا کبھی بھی نہیں ہو سکتا۔ اشعر ماں کے خلاف اس لڑکی کی کسی بکواس کا کبھی یقین نہیں کر سکتا۔" لیکن پھر اس کے اتنے دنوں تک یہ ساری بات ان سے چھپائے رکھنے کا مقصد کیا تھا۔ انہیں ہر بازی الٹتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

کیا بچی کی بیماری کے کوئی ڈھونگ کر کے اس لڑکی نے اشعر کی ہمدردیاں حاصل کرنے کی کوشش کی تھی؟ زرینہ نے ان کی کراچی واپسی سے کئی دن قبل ان کے کہنے پر اشعر کے اپارٹمنٹ کے نمبر پر کال کی تھی۔ وہاں کسی ملازمہ نے کال ریسیو کی تھی اور یہ بتایا تھا کہ وہ لوگ ان دنوں ہسپتال میں ہیں۔ حریم کا آپریشن ہوا ہے، وہ وہاں پر ایڈمٹ ہے۔ خرد کی بچی کا نام حریم ہے، یہ وہ نہیں جانتی تھیں۔ ہاں اتنا چار سال پہلے سے ضرور جانتی تھیں کہ اس کے ہاں بچی پیدا ہوئی تھی۔ اس شروع شروع کے وقت میں انہوں نے زرینہ کے ذریعے بھی اور اپنے کچھ دوسرے ذرائع سے بھی کسی نہ کسی فرد کے ذریعہ طریقے سے خبر خبر رکھوائی تھی۔ جب یہ تسلی ہو گئی کہ اس کے ہاں بچی کو لے کر اشعر کے پاس واپس نہیں آرہی، تب انہوں نے سکون کا سانس لیا تھا۔ خرد کو اشعر کی زندگی سے نکال دینے کے بعد ان کا پکا ارادہ تھا کہ وہ اشعر کی فوراً" کہیں اور شادی کروا دیں گی۔ اس وقت اشعر کو ایک جذباتی سہارے کی شدید ضرورت تھی اور اگر اس کی فوراً" ہی شادی ہو جاتی تو وہ اپنی شادی شدہ زندگی، بیوی اور پھر بچوں میں مگن ہو جاتا۔

مگر اشعر نے اس گھٹیا اور بیچ لڑکی کے پیچھے جوگ لے لیا تھا، اپنی زندگی تباہ کر دینے پر تلا بیٹھا تھا۔ ہر کوشش کر کے

دیکھ چکی تھیں' اسے اس تنہا اور خاموش زندگی سے باہر نکالنے کے لیے۔ اسے اتنا ٹوٹا' بکھرا' زندگی سے دور دیکھ کر کیا ان کا دل نہیں کڑھتا تھا؟ بہت دل کڑھتا تھا۔ وہ بہت مضبوط اعصاب کی عورت تھیں۔ عام عورتوں کی طرح چھوٹی چھوٹی باتوں پر پریشان ہونے یا رونے پیٹنے' واویلا کرنے جیسی جذباتی اور احمقانہ حرکتیں انہوں نے زندگی میں کبھی نہیں کی تھیں لیکن اب گزرے دو' تین سالوں میں وہ اشعر کو اتنا تنہا اور زندگی سے ناراض دیکھ دیکھ کر واقعی رویا کرتی تھیں۔

ان کے تین بچے تھے مگر جیسی شدید محبت انہیں اشعر سے تھی۔ ویسی اپنی دونوں بیٹیوں سے نہیں تھی۔ وہ ان کا اکلوتا' لاڈلا' چہیتا بیٹا جو صورت شکل سے لے کر اپنی بہت سی خوبیوں تک میں بھی ہو بہو انہیں جیسا تھا۔ وہ ان کی اپنی ماں کی طرح ہزاروں' لاکھوں بلکہ کروڑوں کے مجمع میں بھی الگ نظر آتا تھا۔

فرق صرف اتنا تھا کہ وہ اپنی ان خوبیوں سے آگاہ ہونے کے باوجود بے نیاز سا رہا کرتا تھا اور ــــ شاید اس کی یہ بے نیازی لڑکیوں کو اس کی طرف زیادہ ہی متوجہ کیا کرتی تھی مگر وہ اشعر کی طرح اپنی خوبیوں اور صلاحیتوں سے کبھی بھی نہ لاپروا رہی تھیں' نہ بے نیاز۔ وہ اپنی نوعمری کے دور سے جانتی تھیں کہ وہ ایک انتہائی ذہین' غیر معمولی خوبیوں کی مالک اور بے پناہ صلاحیتوں کی حامل خاتون ہیں۔ وہ ان لوگوں میں سے ہیں جو حکمرانی اور لیڈر شپ کے لیے پیدا ہوئے ہوتے ہیں۔ کوئی ان کے مدمقابل آکر کھڑا ہو' ان کے کسی فیصلے کے برخلاف کچھ کرے' یہ چیز ان کی برداشت سے باہر تھی۔ یہ غرور تھا' تکبر تھا یا جو بھی' بہرحال وہ خود کو ہمیشہ سب سے آگے اور سب سے اونچا دیکھنا چاہتی تھیں۔

اپنے گھر اور بچوں کی زندگیوں سے متعلق چھوٹے بڑے تمام فیصلے وہ کیا کرتی تھیں۔ بصیرت حسین نے صرف ان فیصلوں کو قبول کرنے کا کام کیا تھا۔ ان کا وہ گھر ان کی سلطنت تھا' ان کی ریاست تھا اور اپنی اس سلطنت کی وہ ملکہ تھیں مگر پھر ایک روز ان کی اس سلطنت کے بادشاہ نے ایک بہت معمولی' بہت حقیر' بہت کم تر لڑکی کو لاکر ان کے مقابلے پر کھڑا کردیا۔

پینتیس سالہ خوشگوار شادی شدہ زندگی کا غرور' شوہر کے دل اور اس کے گھر پر حکمرانی کا فخر سب کچھ صرف ایک پل میں ان سے چھین لیا گیا تھا اور کس بات کے پیچھے۔ یہ کہ وہ اس معمولی لڑکی کو اپنے بیٹے کی بیوی کی حیثیت میں قبول کرلیں' اسے اپنی بہو بنالیں۔ اس بات پر اگر وہ شوہر کے خلاف گئی تھیں' اس فیصلے کے خلاف بولا تھا تو کیا غلط کیا تھا۔ ان کا ہی لاکھوں' کروڑوں میں ایک بیٹا جس کے لیے ان کے ہم پلہ کیا ان سے بھی اونچے گھرانوں کے لوگ رشتے کے خواہش مند تھے۔ اس کا نصیب کیا وہ حقیر ترین لڑکی تھی۔

اشعر امریکہ سے تعلیم مکمل کرکے آیا تو ان کے جاننے والے اور واقف کار کیا سرسری ملنے جلنے والوں تک نے کسی نہ کسی انداز میں اپنی یہ خواہش ان تک ضرور پہنچائی تھی کہ اشعر کے لیے لڑکی کا انتخاب کرتے وقت ان کی بیٹیوں کو بھی ضرور زیر غور لایا جائے اور یہ سب وہ لڑکیاں تھیں جو ان ہی کی طرح اپر کلاس سے تعلق رکھتی تھیں۔ اسٹیٹس' تعلیم اور زندگی کے ہر معاملے میں ان لوگوں کی خصوصیت میں اشعر کے ہم پلہ تھیں اور وہ ان سب میں سے کسی لڑکی کو بھی اشعر کے لیے پسند نہ کرپائی تھیں۔

ان بہت خوبصورت اور بے تحاشا خوبیوں کی مالک سارہ اجمل جو اپنی ذات میں یکتا و بے مثال تھی' وہ تک اپنے بیٹے کے لحاظ سے کم تر لگا کرتی تھی۔ اگر اشعر خود سے بھی اپنے لیے کسی لڑکی کو پسند کرلیتا' وہ اس کی پسند کو بخوشی قبول کرلیتیں۔ ہاں' بس وہ لڑکی ان کی فیملی کے ہم پلہ فیملی سے ہونا چاہیے تھی۔ خرد احسان کو اشعر کی بیوی بنانا' اس عظیم ترین لڑکی کو یہ منصب ان کے شوہر نے نجانے کس طرح کے جذباتی ہتھکنڈے استعمال کرکے اشعر سے دلوایا تھا۔

اشعر باپ کی جذباتی بلیک میلنگ کا شکار ہوگیا تھا مگر وہ اس بات پر کیسے چپ رہ سکتی تھیں۔ خرد احسان' دو معمولی دو ٹکے کی لڑکی ان کی اس غریب نند کی بیٹی جسے رشتے دار کی حیثیت سے متعارف کراتے بھی انہیں ہتک کا احساس ہوتا تھا۔ ان حقیر ترین لوگوں سے ان کے بیٹے کا رشتہ جوڑ دیا جائے؟ ان کے تن بدن میں آگ لگ گئی تھی۔ کہاں انہیں لندن کے بہت شاندار فیشن اسکول سے ڈگری لے کر آئی اپنی حسین اور ذہین بھانجی سارہ اجمل بیٹے کے لیے نہیں بھائی تھی اور کہاں ان کے شوہر نے اس حقیر لڑکی کو ان کے بیٹے کے لیے منتخب کر ڈالا تھا۔

بہن نے بھی بھائی کی جذباتی کمزوریوں کا خوب بھرپور

انداز میں فائدہ اٹھایا تھا۔ بہن نے بھائی سے کبھی پیسہ نہیں مانگا تھا۔ بڑی خوددار تھیں۔ ہاں بھائی کی سب سے قیمتی متاع ان کا بیٹا ضرور مرتے مرتے ان سے مانگ لیا تھا اور بھائی' بہن پر اپنے والد رشید کے انکار کا کوئی جواز تھا ہی نہیں۔

ان کے انکار پر وہ زندگی میں پہلی بار بیوی پر چلا رہے تھے۔

"خبردار جو تم نے آگے ایک لفظ بھی کہا۔ یہ میرا گھر ہے' میں اس کا مالک ہوں اور جسے میں چاہوں' اس گھر میں رکھ سکتا ہوں۔ میرے اس گھر میں میری بہن بھی رہے گی اور بھانجی بھی اور میری بھانجی یہاں میری بہو بن کر ہی رہے گی۔ اور تمہیں اگر میرے اس فیصلے پر اعتراض ہے تو تم اس گھر کو چھوڑ کر شوق سے جاسکتی ہو۔"

شادی کے پینتیس سالوں بعد انہیں ان کے شوہر نے اتنی بڑی بات کہہ دی تھی اور شوہر کی جانب سے یہ بے عزتی انہیں کس کے سبب ملی تھی۔ وہ حقیر ترین' کم تر ترین لڑکی۔ پہلے اگر وہ لڑکی انہیں صرف معمولی اور حقیر لگا کرتی تھی تو اس لمحے کے بعد سے انہیں اس سے نفرت ہوگئی تھی' شدید ترین نفرت۔ ان کے لیے خاموشی کے سوا کوئی اور چارہ نہیں تھا۔ وہ ایک سرکاری اسکول کے ہیڈ ماسٹر کی بیٹی جسے ان کی اس ہائی سوسائٹی کے طور طریقے کچھ نہیں آتے تھے جسے اپنے ملنے والوں سے بہو کی حیثیت سے متعارف کراتے انہیں شرمندگی ہوتی تھی۔ کیا حق کے ساتھ ان کے اس غیر معمولی بیٹے کی بیوی بنی ان کے گھر میں رہ رہی تھی۔ انہوں نے نہ شوہر کو معاف کیا تھا نہ اس لڑکی کو مگر وہ غلط وقت پر غلط انداز میں اپنے جذبات کو ظاہر کرنے والے لوگوں میں سے نہ تھیں۔ جب تک اشعر اسے منہ نہیں لگاتا تھا' اس سے دور دور بلکہ بیزار گھر ہی سے دور رہنے لگا تھا' تب تک پھر بھی کسی نہ کسی طرح وہ اس لڑکی کو دل پر جبر کرکے برداشت کرتی رہی تھیں مگر جب اس لڑکی کا جادو ان کے بیٹے پر بھی ویسے ہی اثر کرنے لگا جیسے شوہر پر کیا تھا تو ان کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ ان کے شوہر کو تو اس حقیر ترین لڑکی نے ان سے چھینا ہی تھا' اب ان کے اکلوتے بیٹے کو بھی اپنی محبت کے دام میں الجھا لیا تھا اور ان کا بیٹا۔۔۔۔

وہ ایسا احمق کہ اپنی حیثیت اپنا مقام پہچانے بغیر اس لڑکی کو سر آنکھوں پر بٹھاتا تھا۔

اسے اپنے شوہر اور بیٹے کی مشترکہ والہانہ محبتیں پاتا دیکھ کر وہ انگاروں پر لوٹتی تھیں' وہ اس درست وقت کا انتظار کررہی تھیں جب انہیں اس لڑکی کو اس کی اوقات یاد دلانی تھی اور پھر تقدیر نے وہ درست وقت انہیں جلد ہی فراہم بھی کردیا تھا۔ مختصری علالت کے بعد ان کے شوہر کا انتقال ہوگیا تھا۔ ان کے شوہر نے آخری بات جو ان سے کی تھی وہ ان سے معافی مانگنا تھی۔ انہوں نے اشعر کی شادی کی بات کرتے ہوئے بیوی سے زندگی میں پہلی بار جو بدکلامی کی تھی۔ وہ اسی کی ان سے معافی مانگ رہے تھے۔ وہ ان لمحوں میں شوہر کے قریب بیٹھی آنسو بہاتے ہوئے یوں خاموش رہی تھیں جیسے انہیں شوہر سے کبھی کوئی شکوہ کوئی شکایت رہی ہی نہیں تھی۔ لیکن ایسا نہیں تھا۔ وہ تو اپنی بے عزتی بھولی تھیں نہ انہوں نے اس بے عزتی کے لیے شوہر کو کبھی معاف کیا تھا اور نہ ہی کبھی کرسکتی تھیں۔ انہیں شوہر کی موت کا ویسا صدمہ نہیں ہوا تھا جیسا ہونا چاہیے تھا۔

اس لڑکی کا تو ان کے لیے کوئی مسئلہ ہی نہیں تھا۔ اسے تو وہ چٹکیوں میں مسل کر رکھ سکتی تھیں۔ اصل مسئلہ اشعر کا تھا۔ وہ اس معمولی لڑکی سے محبت کرنے لگا تھا۔ لیکن اگر محض باپ کے کہنے پر اس کے ساتھ اپنے رشتے کو نبھا رہا ہوتا تب بھی اس لڑکی کو اشعر کی زندگی سے نکالنا بہت زیادہ مشکل کام تھا۔ وہ ان کا اصولوں' قاعدوں اور وعدوں کو بہت اہم جاننے والا بیٹا کبھی باپ کے قائم کردہ اس رشتے کو ہرگز نہ توڑتا۔ اس مشکل ترین کام کو کرنے کے لیے جلد بازی کی نہیں' سمجھ داری اور تدبر کی ضرورت تھی۔

غضنفر عالم' زرینہ کی نند کے اس بیٹے کو وہ گزشتہ چند سالوں سے جب سے وہ کراچی میں مقیم تھا جانتی تھیں۔ اس سے ملاقاتیں ہمیشہ سرسری نوعیت کی رہی تھیں۔ زرینہ کے ہاں سرسری ملاقاتوں اور معمولی نوعیت کی گفتگو کے باوجود وہ اس لڑکے کی فطرت بہت اچھی طرح سمجھ گئی تھیں۔ وہ ترقی اور دولت کا بھوکا ایک انتہا درجے کا مطلبی اور موقع پرست انسان تھا۔

غضنفر عالم میتھس میں آنرز کررہا تھا اور خرد نے اسی سبجیکٹ کے ایم ایس سی پریویس میں داخلہ لیا تھا۔ یہ بات جانتے ہی ان کے ذہن میں ایک خیال آنے لگا' ایک منظر تخلیق ہونے لگا' ایک پلان بننے لگا۔

ابھی خرد کی یونیورسٹی میں کلاسز شروع بھی نہیں ہوئی

تھیں اور انہوں نے اپنے ارادوں کو عملی شکل دینے کا آغاز کرتے آہستہ آہستہ ایسے کہ کوئی چونکے نہیں' اپنے گھر والوں کو مختلف مواقع پر خضر کی تعریفیں کر کر کے یہ باور کرانا شروع کر دیا تھا کہ وہ اس لڑکے کو بہت پسند کرتی ہیں۔

کتنا ہی چاہنے والا شوہر کیوں نہ ہو بیوی کی بدکرداری سہہ نہیں سکتا۔ مرد کی فطرت کے اس پہلو کو انہیں فائدے کے لیے بالکل درست انداز میں استعمال کرنا تھا۔ وہ جانتی تھیں انہیں اپنے بیٹے کو جو اس لڑکی کی محبتوں کا دم بھرا کرتا ہے۔ کس طرح اس سے بدگمان کروانا ہے۔ خرد احسان کی انہیں فکر نہیں تھی۔ وہ بے وقوف اور بے عقل لڑکی ممی کی کہتے ان کی سوچ تک کبھی نہیں پہنچ سکتی تھی' ہاں ان کو فکر تھی اپنے بیٹے کی۔ ان کا بیٹا بے تحاشا ذہین اور ہر معاملے میں منطقی انداز فکر رکھنے والا تھا۔

اس کام کے لیے خضر عالم تو ان کی نگاہوں میں بہت پہلے ہی سے تھا اور دوسری ان کی بہن زرینہ اجمل' پیسے کی جن کے پاس قطعاً" کوئی کمی نہیں تھی۔ ہاں ان کا مسئلہ خرد احسان ضرور تھی۔ خرد سے ان کی دشمنی کا سبب سارہ تھی' سارہ کی اشعر میں انوالومنٹ تھی۔ وہ خرد کو اشعر کی زندگی سے نکلوا کر وہ جگہ سارہ کو پاتے دیکھنا چاہتی تھیں۔ اپنے منصوبے میں شریک کرنے کے لیے ان دو لوگوں کا انہوں نے بہت سوچ سمجھ کر انتخاب کیا تھا۔ زرینہ اجمل ہوں یا خضر عالم' وہ ان دونوں سے اپنا مطلب نکلوا رہی تھیں۔ خضر کا منہ تو اتنے پیسے دے کر ہمیشہ کے لیے بند کروا رہی تھیں۔ وہ تھیں زرینہ تو بعد میں ان سے انہیں کیسے پیچھا چھڑوانا تھا وہ اچھی طرح جانتی تھیں۔ سارہ کو اشعر اور خرد کی شادی کے وقت خرد کے متبادل کے طور پر تو وہ قبول کر سکتی تھیں' مگر سارہ کو وہ اپنی خوشی سے اشعر کی بیوی کے طور پر کبھی منتخب نہیں کر سکتی تھیں۔ وہ اپنے بیٹے کی پسند بہت اچھی طرح سمجھتی تھیں۔ اشعر اپنی سوچ اور اپنے رویوں سے مشرقی انداز رکھنے والی لڑکیوں کو پسند کیا کرتا تھا۔ یہی مشرقی ادائیں تو تھیں خرد احسان کی جنہوں نے اشعر کو اپنا دیوانہ بنا رکھا تھا۔

وہ اپنے بیٹے کی زندگی کی خوشیوں کو ختم کرنے کے لیے کچھ کر رہی ہیں ایسی کوئی سوچ دور دور تک ان کے ذہن میں نہیں تھی۔ اس لیے کہ وہ اپنے بیٹے کے خلاف کچھ کر ہی نہیں رہی تھیں۔ اپنے قدموں میں پڑے ایک پتھر کو جو وہ ہیرا سمجھنے کی غلطی کر بیٹھا تھا وہ اسے صرف اس غلطی سے روکنا چاہتی تھیں۔

ان ہی دنوں ان کی تجربہ کار اور زیرک نگاہوں نے جب بھانپا کہ خرد حاملہ" پریگننٹ ہے تو وہ بری طرح بوکھلا گئیں۔ مگر وہ ان کی اب تک کی زندگی کی سب سے زیادہ احمق ترین دشمن اس سے ناواقف تھی۔

پھر اشعر بالکل ٹھیک موقع پر ہی چلا گیا تھا اور وہ بھی اس بات سے آگاہ ہوئے بغیر۔ وہ لڑکی صبح شام ان کے ساتھ تھی اور اشعر کی ہر بات وہ کسی نہ کسی انداز میں انہیں بتا رہی تھی۔ خرد احسان اپنے ہی خلاف تمام معلومات انہیں بروقت اور بہم پہنچا رہی تھی۔ انہیں خوشی خوشی یہ بتا کر کہ اشعر اپنے طے کردہ پروگرام سے جلدی واپس آ رہا ہے خرد نے ان کے لیے مزید آسانیاں پیدا کر دی تھیں۔ اشعر بغیر اطلاع دیے' یہاں اچانک پہنچے گا اور پھر خرد کو کسی ایسی جگہ پائے گا تو ان کا تخلیق کردہ منظر اور بھی زیادہ حقیقت سے قریب تر ہو جائے گا۔

ان کا وہ پورا منظر پرفیکٹ ٹائمنگ کے ساتھ بالکل ان کے سوچے ہوئے طریقے کے مطابق عمل میں آیا تھا۔ ان کے اندازے نہ اپنے بیٹے کے اس منظر کو دیکھنے کے بعد کے ردعمل کے متعلق غلط ثابت ہوئے تھے نہ خرد احسان کے متعلق' سب کچھ ان کی توقعات کے عین مطابق ہوا تھا۔ ان کا اپنے بیٹے کی نفسیات کو بخوبی جانتے یہ اندازہ کہ اشعر اس منظر کو دیکھنے کے بعد غم' غصے اور صدمے کا بری طرح شکار ہو کر خضر کے اپارٹمنٹ سے اسی وقت اور فوراً" کہیں چلا جائے گا" سو فیصد درست ثابت ہوا تھا۔ تب ہی تو انہوں نے پہلے ہی خضر کو سمجھا رکھا تھا کہ اشعر کے اس اپارٹمنٹ سے نکل جانے کے کچھ ہی لمحوں بعد وہ بھی نکل جائے اور جہاں اشعر جائے وہاں وہ بھی اس کے پیچھے پیچھے جائے۔ اشعر جہاں پر بھی ہے وہاں وہ بالکل خیریت سے اور بالکل ٹھیک ہے انہیں صرف اور صرف یہ اطلاع چاہیے تھی' وہ اشعر کی آج رات گھر واپسی ہرگز نہیں چاہتی تھیں۔

انہوں نے صرف خضر کے گھر تک کا ہی نہیں اپنے گھر واپس آ جانے کے بعد کا بھی سارا منظر پہلے سے ترتیب دے رکھا تھا۔ اگر چاہتیں تو وہ خرد کو اسی وقت ہی گیٹ سے اندر داخل نہ ہونے دیتیں۔

مگر انہیں رات کا انتظار تھا اسی لیے انہوں نے گیٹ سے اندر اس لڑکی کو قدم رکھنے دیا تھا' انہیں بیٹے کی اپنی

اور اپنے خاندان کی عزت کی بہت زیادہ پروا تھی اس لیے انہوں نے پہلے ہی گھر سے تمام ملازمین کو زرینہ کے ہاں بھجوا دیا تھا۔ زرینہ جنہوں نے صرف اس ایک دن انہیں گھر سے اپنے تمام ملازمین کو ہٹانے کا ایک معقول جواز فراہم کرنے کو اس رات اپنے گھر پر ایک بہت بڑی پارٹی دے رکھی تھی۔ چوکیدار اور ڈرائیور دونوں ان کے بہت پرانے اور بھروسے کے ملازمین تھے اور پھر وہ سارے کے سارے نوکروں کو گھر سے بھیج کر خود کو ایک دم مشکوک بھی نہیں بنا دینا چاہتی تھیں۔

انہوں نے بہت بڑا خطرہ مول لیا تھا' ان کی پلاننگ پرفیکٹ تو تھی مگر کسی بھی لمحے اگر بات کچھ آگے پیچھے یا ان کے اندازوں سے غلط ہو جاتی تو سارا معاملہ بگڑ بھی سکتا تھا' وہ خود بھی شک کی زد میں آ سکتی تھیں۔

پھر آخرکار اشعر گھر واپس آ گیا تھا۔ اس کی گاڑی کی آواز سنتے ہی وہ دیوانہ وار بھاگتی باہر نکلی تھیں۔ وہ کتنا بدحال' کتنا کمزور لگ رہا تھا۔ اس گھٹیا لڑکی کی وجہ سے انہیں اپنے بیٹے سے کتنے جھوٹ بولنے پڑ رہے تھے' اس کی انا' عزت اور وقار کو کتنی چوٹیں پہنچانی پڑ رہی تھیں۔ اسے چوٹ پہنچا کر وہ خوش نہیں تھیں۔ مگر ان کے پاس اور کوئی راستہ بھی تو نہیں تھا۔

"ممی! خرد کہاں ہے؟" اپنے کمرے میں آ جانے کے بعد وہ ان سے پوچھ رہا تھا۔

"میں وہ بیٹا تم پہلے کچھ دیر آرام کر لو۔ آؤ چلو میرے کمرے میں۔" اس کا ہاتھ پکڑ پیار اور لجاجت سے وہ یوں بولی تھیں جیسے ایک بہت ہی بری خبر ہر حالت میں اس سے چھپا لینا چاہتی ہوں۔

"ممی! خرد کہاں ہے؟" وہ ان کے انداز میں موجود سنگینی اور بری خبر چھپانے کا تاثر فوراً" بھانپ گیا تھا۔

"وہ گھر چھوڑ کر چلی گئی اشعر۔" اس کے پیہم اصرار کے بعد بالآخر اپنی نظریں اس سے چراتے وہ آہستہ آواز میں بولی تھیں۔ اس بات کو سننے کے بعد اشعر کا ردعمل ان کی توقع کے مطابق تھا۔ وہ روتے ہوئے نظریں جھکا کر اپنے مرتب کردہ جملے بول رہی تھیں۔

"وہ اسی روز یہاں سے چلی گئی تھی۔ جب تم خضر کے اپارٹمنٹ سے گئے' میں روتی اور بھاگتی ہوئی تمہارے پیچھے گئی۔ مگر جب تمہیں روک نہ پائی تو صدمے سے چور گھر لوٹ آئی۔ وہ مجھ سے پہلے گھر پر موجود تھی۔ وہ اپنا سارا سامان جلدی جلدی پیک کر رہی تھی' گھر سے باہر گاڑی میں خضر اس کا انتظار کر رہا تھا۔ میں نے اسے بہت روکا' بہت سمجھایا۔ پیار سے' محبت سے' غصے سے' میں نے اس کے آگے ہاتھ تک جوڑے' وہ ہمیں اتنی بڑی ذلت دے کر نہ جائے۔ مگر میری کوئی نصیحت' کوئی التجا' کوئی آنسو اس پر اثر نہ کر سکا۔ مجھ سے بولی کہ جب تک بات چھپی ہوئی تھی' چھپی تھی مگر اب جب ساری بات کھل چکی ہے تو وہ یہاں مزید ایک پل بھی نہیں رہنا چاہتی۔ تم سے اس کی شادی اس کی ماں اور ماموں نے زبردستی کروائی تھی۔ یہ ٹھیک ہے کہ ابتدا میں وہ اس رشتے سے خوش تھی' مطمئن تھی مگر اب ایسا نہیں ہے۔ اب وہ صرف لوگوں سے ڈر کر' معاشرے سے ڈر کر' سمجھوتے سے بھری زندگی تمہارے ساتھ گزار رہی تھی۔ مگر اب جبکہ سچائی تمہارے سامنے آ ہی چکی تھی تو وہ سمجھوتوں سے بھری' بندھی ہوئی زندگی مزید نہیں جینا چاہتی۔ اس نے مجھ سے یہ بھی کہا کہ وہ آنے والے چند دنوں میں طلاق کے لیے تم سے رابطہ کرے گی۔ اس کا نفس اس پر کتنا حاوی ہو گیا تھا اشعر کہ وہ صحیح' غلط' گناہ' ثواب ہر چیز سے بے نیاز ہو گئی تھی۔"

لوہا گرم تھا۔ خرد اور خضر کو تنہائی میں ملتے دیکھنے کے بعد یہ سنگین جملے اور سنگین صورت حال اس کے اور خرد کے رشتے کے تابوت میں آخری کیل ہی ثابت ہوئے تھے۔

وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئی تھیں۔ مگر یہ انہیں اندازہ نہیں تھا کہ اس کا یوں نروس بریک ڈاؤن ہو جائے گا۔ ان کا اندازہ تھا کہ وہ بہت ٹوٹ پھوٹ جائے گا اور ایسے وقت میں وہ اسے جذباتی سہارا فراہم کریں گی اور اس جذباتی کمزوری اور شکستگی کے ان دنوں ہی میں وہ اس کی بڑی سادگی سے دوسری شادی کروا دیں گی۔ لیکن اشعر کا نروس بریک ڈاؤن' اس کا ہسپتال میں ایڈمٹ رہنا' اس کی بری طرح گرتی ہوئی حالت انہیں حقیقتاً" پریشان کر گئی تھی۔

ان کا خیال تھا کہ وقت گزرنے کے ساتھ آہستہ آہستہ وہ خود کو سنبھال لے گا۔ مگر ان کا خیال غلط ثابت ہوا تھا۔ اشعر نے خود کو سنبھال تو لیا تھا مگر بہت عجیب انداز میں۔ وہ دنیا میں رہتا تھا' وہ لوگوں کے درمیان رہتا تھا مگر کس طرح؟ جیسے کوئی مردہ۔

اس نے اپنی زندگی کے ساڑھے چار سال اس گھٹیا لڑکی کی بے وفائیوں کے پیچھے برباد کروا لیے تھے۔ اشعر کو بولنے

اسے پھر ہنسنا سکھانے، خوش رہنے پر آمادہ کرنے اور زندگی کی طرف واپس لانے کی ان کی ہر کوشش ناکام تھی۔

اس بار جب وہ اپنے سوشل ورک کے لیے زلزلے سے متاثرہ شمالی علاقوں میں جا رہی تھیں تب اچانک ہی ان کے ذہن میں یہ خیال آیا تھا۔ اپنی بیماری ڈراوا دینے کے علاوہ ان کے پاس اشعر سے اپنی بات منوانے کا اور کوئی طریقہ نہیں تھا۔

وہ اشعر کو اس بار اپنی کراچی واپسی پر سچ کے ساتھ یا جھوٹ کے ساتھ بہرحال شادی کے لیے کسی نہ کسی طرح ہر حال میں آمادہ کر لینے کا مصمم ارادہ کر چکی تھیں جب پتا چلا تھا خرد احسان واپس آ گئی ہے۔ ان کی غیر موجودگی میں یہ اتنی بڑی قیامت آ چکی تھی اور انہیں پتا نہیں چلا تھا۔ ان کا ذہن بہت تیز رفتاری سے کام کر رہا تھا وہ ایک ہی وقت میں نجانے کیا کیا کچھ سوچ رہی تھیں۔ ان کے پاس دھرے فون کی بیل بج رہی تھی۔ انہوں نے بے توجہی سے نمبر دیکھا۔ یہ ان کی بہن زرینہ کا فون تھا، ساڑھے چار سال پرانے اس ماضی کی ان تمام واقعات کی خضر عالم اور خرد احسان کے علاوہ واحد گواہ زرینہ، اجمل اور خضر جو تعلیم مکمل کرنے کے بعد امریکہ ہی میں مستقل رہائش اختیار کر چکا تھا۔ اس نے وہاں ایک دولت مند امریکی بیوہ عورت سے شادی کر کے اپنا اسٹیٹس لتنا ہی اونچا کر لیا تھا جتنا ساڑھے چار، پانچ سال پہلے وہ خواب دیکھا کرتا تھا۔ وہ وہاں اس امیر عورت کے ساتھ مل کر اس کا بہت پھیلا ہوا کاروبار چلا رہا تھا؟ اس کی پاکستان واپسی کا ہرگز کوئی امکان نہیں تھا۔

آج کئی دنوں بعد ان کی زرینہ سے بات ہو رہی تھی۔ سارہ ہاسپٹل سے گھر آ چکی تھی مگر اس کی حالت نارمل نہیں تھی۔ اس نے گھر سے باہر نکلنا، لوگوں سے میل جول رکھنا سب کچھ ترک کر رکھا تھا۔ زرینہ اس کی وجہ سے کافی زیادہ پریشان تھیں۔

"کچھ پتا چل سکا، آخر خرد یہاں واپس آ کیسے گئی زرینہ۔" سارہ کے ذکر سے ہٹ کر موجودہ پیچیدہ ترین صورت حال کی طرف آئیں۔ بیٹی کو نفسیاتی مریضہ بنتے دیکھنے کے بعد خرد احسان سے زرینہ کی نفرت غالباً" مزید بڑھ چکی تھی، وہ بہن سے جاننا چاہتی تھیں کہ یہ سب کچھ جو بھی ہوا ہے اس سے وہ کیسے نبرد آزما ہوں گی۔

"نہیں۔ ابھی کچھ پتا نہیں چلا۔ ابھی کچھ سمجھ میں بھی نہیں آ رہا۔ علاوہ اس کے کہ ساڑھے چار سال بعد سب

کچھ بالکل ٹھیک کرنے کے بعد صرف ایک غلطی کر دی تھی۔ اگر تب سوچ لیتی تو جب اسے طیبہ کے کلینک پر لے کر گئی تھی اسی وقت ہی اس ناگن کے سنپولیے کا پیدا ہونے سے پہلے ہی سر کچلوا دیتی۔ اپنے لیے اس بچ لڑکی کی اولاد کی صورت ایک اتنی بڑی مصیبت میں نے زندہ رہنے کے لیے چھوڑ دی۔ لیکن خیر جو بھی ہو زرینہ! میں نے زندگی میں کبھی کسی جگہ شکست نہیں کھائی ہے۔ اس لڑکی کو ایک بار پھر اس کی اوقات یاد نہ دلا دی تو میرا نام فریدہ حسین نہیں۔"



"اشعر! آپ کہاں ہیں؟ آپ اس وقت کہاں ہیں؟ آ کر دیکھیں تو سہی ہماری زندگی میں ایک کتنا بڑا طوفان آ رہا ہے۔ آپ جہاں کہیں بھی ہیں وہاں سے جلدی سے واپس آ جائیں اشعر! مجھے ممی سے بہت ڈر لگ رہا ہے۔ ممی مجھے گھر کے اندر نہیں جانے دے رہیں۔ میں باہر سیڑھیوں پر بیٹھ کر یہ خط آپ کو لکھ رہی ہوں اس لیے کہ میرے پاس آپ سے رابطے کا اور کوئی ذریعہ نہیں۔ دعا کر رہی ہوں میرے یہ لفظ لکھتے لکھتے آپ گھر لوٹ آئیں۔ میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے کیا ہونے والا ہے۔ ممی نے مجھے کہا ہے میں ایک گھنٹے کے اندر یہ گھر چھوڑ جاؤں۔ اگر ایک گھنٹے کے اندر میں اس گھر سے چلی نہیں گئی تو وہ مجھے یہاں سے دھکے مار کر باہر نکال دیں گی۔ ممی کو مجھ سے اتنی نفرت کس بات پر ہو گئی ہے میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔ اپنا کوئی قصور، کوئی غلطی مجھے یاد نہیں آ رہی۔

آج خضر کے گھر وہ خود مجھے لے کر گئی تھیں۔ وہ خود مجھے وہاں چھوڑ کر آئی تھیں۔ وہاں زرینہ آنٹی بھی تھیں، ان کی ایک نوکرانی رخسانہ بھی تھی۔ مجھے نہیں پتا ممی نے ایسا کیا کیا کہ وہ دونوں میری لاعلمی میں وہاں سے چلی گئیں اور اسی وقت ممی آپ کو لے کر وہاں آ گئیں۔ میں کیا بولوں اشعر! اتنی گھٹیا، اتنی بچ بات سوچتے بھی مجھے شرم آ رہی ہے۔ جس کا ممی مجھ پر الزام لگا رہی ہیں۔ لیکن آپ تو میرا یقین کرتے ہیں نا۔ آپ کو پتا ہے نا میں ایسی نہیں ہوں۔ آپ کو یاد ہے ایک بار آپ نے مجھ سے کہا تھا، تمہیں خود پر بھروسہ نہ ہو مگر مجھے میری خرد پر پورا بھروسہ ہے، پلیز آ کر یہی بات ایک بار پھر بول دیں۔ آپ کی خرد خود پر بھروسہ کھو رہی ہے۔ آ کر اس کا وہ بھروسہ لوٹا دیں اشعر۔

میں آپ کی تھی، آپ کی ہوں اور مرتے دم تک آپ ہی کی رہوں گی۔ جب تک میری سانسیں چل رہی ہیں جب تک میرا دل دھڑک رہا ہے میں صرف اور صرف آپ کی رہوں گی۔

آپ تو ہمیشہ مجھے کہا کرتے ہیں کہ میں بہت خاص ہوں، میں سب سے اچھی ہوں، میں سب سے اچھی ہوں۔ میں تو آج بھی وہی ہوں اشعر۔ میں نہیں بدلی آپ بھی مت بدلیے گا۔ اگر آپ نے میرا یقین نہیں کیا، میرا اعتبار نہیں کیا تو میں زندہ کس طرح رہوں گی۔ میرے پاس اس پوری دنیا میں آپ کے علاوہ اور کوئی بھی اپنا نہیں، میں بھری دنیا میں اکیلی ہوں، آپ کے سوا میرا کوئی بھی نہیں۔ میری زندگی آپ ہیں، میری دنیا آپ ہیں، میری کائنات آپ ہیں۔ ممی نے اگر واقعی مجھے گھر سے نکال دیا اگر تب تک آپ واپس نہ آئے تو میں کہاں جاؤں گی، میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔

میں کہاں جاؤں گی۔ میں کس کے پاس جاؤں گی۔ میں کس کے پاس... نواب شاہ؟ کیا بتول خالہ کے پاس؟ بتول خالہ... ہاں ان کے علاوہ میرا کوئی نہیں۔

آپ جب واپس آئیں گے اور اللہ نہ کرے میں آپ کو گھر پر نہ ملوں تو سمجھ لیجیے گا کہ ممی نے مجھے گھر سے نکال دیا ہے اور میں بتول خالہ کے پاس نواب شاہ چلی گئی ہوں۔ صرف ان ہی کا گھر مجھے اس وقت سمجھ میں آ رہا ہے جہاں میں جا سکوں۔ اگر میں آپ کو گھر پر نہ ملوں تو آپ فوراً" بتول خالہ کے گھر آ جائیے گا۔ لیکن میں اس حالت میں اس وقت اکیلی وہاں پہنچوں گی کیسے۔ میں دن کے وقت وہاں کبھی اکیلی نہیں گئی، رات میں کس طرح جاؤں گی۔ اللہ ممی کے دل میں رحم ڈال دے یا آپ واپس آ جائیں ورنہ میں اس حالت میں کیا کروں گی۔

میں پریگننٹ ہوں اشعر آپ کو یاد ہے میں نے آپ سے فون پر کہا تھا آپ کی واپسی پر آپ کو ایک بات بتاؤں گی "وہ بات یہی تھی اشعر۔ آپ کو یہ بات کسی اچھے موقع پر اچھے انداز میں بتانا چاہتی تھی۔ ممی جانتی ہیں میں پریگننٹ ہوں، میں ان ہی کے ساتھ ڈاکٹر کے پاس گئی تھی۔ ممی مجھے دھمکی دے رہی ہیں، میں زندگی بھر ہمارے بچے کو اس کی صحیح پہچان دلوا نہیں سکوں گی۔ اشعر! آ کر ممی کو اس ظلم سے روک لیں۔ کہیں ان کے ظلم کی بھینٹ ہمارا بچہ

نہ چڑھ جائے۔ آپ جہاں کہیں بھی ہیں وہاں سے جلدی لوٹ آئیں اشعر۔ میرے پاس وقت کم ہو رہا ہے۔

ممی کا دیا ایک گھنٹہ پورا ہونے والا ہے۔ میں یہ خط کہاں رکھوں، کس کو دوں کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔ اگر آپ کی گھر واپسی پر میں آپ کو نہ ملوں تو اللہ کرے یہ خط آپ کو ضرور مل جائے۔ آپ گھر واپس آ جائیں۔ مجھے اس مشکل سے باہر نکال دیں۔ مجھے ممی سے بہت ڈر لگ رہا ہے اشعر۔ مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے اشعر۔ مجھے اور ہمارے بچے کو اپنے ہوتے تباہ ہونے سے بچا لیں۔ اشعر! میرے لیے قیامت کی گھڑیاں نزدیک آ رہی ہیں اشعر۔

اگر آپ اب بھی نہ آئے تو قیامت آ جائے گی۔ آپ کی خرد ہمیشہ کے لیے مر جائے گی۔ مجھے مرنے سے بچا لیں۔ مجھے مرنے سے بچا لیں اشعر۔ مجھے بچا لیں اشعر۔ پتا نہیں میں نے کیا لکھا ہے۔ میں جانتی ہوں میری باتوں میں کوئی ربط نہیں ہے۔ مگر میں جانتی ہوں آپ میری ہر بات سمجھ لیں گے جو میں کہہ پائی وہ بھی اور جو نہیں کہہ پائی وہ سب بھی۔

صرف آپ کی خرد

وہ ٹوٹی پھوٹی شکستہ سی تحریر، وہ کسی کے آنسوؤں سے مٹے مٹے سے لفظ، وہ کسی سسکتی سی کالی کے ہلکے ہلکے سے اوراق اس کے ہاتھوں سے چھوٹ کر نیچے گر رہے تھے۔ صرف کاغذ ہی نہیں گرے تھے، وہ خود بھی زمین پر گر پڑا تھا۔ کھڑکی سے آتی ہوا اپنے زور سے ان اوراق کو کمرے میں یہاں وہاں اڑاتی پھر رہی تھی۔ وہ ان اوراق کو بے یقینی سے تکنے کی حالت میں دیکھ رہا تھا۔ باہر بادل بہت زور سے گرج رہے تھے۔ آسمان پر بادلوں کی گھن گرج سنائی دے رہی تھی۔ لگتا تھا آج خونی رشتوں کی حرمت کی پامالی پر آسمان بھی رو پڑنے والا تھا۔

اس کی ماں دنیا کی سب سے عظیم عورت جسے اپنے دل میں وہ اس عظیم الشان مقام پر بٹھا کر رکھتا تھا جس تک دوسرے کسی بھی انسانی رشتے کی رسائی نہیں تھی۔

وہ ماں کا سب سے زیادہ لاڈلا سب سے زیادہ چہیتا ہے۔

"کیوں ممی کیوں؟" وہ سسک اٹھا۔

"مجھے جس آگ نے جلایا وہ میری ماں نے لگائی تھی نہیں میں نہیں مانتا۔ میں تو آپ کا سب سے پیارا بیٹا ہوں نا! ساری دنیا میں آپ کو سب سے زیادہ عزیز۔ ماں آ کر کہو کہ یہ سب جھوٹ ہے۔ ہماری زندگیوں میں یہ آگ کسی

اور سے لگائی تھی۔ بھلا ایک ماں خود اپنی اولاد کی زندگی میں آگ کس طرح لگا سکتی ہے۔

وہ انھا لڑکھڑاتا ہوا اپنے کمرے سے باہر نکلا۔ ماں کی محبت بھری آغوش ایک پل میں اس سے چھین لی گئی تھی پھر بھی چوٹ لگنے پر رونے کے لیے ماں کے علاوہ کسی اور کے پاس جانے کی اسے عادت نہیں تھی۔ ماں یہاں نہیں تھی مگر اس کا احساس تو تھا۔ وہ ماں کی گود چھن جانے پر ماں کے کمرے ہی میں چھپ کر رونا چاہتا تھا۔

وہ ماں کے کمرے کے پاس آیا' وہ دروازے کے سامنے آکر رکا' وہ دروازے کو کھولنے کے لیے اس پر ہاتھ رکھنے لگا' اسے اندر سے اپنی ماں کی آواز آئی۔ لیکن یہ آواز' یہ لہجہ زخموں پر مرہم رکھنے والا تو نہیں تھا۔ یہ آواز اس کی ماں کی ضرور تھی مگر لہجہ تو نفرتوں میں سر تا پا ڈوبی کسی دوسری عورت کا لہجہ تھا۔ کسی بالکل انجان اور غیر عورت کا لہجہ تھا۔

"بہت بڑی غلطی ہو گئی تھی تب مجھ سے۔ آنے والے سالوں میں وہ بچ لڑکی اشعر کی زندگی میں واپس آسکتی ہے' اپنی اولاد کو ہتھیار بنا کر اشعر کی ہمدردیاں حاصل کرنے کی کوشش کر سکتی ہے' کاش میں نے اس امکان پر تب غور کر لیا ہوتا' تب یہ بات سوچ لی ہوتی۔ اگر تب سوچ لیتی تو جب اسے طیبہ کے کلینک پر لے کر گئی تھی اسی وقت ہی اس ناگن کے سنپولیے کا پیدا ہونے سے پہلے ہی سر کچلوا دیتی۔ اپنے لیے اس بچ لڑکی کی اولاد کی صورت ایک اتنی بڑی مصیبت میں نے زندہ رہنے کے لیے چھوڑ دی۔ لیکن خیر جو بھی ہو زرینہ......" یہ اس کی ماں نہیں تھی۔ واقعی یہ ظالم اور سفاک عورت کوئی اور تھی۔

اس کے سائیں سائیں کرتے کانوں میں ان لفظوں کی بازگشت ہو رہی تھی۔ حریم صرف خرد کی تو نہیں میری بھی تو اولاد ہے۔ آپ کے بیٹے کی اولاد۔ آپ کے لاڈلے چہیتے بیٹے کی اولاد۔ میں یہ سچائی جان کر زندہ کس طرح رہوں کہ میری بیٹی سے دنیا میں جو سب سے زیادہ نفرت کرتا ہے وہ کوئی اور نہیں میری ماں ہے۔

یہ رشتوں کے اعتبار کھونے کا دن تھا۔ یہ دنیا کے سب سے عظیم رشتے پر سے ہر بھروسہ کھو دینے کا دن تھا۔ اگر ماں بھی بھروسے قابل نہیں تو پھر انسان اعتبار کس پر کرے' بھروسہ کس پر کرے' یقین کس پر کرے؟ وہ بغیر دیکھے ایک وقت میں دو' دو' تین تین سیڑھیاں ایک ساتھ پھلانگ رہا تھا۔ اس کا راستہ کیا تھا' اس کی منزل کہاں تھی' اسے کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔



"انہوں نے میرے' نور خان اور جمال کے علاوہ باقی سارے نوکروں کو اپنی بہن کے گھر وہاں کسی دعوت کی تیاری کرنے کے لیے بھجوا دیا تھا۔ مگر جب شام میں بیگم سے گھر واپس آکر انہوں نے مجھے اور نور خان کو الگ الگ بلا کر بہت سختی سے یہ کہا کہ آج کے پورے دن ہم صرف وہی کریں گے جو وہ کہیں گی اور ان کے علاوہ ہم کسی کی بھی کوئی بات نہیں سنیں گے تب مجھے ڈر لگا کہ پتا نہیں وہ کیا کرنے والی ہیں۔ لیکن میں نے یہ نہیں سوچا تھا کہ وہ آج خرد بی بی کے ساتھ کچھ کرنے والی ہیں۔"

وہ نور افزاء کے کوارٹر میں اس کے سامنے والی چارپائی پر بیٹھا تھا۔ کوارٹر کا دروازہ بند تھا۔ وہ گھر کے اندر روتی ہوئی ممی سے نکل کر جس جگہ آکر رکا وہ نور افزاء کا کوارٹر تھا۔ اس کی وہ ملازمہ جس نے ساڑھے چار سال قبل کسی کا اس کے نام لکھا ایک خط اسے لاکر دیا تھا۔ طوفانی بارش آج رات ہو رہی تھی' مگر ساڑھے چار سال پہلے اس گھر میں بغیر تیز بارش اور طوفانی ہواؤں کے ایک بہت خطرناک طوفان آیا تھا۔ وہ اس طوفانی رات سے آج زندگی میں پہلی بار آگاہ ہو رہا تھا۔

"خرد بی بی شام سے رات تک سخت سردی میں گھر سے باہر سیڑھی پر بیٹھی رہی تھیں۔ مجھے ان پر ترس آرہا تھا مگر میں نوکر ذات کیا کر سکتی تھی۔ جمال نے بعد میں مجھے بتایا تھا کہ وہ کاغذ اور قلم اس سے مانگا تھا۔ انہوں نے بری طرح روتے ہوئے میری منت کی تو میں نے وہ خط ان کے ہاتھ سے لے لیا تھا۔ بڑا ظلم ہوا تھا خرد بی بی پر۔ پتھر دل سے پتھر دل انسان بھی اس ظلم پر کانپ جائے مگر بیگم صاحبہ کو ان پر رحم نہیں آیا تھا۔ وہ بیگم صاحبہ کی منت کر رہی تھیں کہ وہ انہیں صرف آج کی رات اس گھر میں گزارنے دیں' وہ صبح سویرے ہی یہاں سے چلی جائیں گی۔ مگر بیگم صاحبہ نے کچھ پیسے ان کے پاس پھینک کر نور خان کو انہیں گھر سے نکالنے کو کہہ دیا تھا۔

میں چارپائی پر آکر لیٹ گئی تھی مگر میرا دل بہت بے چین تھا۔ پھر مجھ سے رہا نہیں گیا تو میں نے جمال کو اٹھا کر خرد بی بی کے پیچھے بھیجا تھا۔ مجھے خیال آرہا تھا کہ ابھی شاید بس روڈ تک ہی پہنچی ہوں گی۔ میں نے جمال سے کہا وہ ساتھ لے کر جائے اور جہاں کہیں بھی وہ اس وقت جانا چاہتی ہیں' انہیں وہاں چھوڑ کر آئے۔" نور افزا کا لہجہ بھرا گیا تھا۔ وہ دوپٹے کے پلو سے اپنی آنکھیں خشک کر رہی تھی۔ وہ زمین پر نظریں گاڑے بالکل خاموش بیٹھا تھا۔

"جمال انہیں چھوڑ کر اگلے روز ڈرتا اور چھپتا چھپاتا گھر واپس آیا تھا۔ جمال نے واپس آکر بتایا تھا کہ خرد باجی بہت بری ہو رہی تھیں۔ انہوں نے سارے راستے میرا ہاتھ پکڑا رکھا تھا۔ وہ دوسرے شہر گئی تھیں۔ جمال' میرے بھانجے اکبر کے دوست کی گاڑی پر انہیں وہاں تک پہنچا کر آیا تھا اس لیے اسے واپس آنے میں اتنی دیر ہو گئی تھی۔

جمال گھر واپس آگیا اور کسی کو کچھ شک بھی نہیں ہوا تب میں نے سکون کا سانس لیا تھا۔"

نور افزا بولتے بولتے پھر ایک پل کے لیے چپ ہوئی۔

"مجھے اس عمر میں نوکری سے جانے اور دربدر ہونے سے ڈر لگ رہا تھا' خرد بی بی سے خط میں نے لے تو لیا تھا مگر سچی بات یہ تھی کہ میرا وہ خط آپ کو دینے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ جب بھی میں نے اس خط کو پھاڑنے کا سوچا' میرے کانوں میں خرد بی بی کے رونے کی آوازیں آنے لگتیں۔ پھر بڑی مشکلوں سے ہمت کر کے اس رات جب مجھے پتا تھا' بیگم صاحبہ اپنے کمرے میں سو چکی ہیں تو میں نے آپ کو وہ خط لاکر دیا تھا۔ اگر بیگم صاحبہ کو میری نمک حرامی پتا چل جاتی تو وہ مجھے چھوڑتی نہیں۔ میں اتنی زیادہ ڈر رہی تھی کہ اگلے پورے دن اپنے کوارٹر سے باہر نہیں نکلی تھی۔ مگر پھر میں نے دیکھا کہ کچھ بھی نہیں ہوا۔

تھوڑے ہی دن بعد بیگم صاحبہ نے ایک ایک کر کے آگے پیچھے جب سارے پرانے نوکروں کو نوکری پر سے نکالنا شروع کیا تو مجھے پتا چلا ان سب کے بعد نور خان کی اور میری باری بھی آئے گی۔ وہ ہم تینوں کو بھی نوکری پر سے نکال دیں گی۔ وہ کسی پر بھی بھروسا نہیں کرتیں' انہیں ہماری زبان کھلنے کا ڈر ہے۔ نور خان کو نوکری پر سے نکالنے سے پہلے اللہ ہی نے اپنے پاس بلا لیا' جمال کو بیگم صاحبہ نے لاہور اپنے ایک جاننے والوں کے پاس ان کے گھر نوکری پر لگوا دیا۔ یہ میرے لیے ایک چھپی ہوئی دھمکی تھی۔ تب تو ڈر کے مارے میں نے اپنے آپ سے پکا وعدہ کر لیا تھا کہ اس رات میں نے جو کچھ دیکھا اسے زندگی بھر کبھی زبان پر نہیں لاؤں گی۔ آپ نے آج مجھ سے آکر پوچھا ہے تو بتا رہی ہوں اگر نہ پوچھتے تو اللہ کی قسم زندگی بھر کبھی زبان نہیں کھولتی۔ اب بھی آپ کی منت کرتی ہوں یہ سب جو میں نے آپ کو بتایا ہے کسی سے بھی میرا نام مت لیجیے گا۔"

وہ اس کی بات سنے بغیر چارپائی پر سے کھڑا ہو گیا۔

وہ بے سمت چلتا جا رہا تھا۔ نہیں کس سڑک پر نکل آیا تھا' اس اندھیری اور طویل سڑک کے دونوں اطراف وہ وحشت کے عالم میں نگاہیں دوڑا رہا تھا۔ وہ اس اندھیری رات کس طرف چلی ہو گی' اس سرد اور اندھیری رات میں اسے کتنا ڈر لگا ہو گا۔ وہ تو ذرا ذرا سی بات سے ڈر جایا کرتی تھی۔



وہ نہ ہسپتال گیا تھا نہ کہیں اور ساری رات سڑکوں پر سر پٹختے' روتے' دیوانگی کے عالم میں ادھر سے ادھر پھرتے وہ آخر کار اپنے اپارٹمنٹ آگیا تھا۔ صبح کے چار بجنے والے تھے' پوری رات طوفانی بارش میں خود کو زخمی کرتے' اپنے اپارٹمنٹ کے اندر آگیا تھا۔ اس نے چابی سے دروازہ کھول لیا تھا مگر زینت اندر کہیں جاگی ہوئی تھی' لیٹی تھی' وہ دروازے کی آواز سن کر فوراً "اٹھ کر باہر آئی۔ اسے زخمی اور بھیگا ہوا دیکھ کر اس کے چہرے پر تشویش پھیلی۔ وہ اسے نظرانداز کرتا اپنے کمرے کی طرف جانے لگا۔

"آپ کہاں تھے' خرد بی بی کا آپ کو پوچھنے کے لیے کل شام اور رات دو تین بار فون آیا تھا۔ آپ کی بات ہوئی ان سے؟" وہ کمرے میں جاتے جاتے ٹھٹک کر رک گیا۔

"خرد؟ ہاں نہیں۔" بے دھیانی سے اسے دیکھتے اس کے لبوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر بڑی مشکلوں سے کچھ بے معنی لفظ نکلے۔ ماتھے پر ہاتھ لے جا کر جم جانے والے خون کو صاف کرنے کی کوشش کرتے وہ لڑکھڑاتے قدموں سے کمرے کے اندر آگیا۔ وہ اس کا موبائل نمبر ملا رہا تھا' اس کی انگلیاں جو جگہ جگہ سے زخمی ہو رہی تھیں' جن سے جگہ جگہ سے خون رس رہا تھا۔

پہلی ہی بیل پر اس نے کال ریسیو کر لی تھی۔ "ہیلو۔" اس آواز کو سنتے ہی اس کی آنکھیں پھر سے بھیگنے لگیں۔

"خرد۔" اس کے لبوں سے بے آواز یہ نام نکلا۔

"ہیلو! زینت؟" لائن کے دوسری جانب مسلسل خاموشی پا کر اس نے زینت کا نام لیا۔ شاید گھر کا فون نمبر دیکھ کر وہ سمجھی تھی کہ زینت فون کر رہی ہے۔

"میں ہوں اشعر۔" بڑی مشکلوں سے آنسوؤں کو روک کر وہ بول پایا۔

"آپ کہاں تھے؟ حریم آپ کو بہت زیادہ پوچھ رہی تھی۔ میں نے آپ کے موبائل پر کئی مرتبہ ٹرائی کیا' پھر گھر پر بھی فون کیا۔ زینت نے کہا آپ گھر بھی نہیں آئے۔ حریم رات آپ کا بہت زیادہ انتظار کر رہی تھی' سوئی بھی بہت دیر میں اور بہت مشکل سے ہے۔"

وہ کل تمام رات کہاں تھا؟ خرد کی بات کے جواب میں اس نے یاد کرنے کی کوشش کی۔ اسے یاد آگیا۔ وہ کل رات محبت کی عدالت میں مجرم کے کٹہرے میں کھڑا رہا تھا۔ کل رات اس نے محبت کی عدالت سے عمر بھر ایک احساس جرم' ایک کسک اور ایک کبھی نہ مٹنے والی خلش کے ساتھ زندہ رہنے کی سزا پائی ہے۔ وہ کچھ بولنے کے قابل نہیں تھا' اس کی آنکھوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر کچھ اشک اس کے چہرے کو پھر بھگونے لگے تھے۔

"میں آرہا ہوں۔" یہ تین لفظ بمشکل ادا کر کے اس نے فوراً ہی ریسیور واپس رکھ دیا۔

الماری سے ایک دوسرا لباس نکال کر وہ باتھ روم میں آگیا۔ وہ پوری رات بارش میں بھیگا۔ صبح کے چار بجے شاور پوری رفتار سے کھولے بالکل ٹھنڈے یخ پانی سے نہا رہا تھا۔ اس کے بالکل تازہ زخموں پر پڑتا وہ برفیلا پانی اسے ذرا سی بھی اذیت نہیں دے رہا تھا۔ وہ کتنی ہی دیر اس سرد پانی کو اپنے زخموں سے اٹے جسم پر بہاتا رہا۔

☼ ☼ ☼

وہ ہسپتال میں آگیا تھا۔ حریم کے روم کا دروازہ کھول کر وہ آہستگی سے اندر داخل ہوا۔ صبح کے ساڑھے پانچ بج رہے تھے۔ حریم بیڈ پر بے خبر سو رہی تھی۔ خرد اس کے بالکل پاس کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ دروازہ کھلنے کی آواز پر اس نے گردن گھما کر اسے دیکھا۔ وہ اس کی طرف دیکھ نہیں سکا۔ وہ نظریں جھکائے اندر آگیا تھا۔ وہ اس کی خود پر مرکوز نگاہوں کو محسوس کر رہا تھا۔ وہ شاید اس کے چہرے گردن اور ہاتھوں پر جابجا نظر آتے تازہ زخموں اور چوٹوں کو دیکھ رہی تھی' وہ اس سے نظریں چراتا خاموشی سے صوفے پر جاکر بیٹھ گیا۔

خرد نے اس پر سے نظریں ہٹا کر حریم کی طرف چہرہ موڑ لیا تھا۔ وہ اسے نہ دیکھنے کے باوجود بھی اس کی ہر جنبش اور اس کے جسم کی معمولی سی حرکت تک کو محسوس کر رہا تھا۔

"حریم کی طبیعت رات میں کیسی رہی؟"

"حریم کی طبیعت الحمد اللہ بالکل ٹھیک رہی۔ رات جو ڈاکٹر حریم کو دیکھنے آئے تھے۔ ڈاکٹر انصاری آج انشاء اللہ ڈسچارج کردیں گے۔"

وہ حریم کی نیند خراب نہ ہو اس لیے بہت آہستہ بولی تھی۔ اس کا جواب اس نے ٹائلز پر نظریں جمائے ہوئے ہی سنا۔ کچھ پل ان دونوں کے بیچ مکمل خاموشی میں گزر گئے۔ پتا نہیں کتنے منٹ یونہی خاموشی میں گزرے ہوں گے' جب اس نے خرد کا کرسی پر سے اٹھنا محسوس کیا۔

وہ اس کے صوفے کے قریب رکھے سنگل صوفے پر جا کر بیٹھ گئی۔ اب وہ بھی اسی کی طرح حریم سے کافی فاصلے پر تھی۔ وہ بہت آہستہ آواز میں اس سے مخاطب ہوئی تھی۔

"مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔"

"باتیں تو مجھے بھی بہت سی کہنا ہیں۔ پر کہاں سے شروع کروں؟ تم سے پوچھوں کہ تم مجھ سے کتنی نفرت کرتی ہو یا مجھے نفرت کے قابل بھی نہیں سمجھتیں؟ میں اپنے کس کس گناہ کی معافی مانگوں خرد؟"

"حریم انشاء اللہ آج دن میں کسی بھی وقت ہاسپٹل سے ڈسچارج ہو جائے گی۔ میں سمجھتی ہوں اب ہمیں حریم کے مستقبل کی بات کر لینا چاہیے۔"

وہ اس کی بات کے جواب میں کچھ کہنا چاہتا ہے' وہ شاید یہ دیکھنے کے لیے ایک پل کو رکی۔ اس کے جھکے سر کو اس نے ایک پل کے لیے دیکھا پھر اسے کچھ نہ بولتا پا کر خود ہی آگے اپنی بات کی وضاحت کرنے لگی۔

"بہت سوچ سمجھ کر اور غور و فکر کرنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ حریم کی بہتری اور اس کا تحفظ آپ کے ساتھ رہنے میں ہے۔ میں اسے وہ سب کبھی بھی فراہم نہیں کر سکتی جو آپ کر سکتے ہیں۔ حریم کا روشن کل اور اس کی زندگی کی دیرپا خوشیاں آپ کے ساتھ رہنے میں وابستہ ہیں۔ لہٰذا میں اپنی خوشی اور آمادگی کے ساتھ حریم آپ کو سونپ رہی ہوں۔ میں ہو سکا تو آج ہی' نہیں تو کل اس شہر سے چلی جاؤں گی۔ حریم کو ابھی گھر جانے کے بعد بہت [illegible] کیئر کی ضرورت ہوگی لیکن میں سمجھتی ہوں اگر اسے ماں یا باپ میں سے کسی ایک کے ساتھ رہنا ہے تو یہی وہ بہترین وقت ہے جب یہ فیصلہ کر لیا جانا چاہیے۔ جتنے زیادہ دن' ہم دونوں ایک ساتھ اس کے ساتھ رہیں گے' اتنے ہی زیادہ

دن پھر بعد میں حریم کو اس تلخ سچائی کو قبول کرنے میں لگیں گے کہ اسے ماں یا باپ میں سے کسی ایک کے ساتھ رہنا ہے۔ وہ ایک وقت میں دونوں کے ساتھ کبھی نہیں رہ سکتی۔ میں جانتی ہوں آپ حریم سے محبت کرتے ہیں۔ حریم اب سے صرف آپ کی ہے' میرا اس پر کوئی حق نہیں۔ مجھے پتا ہے آپ اس کا بہت خیال رکھیں گے۔ وہ آپ کے ساتھ بہت زیادہ خوش رہے گی۔ آپ اگر مجھے اجازت دیں گے تو میں کبھی کبھار حریم سے فون پر بات کر لیا کروں گی اور اگر نہیں تو میں آپ کے فیصلے کو قبول کروں گی۔ آپ سے میری صرف اتنی سی درخواست ہے کہ حریم کے ذہن پر اس کی ماں کا کوئی برا خاکہ مت بننے دیجئے گا۔ اس کی ماں ایک بدکردار عورت تھی' اس احساس کو ساتھ لیے وہ زندگی میں سر اٹھا کر کبھی جی نہیں پائے گی۔ میں چاہتی ہوں حریم ہمیشہ سر اٹھا کر جیے۔ وہ اپنے ماں اور باپ دونوں میں سے کسی کے بھی وجود سے کبھی شرمسار نہ ہو۔"

تند لفظوں کے اس کاری وار نے اس کے جھکے سر کو تکلیف کی شدت سے کچھ اور جھکا دیا تھا۔

اس کا دل چاہا' وہ اپنے دونوں کانوں پر ہاتھ رکھ لے' خرد کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کہے' خدا کے لیے لفظوں کی یہ بے رحم تلوار مجھ پر نہ چلاؤ۔

"حریم! جب بھی تم مجھے پاپا کہتی ہو' میرا دل خوشی اور فخر سے بھر جاتا ہے۔ تم سے پہلی بار تعارف ہی اس لفظ سے ہوا تھا۔ اتنے حق سے "آپ فوٹو والے پاپا ہیں" کہنے والی میری بیٹی۔ پر اب سے جب بھی تم مجھے اس پیارے نام سے پکارا کرو گی تو خوشی کے ساتھ دل کو ہر بار ایک نیا درد یونہی ملا کرے گا' جیسے تمہاری ماں کے لفظوں میں چھپی کاٹ سے ملا ہے۔"

اسے پتا تھا خرد اپنی بات کا جواب پانے کے لیے اس کے کچھ کہنے کی منتظر ہے مگر وہ کچھ بولے بغیر اس کی طرف دیکھے بغیر ایک دم ہی صوفے پر سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کی نظریں اپنی سوئی ہوئی بیٹی پر جمی تھیں۔ وہ بیٹی جو موت کے منہ سے نکل کر باہر آئی تھی' جسے اللہ نے ایک نئی زندگی عطا کی تھی۔ وہ بغیر قدموں کی کوئی آہٹ پیدا کیے اپنی بیٹی کے پاس آگیا۔

"آپ حریم کی برتھ ڈے پر کیوں نہیں آئے؟ گفٹ بھی نہیں دیا۔"

اس کی آنکھوں سے دو آنسو بڑی آہستگی سے گر کر اس کے گریبان میں جذب ہوئے' اس نے رخ موڑ کر اپنا چہرہ خرد سے مکمل طور پر چھپایا ہوا تھا۔ اس نے جھک بڑی خاموشی سے اپنی بیٹی کی پیشانی کو چوما۔

"تمہاری ماں سے معافی مانگنے کے قابل تو نہیں ہوں۔ مگر تم اپنے پاپا کو معاف کر دو حریم! اس کی ہر زیادتی کے لیے۔ تمہارے پاپا تم سے وعدہ کرتے ہیں جو ان چار برسوں میں ہوا' وہ اب زندگی میں کبھی نہیں ہوگا۔ بس صرف ایک بار معاف کروا دو اپنے پاپا کو۔"

وہ بے آواز اپنی گہری نیند سوتی بیٹی سے ہم کلام تھا یوں جیسے اس کے دل سے نکلی یہ ساری باتیں سیدھی اس کے دل تک پہنچ رہی تھیں۔

☼ ☼ ☼

وہ سخت مضطرب تھیں' وہ کل رات سے کئی مرتبہ اشعر کے موبائل پر کال کر چکی تھیں۔ وہ ان کی کال ریسیو نہیں کر رہا تھا۔ اشعر سے انہیں کوئی کام نہیں تھا جو لائحہ عمل انہوں نے اس افسوس ناک اور خطرناک صورت حال سے نمٹنے کے لیے طے کیا تھا اس میں اشعر سے نہیں' انہیں اس ذلیل لڑکی سے جا کر بات کرنا تھی جو اپنی اوقات بھول گئی اس بے حیثیت لڑکی کو اس کی اوقات یاد دلانی تھی۔

اشعر سے تو وہ صرف سلام دعا کر کے اسے اپنے واپس آنے کی اطلاع دے کر بہت روٹین کے سے انداز میں بات کرنا چاہتی تھیں۔ اگر اشعر ان سے یہ بات چھپا رہا تھا تو وہ بھی خود کو انجان ہی ظاہر کرنا چاہتی تھیں۔ وہ جلد بازی میں کوئی اوچھا کام کر کے اپنی عمر بھر کی ریاضت اپنا اکلوتا بیٹا کھونے کا سوچ بھی کیسے سکتی تھیں۔

کراچی واپس آنے سے پہلے پرسوں شام جو ان کی اشعر سے آخری بات ہوئی تھی۔ وہ ان سے اسی محبت بھرے لہجے میں مخاطب تھا۔ جس میں ہمیشہ ہوا کرتا تھا۔ اگر خرد اسے کچھ بتا چکی ہوتی' تو اس کا لہجہ معمول کے مطابق کس طرح ہو سکتا تھا۔ وہ اپنے بیٹے کے ہر انداز اور ہر ادا سے واقف تھیں۔

اگر اسے سچائی کا رتی برابر بھی علم ہو گیا ہوتا تو وہ ان کے ساتھ محبت اور چاہت سے باتیں کرنے کا ڈرامہ کبھی کر ہی نہیں سکتا تھا۔ یہ اس کا مزاج ہی نہیں تھا۔

وہ صبح ساڑھے دس بجے اشعر کے دفتر فون کر چکی تھیں۔ اس کی سیکرٹری نے بتایا تھا کہ اس کا ابھی کچھ ہی دیر

فون کیا ہے کہ وہ آج سارا دن آفس نہیں آئے گا۔ اشعر کے آفس کے بعد انھوں نے پونے بارہ بجے کے قریب ہاسپٹل 'اشعر حسین کی کوئی relative بن کر فون کیا تو وہاں سے پتا چلا کہ اشعر حسین کی بیٹی کو آج صبح ہاسپٹل سے ڈسچارج کیا جاچکا ہے۔

اب ساڑھے بارہ بج رہے تھے اور وہ اس وقت کھڑکی میں کھڑی بے قراری کے عالم میں اشعر کا موبائل نمبر پھر ملا رہی تھیں ان کی نگاہوں کے سامنے گارڈن کا کچھ حصہ اور پورچ پورا کا پورا واضح تھا۔ وہ اشعر کو کال ملاتی بے دھیانی سے پورچ کی طرف دیکھ رہی تھیں کہ اچانک ہی ان کی نگاہ پورچ میں کھڑی سیاہ گاڑی کے اوپر پڑی۔ ان کی اچٹتی' بے دھیان سی نگاہ بے ساختہ ٹھٹھک کر اس سیاہ گاڑی کے اوپر جم گئی۔ اشعر کی گاڑی؟

اشعر کی گاڑی یہاں کیسے؟ وہ کل دوپہر گھر واپس آئی ہیں اور کل دوپہر سے گھر پر ہی ہیں اور اس دوران اشعر گھر پر بالکل نہیں آیا پھر اس کی گاڑی کیسے؟ ان کے گھر میں جتنی گاڑیاں تھیں۔ سب کی سب انھیں نیچے اپنی اپنی مخصوص جگہوں پر کھڑی نظر آرہی تھیں۔

وہ تیزی سے نکل کر اپنے کمرے سے باہر آئیں۔ انھوں نے ایک ایک کر کے تمام ملازمین سے پوچھ ڈالا کہ کیا کل اشعر گھر آیا تھا۔ انھوں نے جھنجلا کر چوکیدار کو بلوایا۔ اس کا جواب اثبات میں تھا' چوکیدار اشعر کے آنے اور جانے کا جو وقت اندازاً" بتا رہا تھا وہ دو' ڈھائی گھنٹوں پر مشتمل بن رہا تھا۔ وہ شام میں گھر آیا' یہاں دو' ڈھائی گھنٹے تک رہا اور ان سے ملے بغیر چلا گیا؟ اور سب سے اہم سوال آخر وہ کیوں اتنی خاموشی سے آکر اتنی ہی خاموشی سے واپس بھی چلا گیا وہ بھی اپنی گاڑی یہیں کھڑی چھوڑ کر۔

اپنے ہاتھ میں موجود موبائل سے وہ ایک مرتبہ پھر اشعر کو کال ملا رہی تھیں۔ ان کے قدم اپنے کمرے کی طرف تھے۔ موبائل کان سے لگائے انھیں اشعر کے موبائل پر بیل جاتی سنائی دے رہی تھی لیکن اس بیل کے ساتھ ہی انھیں ایک رنگنگ ٹون بھی سنائی دی تھی۔ ان کے قدم بے اختیار ٹھٹک کر رک گئے۔ وہ اشعر کے کمرے کے سامنے کھڑی تھیں۔ موبائل ہنوز ان کے کان سے لگا تھا۔ ان کے موبائل سے جس موبائل پر کال ملائی جارہی تھی اس کی گھنٹیاں اندر اس کمرے میں بج رہی تھیں۔ ایک سیکنڈ سے بھی کم وقت میں انھوں نے کمرے کا دروازہ کھولا۔ شدید بے قراری کے عالم میں بھاگتی ہوئی وہ کمرے کے اندر آگئیں۔ اشعر کا موبائل صوفے پر الٹا پڑا زور زور سے بج رہا تھا۔ اس موبائل پر سے ہوتی ان کی نگاہیں کمرے میں قالین پر ادھر ادھر بکھرے کچھ کاغذوں پر پڑی تھیں۔

جس کاغذ تک وہ سب سے پہلے پہنچیں' انھوں نے جھک کر اسے اٹھایا۔ اس کاغذ کو انھوں نے اپنی نگاہوں کے سامنے کیا اور ان کا وجود ایک دھماکے سے اڑ گیا تھا۔

وہ خط نہیں ایک بم تھا' ایک زوردار دھماکا ہوا تھا اور ان کے جسم کے کسی نے پرخچے اڑا ڈالے تھے۔ وہ کاغذ ان کے ہاتھوں سے چھوٹ کر واپس گرا۔ کیا ساری بازی الٹ گئی؟ کیا وہ ہار گئیں؟ کیا سارا کھیل ختم ہو گیا؟ کیا زندگی مکمل طور پر ان کے خلاف چلی گئی؟ ان کے دماغ میں زور زور سے دھماکے ہو رہے تھے' انھیں ارد گرد کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ اپنے کمرے میں شکست خوردہ اور نڈھال بیٹھا تھا۔ صبح حریم کو ہاسپٹل سے ڈسچارج کر دیا گیا تھا اور دن کے ساڑھے گیارہ بجے وہ لوگ گھر واپس آچکے تھے۔ حریم کی معصومانہ باتوں کے جواب دینے اور ڈاکٹرز و ہسپتال کے دیگر عملے سے ضروری بات چیت' گھر جا کر حریم کو کس نوعیت کا احتیاط اور پرہیز وغیرہ کی ضرورت ہوگی' اس حوالے سے ہدایات لینے اور الوداعی کلمات کہنے کے سوا اس نے آج صبح سویرے سے اب تک کوئی اور بات نہیں کی تھی۔ وہ بالکل خاموش تھا۔ وہ کل رات سے خاموش تھا' وہ آج صبح سے بالکل خاموش تھا۔ گھر آنے کے بعد کچھ دیر حریم کے پاس بیٹھے اس کی بچگانہ' معصومانہ باتوں کو آنسو پیتے سنتے رہنے کے بعد اب جب وہ سو گئی تھی تب وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں آگیا تھا۔ وہ ایک مکمل طور پر ٹوٹا اور بکھرا ہوا انسان تھا۔ اس نے دروازے پر بیل سنی تھی' لگتا تھا کوئی بیل دبانے کے بعد اس پر سے ہاتھ اٹھانا بھول گیا ہے۔ اٹھ کر جا کر دیکھنے کی اس میں سکت نہ ہوئی' وہ تھکے ہوئے' نڈھال سے انداز میں صوفے پر بیٹھا رہا۔

☼ ☼ ☼

وہ سوئی ہوئی حریم کے پاس بیڈ پر بیٹھی تھی۔ اس کی بیٹی صحت یاب ہو کر زندہ سلامت گھر واپس آگئی تھی۔ وہ اللہ کا شکر ادا کرتی رہی سوئی ہوئی بیٹی کو محبت بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اشعر اس کی بات کے جواب میں کچھ بھی نہیں بولا تھا۔ وہ صبح ساڑھے پانچ بجے جب ہسپتال آیا تھا اس وقت سے بالکل خاموش تھا۔ اسے وہ ایک مکمل طور پر بدلا ہوا اور مختلف انسان نظر آرہا تھا۔ لیکن اشعر سے کوئی جواب اس نے مانگا بھی کب تھا۔ حریم سے جدائی کا فیصلہ تو اس کا اپنا فیصلہ تھا۔ اس کی آنکھیں ڈبڈبا رہی تھیں۔ وہ کس طرح زندہ رہے گی؟ حریم کے بغیر اکیلی تو ابشا واپس جا کر وہ زندگی کو نئے سرے سے پھر سے کس طرح شروع کر پائے گی؟ اس نے بیل کی زوردار آوازیں سنیں۔ زینت دروازہ کھولنے کے لیے گئی تھی۔ ایک سیکنڈ بھی نہیں گزرا تھا جب اس کے کمرے کا دروازہ بہت زوردار دھماکے سے پورا کا پورا وا کر تا کوئی اندر داخل ہوا۔

☼ ☼ ☼

اس اپارٹمنٹ کے دروازے پر آکر انھوں نے بیل پر ہاتھ رکھا۔ جنونی انداز میں وہ بیل کو اس وقت تک دبائے رہیں جب تک کہ دروازہ کھول نہیں دیا گیا۔

"آپ کو کس سے ملنا ہے؟" اسے دھکیل کر سامنے سے ہٹاتی وہ اندر داخل ہو گئیں۔ وہ کسی زخمی شیرنی کی طرح اسے تلاشنے لگیں۔

وہ فریدہ حسین ہیں کوئی معمولی عورت نہیں۔ وہ زندگی میں کبھی نہیں ہاری ہیں۔ انھیں کبھی کوئی ہرا نہیں سکا ہے۔ وہ سیدھی اس کے سر پر جا کر کھڑی ہوئی تھیں۔ وہ انھیں دیکھ کر بیڈ پر سے اٹھ گئی تھی۔

"میرے بیٹے کو اپنی معصومیت کے جال میں پھنسا کر سمجھتی ہو اسے مجھ سے چھین لوگی؟ ساڑھے چار سالوں بعد کہیں سے منہ اٹھا کر آؤ گی' اپنے گناہوں کی ایک نشانی اس کے سامنے رکھو گی اور وہ اسے اپنی اولاد مان لے گا؟ میرا بیٹا ایسا احمق نہیں' میرا بیٹا ایسا پاگل نہیں۔"

وہ حلق کے بل پوری قوت سے چلائی تھیں۔ کوئی بہت تیزی میں چلتا کمرے کے اندر آیا تھا۔ انھوں نے گردن گھما کر آنے والے کو دیکھا۔ وہ ان کا بیٹا تھا' وہ ان کا اشعر تھا۔ لیکن وہ انھیں کن نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں انھیں بتا رہی تھیں وہ ان کی بات سن چکا ہے۔ اس کی آنکھوں میں موجود تاثر ان کے اندر خوف و وحشت کی ایک انتہائی سرد ترین لہر دوڑا گیا۔

وہ اشعر اور خود کے بیچ کھڑی تھیں لیکن ان کا رخ اپنے بیٹے کی طرف تھا۔

"اشعر تم اس مکار لڑکی کے جال میں پھنس رہے ہو؟"

"ممی! آپ یہاں حریم کے سامنے کوئی بات نہیں کریں گی۔ میں گھر آؤں گا وہاں آکر آپ سے بات کروں گا۔"

اس کا سرد لب و لہجہ ان کے حواس بالکل ختم کرنے لگا۔

"اشعر! تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ پاگل ہو گئے ہو۔ یہ لڑکی ساڑھے چار سالوں تک پتا نہیں کہاں کہاں منہ کالا کرتی رہی ہے۔ پتا نہیں کس کا گناہ اٹھا کر یہ تمہارے پاس تمہارے سر پر تھوپنے کے لیے لے آئی ہے۔ جسے تم اپنی اولاد کہہ کر گلے لگا بیٹھے۔"

"بس ممی! آگے ایک لفظ مت بولیے گا۔ آگے ایک بھی لفظ میری بیٹی کے لیے مت بولیے گا۔"

ان کی چلاتی آواز کو اشعر نے سختی سے کاٹ دیا۔ وہ دار تنگ دیتی نگاہوں سے انھیں دیکھ رہا تھا۔

"اشعر تم؟ تم اس لڑکی کی باتوں میں آگئے۔ پوچھو اس سے کیا ثبوت ہے اس کے پاس اس بات کا کہ اس کی بچی کے باپ تم ہو؟"

"اگر حریم میری بیٹی ہے اس بات کا کوئی ثبوت نہیں تو ثبوت تو اس بات کا بھی کوئی نہیں ہے کہ میں بصیرت حسین ہی کا بیٹا ہوں۔" اشعر ایک دم ہی یوں چلایا جیسے اندر ہی اندر پکتا کوئی لاوا اچانک ہی پھٹ پڑا ہو۔

"اشعر؟" انھوں نے بے یقینی سے بیٹے کو دیکھا۔ "اشعر تم مجھے' اپنی ماں کو گالی دے رہے ہو؟" ان کا طنطنہ پل میں ختم ہو گیا تھا۔

"آپ کو نہیں ممی! میں خود کو گالی دے رہا ہوں اور گالی تو ہر صورت مل ہی مجھے رہی ہے ممی۔ میں بصیرت حسین کا بیٹا ہوں یا نہیں گالی مجھے ہی مل رہی ہے' حریم میری بیٹی ہے یا نہیں گالی تب بھی مجھے ہی دی جا رہی ہے۔ کوئی میری ماں کو گالی دے یا میری بیٹی کو' گالی تو مجھے ہی دی گئی ناں؟"

وہ اس بار چلایا نہیں تھا' وہ ایک ایک لفظ توڑ توڑ کر بول رہا تھا۔ اس کی آنکھیں ڈبڈبا رہی تھیں۔ اس کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔ انھوں نے زندگی میں کبھی اپنے بیٹے کو روتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ وہ اس کی آنکھوں میں بھرے آنسوؤں کو ساکت کھڑی دیکھ رہی تھیں۔

"ممی! کیا جب میں پیدا ہوا تھا ڈیڈی نے آپ سے گواہی مانگی تھی کہ میں ان ہی کا بیٹا ہوں؟ کیا دنیا کی ہر ماں سے

یونہی گواہیاں اور ثبوت طلب کیے جاتے ہیں اس کے بچے کے باپ کے بارے میں؟"

بھرائی آواز میں اس نے سوالیہ نگاہوں سے انہیں دیکھا' پھر ایک ایک قدم اٹھاتا وہ ان کے قریب سے گزرتا خرد کے ساتھ جاکر کھڑا ہو گیا۔ اس نے بڑی مضبوطی سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"اگر یہ لڑکی باکردار نہیں ہے تو پھر میں اپنے خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں دنیا کی کوئی بیوی' کوئی ماں باکردار نہیں۔ ساری دنیا بھی آکر اگر اس کے خلاف گواہی دے' میں تب بھی یہی بات کہوں گا۔"

اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں لیکن اس کا لہجہ مضبوط تھا۔

"شعر......!" ان کے لبوں پر قفل سے پڑ گئے تھے' وہ کچھ بھی بول نہیں پا رہی تھیں۔ ان کا وجود کسی بھربھری مٹی کی طرح بیٹھتا چلا جا رہا تھا۔

"ایسا ظلم تو کوئی بے زبان جانوروں پر بھی نہیں کرتا ممی! جو آپ نے اس لڑکی پر جو میری بیوی ہے کیا۔ کیا بگاڑا تھا اس نے آپ کا؟ کون سا نقصان پہنچایا تھا اس نے آپ کو؟ آپ کو یہ اتنی ہی بری لگتی تھی' اتنی ہی ناقابل برداشت لگتی تھی آپ مجھ سے کہتیں "شعر مجھ سے تمہاری بیوی برداشت نہیں ہوتی' اسے طلاق دے دو۔" میں آپ کی خاطر اسے چھوڑ سکتا تھا' اس سے کہیں بہتر ہوتا آپ مجھ سے صاف لفظوں میں اس سے اپنی نفرت بتا دیتیں۔ میں ماں اور بیوی میں سے ماں ہی کو چنتا۔ پھر یہ سب کیوں ممی؟ آپ نے خرد کو نہیں آپ نے حریم کو نہیں' آپ نے تو مجھے اپنے بیٹے کو توڑ ڈالا۔ کیوں ممی کیوں؟ میں تو آپ کا بیٹا تھا نا۔ خرد سے نفرت تھی مجھ سے کیا دشمنی تھی آپ کو۔"

ان کے بیٹے کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے تھے' وہ آنسو ایک' ایک کر کے اس کے گالوں پر بہتے چلے جا رہے تھے۔

"شعر! میں تم سے بہت محبت کرتی ہوں۔ میں نے ساری دنیا میں سب سے زیادہ تم سے محبت کی ہے۔" وہ ٹوٹے ٹوٹے شکستہ انداز میں بولیں وہ رونا چاہتی تھیں مگر ان کی آنکھوں سے آنسو نکل نہیں پا رہے تھے۔

"یہ کیسی محبت کی ہے آپ نے مجھ سے ممی؟ مجھے توڑ دیا' مجھے ختم کر دیا' مجھے اتنے لوگوں کا گناہ گار بنا دیا۔ مجھے ایک ہارا ہوا' ناکام اور گناہ گار انسان بنا دیا۔ یہ میری معصوم بیٹی اپنی زندگی کے چار سالوں تک باپ کے ہوتے یتیموں جیسی زندگی گزارتی رہی' یہ میری بیوی میرے ہوتے بے امان و بے سائبان اتنے برسوں تک زندگی سے تنہا لڑتی رہی۔ آج میں ان دونوں سے نظریں ملانے کے قابل نہیں رہا ہوں۔ ممی!"

وہ زار و قطار روتا ان کا وہی چھوٹا سا چند برسوں کا بیٹا لگ رہا تھا جسے روتا دیکھ کر وہ اسے اپنی بانہوں میں چھپا لیا کرتی تھیں۔

"خرد نے مجھ سے بے وفائی کی ہے' آپ کے دکھائے اس جھوٹ کو سچ جان کر بھی جیتا رہا ہوں' میں اس بات کے بعد بھی ساڑھے چار برسوں تک زندہ رہا ہوں لیکن آج یہ جان کر کہ میری زندگی میں جو کچھ بھی ہوا' وہ سب کسی اور نے نہیں میری ماں نے' میری اپنی سگی ماں نے کیا ہے۔ کیسے زندہ رہوں گا ممی؟ بیوی تو دھوکا دے سکتی ہے لیکن ماں تو دھوکا نہیں دیا کرتی۔ سب کچھ اپنے کانوں سے سن لینے کے باوجود' جو بدترین لفظ ابھی آپ نے میری بیٹی کے لیے بولے انہیں جان لینے' سن لینے کے باوجود مجھے یقین نہیں آ رہا کہ میری ماں ایسی ہو سکتی ہے۔ مجھ سے اتنی محبت کرنے والی ماں میرے ساتھ ایسا کر سکتی ہے۔"

وہ خرد کا ہاتھ چھوڑ کر روتے روتے فرش پر بیٹھ گیا تھا۔

"آپ نے مجھے مار ڈالا ہے۔ آپ نے اپنے بیٹے کو اپنے ہاتھوں موت دے دی ہے ممی۔" وہ گھٹنوں پر اپنا سر ٹکا کر چھوٹے سے بچے کی طرح رو رہا تھا۔

وہ ان کا پیارا سا ننھا سا بیٹا' وہ اس کے پاس جانا چاہتی تھیں' وہ اسے گلے لگا کر اس کے تمام آنسو پونچھ دینا چاہتی تھیں۔ مگر وہ اس کے پاس کیسے جاتیں۔ وہ بیٹے کے قریب نہیں جا رہی تھیں' وہ الٹے قدم اٹھاتی' ایک ایک قدم اپنے بیٹے سے دور جا رہی تھیں۔

انہوں نے ایک نظر اپنے روتے ہوئے بیٹے پر ڈالی' انہوں نے ایک نظر اس کے قریب بالکل ساکت اور خاموش کھڑی اس لڑکی پر ڈالی۔ وہ لڑکی ان کے بیٹے کے بالکل قریب کھڑی تھی اور وہ بیٹے کے مقابل کھڑی تھیں۔

"تمہیں میرا کھلا چیلنج ہے یہ خرد احسان اگر اس زندگی میں تم یہ ثابت کر کے دکھا سکو کہ تمہاری کوکھ میں پلتا بچہ اشعر کا ہے۔ اگر اشعر تمہاری بات کا یقین کر لیتا ہے نا تو تم جیتیں میں ہاری۔"

ان کی اپنی آواز یکلخت ہی ان در و دیوار میں چاروں طرف گونجنے لگی۔ وہ لڑکی نظریں جھکائے خاموش کھڑی تھی' وہ لڑکی اپنی شکست خوردہ دشمن کو دیکھ نہیں رہی تھی۔

"آپ نے مجھے مار ڈالا ہے ممی۔ آپ نے مجھے زندگی دی تھی اور آپ ہی نے میری زندگی ختم کر دی۔" وہ کاؤنٹر پر ہاتھ رکھ کر اس اپارٹمنٹ سے باہر نکلیں۔ سامنے لفٹ تھی مگر وہ سیڑھیوں پر سے انتہائی تیز رفتاری سے یوں اتر رہی تھیں جیسے موت ان کے تعاقب میں آ رہی ہو۔ وہ تیزی سے بھاگتی اس بلڈنگ سے باہر نکل آئی تھیں۔ وہ کھلے آسمان کے نیچے کھڑی تھیں' وہ خالی ہاتھ کھڑی تھیں۔

"کون جیتا فریدہ حسین؟ جیت کس کو ملی اور ہارا کون؟" کہیں سے جیسے کسی غیبی آواز نے ان سے پوچھا تھا۔

"اس لڑکی سے سب کچھ چھین کر' اسے ایک روز خالی ہاتھ کھلے آسمان تلے دنیا کی ٹھوکروں میں بے آبرو کر کے ڈال دیا تھا۔ وہ لڑکی تو لیکن خالی ہاتھ نہیں رہی۔ خالی ہاتھ تو تم کھڑی ہو۔ اپنی زندگی بھر کی ساری پونجی اس آخری عمر میں آکر تو تم نے گنوائی ہے۔ تمہارے ہاتھ کیا آیا' تمہیں کیا ملا؟ تم نے سب کچھ گنوا دیا ہے اور اس نے سب کچھ پا لیا ہے اس پاک دامن لڑکی پر تہمت لگائی' اپنی چالوں کی کامیابی پر بڑا اترائیں پر ایک چال وہ بھی تھی جو تم چل رہی تھیں' اور ایک چال وہ بھی تھی جو اللہ نے چلی۔ اس بچی کی وہ بیماری' اس میں اس خدا کی کیا حکمت پوشیدہ تھی؟ کبھی تم سے کوئی بات نہ چھپانے والا تمہارا بیٹا بچی کا علاج تم سے خفیہ رکھ کر کروانے لگا' اسے اور اس کی ماں کو تم سے پوشیدہ رکھ کر کہیں اپنے ساتھ لے کر رہنے لگا' اس میں اس اللہ کی کیا مصلحت شامل تھی؟ اللہ نے تم سے تمہاری زندگی کا حاصل تمہارا بیٹا چھین لیا اور اس اللہ کی گرفت ایسی ہی سخت ہوتی ہے۔ وہ جب مظلوموں کا انتقام لیتا ہے تو تمہارے جیسے گناہ گاروں کو زمین اور آسمان کے بیچ کہیں پناہ نہیں ملا کرتی۔"

آجاؤ گے تقدیر کی زد پر جو کسی دن
ہو جائے گا معلوم خدا ہے کہ نہیں



"اگر یہ لڑکی باکردار نہیں ہے تو پھر میں اپنے خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں دنیا کی کوئی بیوی' کوئی ماں باکردار نہیں۔ ساری دنیا بھی آکر اگر اس کے خلاف گواہی دے' میں تب

بھی یہی بات کہوں گا۔"

وہ کھڑکی کھول کر کھڑی تاروں سے بھرے آسمان کو خاموشی سے تک رہی تھی' اس کی آنکھیں اشکوں سے بھری ہوئی تھیں۔

وہ قالین پر گھٹنوں پر سر رکھے بیٹھا تھا اس نے حریم کی آواز پر' اس کی کسی بات تک پر سر اوپر نہیں اٹھایا تھا۔ نجانے کب کب کے اور کس کس بات کے آنسو تھے جو وہ بہائے جا رہا تھا۔

وہ حریم کو کھانا کھلا کر' دوا دے کر سلا چکی تھی' باہر بہت ٹھنڈی' خوشگوار سی ہوا چل رہی تھی' اس کے بدن کو چھوتی یہ ہوا آج سے پہلے کبھی ایسی اچھی نہیں لگی تھی' تاروں سے سجا یہ آسمان پہلے کبھی اتنا حسین نہیں لگا تھا۔

"خرد!" اس نے اس شخص کی آواز سنی اس نے گھوم کر اس شخص کو دیکھا وہ ہاتھوں سے اپنے چہرے پر بکھرے آنسوؤں کو صاف کرتا قالین پر سے اٹھ کر اس کے قریب آنے لگا۔ اس کے دل کی زمین بنجر ہو گئی تھی' ویران ہو گئی تھی' وہاں پر پھر محبت کی فصل لگنا' نئی کونپلیں پھوٹنا اور محبت کے پھولوں کا کھلنا نجانے اب ممکن بھی رہا تھا کہ نہیں۔ وہ خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھی' اس بہت مشکل فیصلے کی کشمکش میں مبتلا وہ اسے دیکھ رہی تھی کہ ایک دم ہی وہ اس کے پیروں کے قریب گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھ گیا۔

"میرے پاس اپنی صفائی میں کہنے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔ جو میرا گناہ ہے وہ محبت کی عدالت میں قابل معافی ہو ہی نہیں سکتا۔ محبت کرنے والے مجھ جیسے سفاک اور تنگ دل نہیں ہوتے خرد۔ محبت کرنے والے مجھ جیسے ہرگز نہیں ہوتے۔ تم مجھے کبھی بھی معاف مت کرنا خرد' لیکن صرف حریم کے لیے' ہماری بیٹی کے لیے مجھے ایک بار پھر قبول کر لو۔ اگر حریم ہماری زندگی میں نہ ہوتی تو میں میں خود کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے تم سے کہیں دور لے جاتا۔ لیکن یہ ہماری بیٹی' اسے صرف محبت کرنے والے باپ کی نہیں' اسے بہت محبت کرنے والی اپنی ماں کی بھی ضرورت ہے۔ میرے لیے نہیں' اپنے لیے نہیں' صرف حریم کے لیے' صرف ہماری بیٹی کے لیے خرد' صرف ہماری بیٹی کے لیے۔"

اس نے بھرائی آواز میں آہستہ آہستہ بولتے اس کے سامنے اپنے دونوں ہاتھ جوڑ دیے تھے۔ وہ اس کے پیروں کے قریب زمین پر گھٹنوں کے بل بیٹھا اپنے دونوں ہاتھ اس کے سامنے جوڑے ہوئے تھا۔ اس کے دل کو جیسے کسی نے مٹھی میں لے کر مسل ڈالا تھا۔ وہ ایک دم ہی اس کے سامنے فرش پر گر سی گئی تھی۔ اس کے بندھے ہاتھوں کو اس نے ایک پل میں کھول ڈالا تھا اور اگلے پل وہ اس کے سینے پر سر رکھ کر زار و قطار رو رہی تھی۔

وہ کہہ رہا تھا مجھ سے کبھی محبت مت کرو اور محبت وہ تو ایک ہی پل میں کہیں سے نکل کر ان کے بیچ پھر آ کھڑی ہوئی تھی۔ اپنی حیثیت منواتی ہوئی' اپنا وجود تسلیم کرواتی ہوئی۔

"ہر جذبہ فنا ہو سکتا ہے مگر میں نہیں' مجھے اللہ نے کبھی بھی نہ ختم ہونے کے لیے پیدا کیا ہے۔"

"میں تھک گئی زندگی سے اکیلے لڑتے لڑتے' تنہا دوڑ کر جیتے جیتے۔ میں سونا چاہتی ہوں' پرسکون اور گہری نیند کوئی میری حفاظت کرنے والا ہو اور میں اطمینان سے سو سکوں۔"

اس نے اپنے سینے پر رکھا اس لڑکی کا سر اپنے ہاتھوں سے بڑی آہستگی سے اوپر اٹھایا۔ برسوں کی تھکن لیے جو آنسو اس لڑکی کی آنکھوں میں تھے وہی آنسو اس کی آنکھوں میں بھی امڈ آئے تھے۔ بہت لمبے' دشوار گزار سفر کے بعد آرام پانے کے لیے اس لڑکی نے اپنا سر اس کے کاندھے پر رکھ دیا تھا۔

وہ اس کے کاندھے پر سر رکھ کر رو رہی تھی اور وہ اس کے سر پر چہرہ ٹکا کر آنسو بہا رہا تھا۔ ان کے آنسو باہم گھل مل رہے تھے۔

کڑی مسافتیں طے کر کے آئے وہ دونوں مسافر بہت تھکے ہوئے تھے۔ ان کے پاؤں شل تھے اور جسم سفر کی صعوبتوں سے نڈھال تھے۔ ایک دوسرے کے وجود میں پناہ ڈھونڈتے وہ تنہا طے کیے سفر کی ساری تھکن اتار رہے تھے۔

